محمد محمدی اشتہاردی

محمد محمدی اشتہاردی

ناشر

حسن علی بک ڈپو، کراچی، پاکستان۔

محمد علی بک ڈپو

زہرا گارڈن دوکان نمبر ۲، نزد محفل شاہ خراسان،
بریٹو روڈ، سولجر بازار نمبر ۳، کراچی

Call:021-32242991, 0300-2985928

کتاب ———— ۱۰۱ دل چسپ مکالمے

تالیف ———— محمد محمدی اشتہاردی

ترجمہ ———— سید محمد حسن عابدی

طبع اول ———— ۱۰۰۰

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام میں مناظرے کی اہمیت
اور
اسلامی مقاصد کی پیشرفت میں اسکا کردار

حقائق کو سمجھنے اور واقعات کو جاننے کے لئے مناظرہ و مباحثہ کرنا خصوصاً دور حاضر میں جب کہ دامنِ علم وسیع ہو چکا ہے کسی مہذب مقصد تک پہنچنے کا قوی ترین راستہ ہے۔ اگر بالفرض تعصب اور ہٹ دھرمی کے سبب اسے قبول نہ بھی کیا جائے تو کم از کم اتمام حجت کے لئے تو کافی ہے کیونکہ یہ بات تو واضح ہے کہ تلوار کے زور پر زبردستی اپنے عقیدے کو دوسروں پر مسلط نہیں کیا جاسکتا اور اگر مسلط کر بھی دیا جائے تو وہ بے بنیاد اور عارضی ثابت ہوتا ہے۔

خدا نے بھی قرآن مجید میں اس موضوع کو کافی اہمیت دی ہے اور اسے اصول قرار دے کر چار مواقع پر اپنے پیغمبرؐ سے ارشاد فرمایا ہے:

قل ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین. (سورۃ بقرہ آیت ۱۱۱)

"اے نبیؐ! آپ مخالفین سے کہہ دیں کہ اگر تم لوگ سچ کہتے ہو تو دلیل لے آؤ۔"

لہذا اسلام جب دوسروں کو دلیل و برہان اور منطق کی دعوت دیتا ہے تو ضروری ہے کہ خود بھی دلیل اور استدلال کے ذریعے اپنی بات کو ثابت کرے۔

مزید پیغمبر اکرمؐ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن. (سورۂ نحل آیت ۱۲۵)

"اے رسولؐ! آپ ان لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعے بلائیں اور ان سے بحث و مناظرہ بھی کریں اس طریقے سے جو (لوگوں کے نزدیک) سب سے اچھا طریقہ ہے۔"

اس آیت میں حکمت سے مراد وہ محکم ترین راستہ ہے جو علم و عقل پر مبنی ہو اور "موعظہ حسنہ" سے مراد وہ معنوی نصیحتیں ہیں جو سننے والوں کے احساسات کو حق کی طرف مائل کرتی ہیں۔ البتہ بعض لوگ سخت اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں جو ہر چیز سے انکار کرتے ہیں اور اپنے باطل افکار و خیالات کو ہر طرح سے منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا ایسے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان سے مقابلہ کیا جائے لیکن یہ مقابلہ حسن اخلاق اور شائستہ طریقے سے ہو جس میں سچ اور حسن اخلاق پایا جائے۔ لہذا فن مناظرہ میں ضروری

ہے کہ مناظرہ کرنے والے مناظرے کے طور طریقے سے خوب آگاہی رکھتے ہوں تاکہ جہاں بحث و مناظرے کی ضرورت محسوس کی جائے وہاں بحث و مناظرہ کیا جائے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ نے مختلف حالات میں تین مختلف طریقوں کا استعمال کیا اور اس طریقے سے مختلف افراد کو اسلام کی دعوت دی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے چار ہزار شاگردوں کی تربیت کی اور ان کو مختلف علوم کا ماہر بنایا جن میں مناظرہ اور دیگر علوم شامل تھے۔ چنانچہ جب کوئی مخالف علمی مذاکرہ کرنے اور بحث کرنے آتا اور امامؑ کے پاس وقت نہ ہوتا تو آپؑ اپنے شاگردوں میں ہی سے کسی کو حکم دیتے کہ وہ اس آنے والے سے بحث و مناظرہ کرے۔ ابن ابی العوجاء دیصانی اور ابن مقفع جیسے دنیا پرست اور منکر خدا نے بارہا امام صادقؑ اور ان کے شاگردوں سے مناظرہ کیا۔ امامؑ ان کی باتوں کو سنتے اور اس کا حرف بہ حرف جواب دیتے تھے یہاں تک کہ ابن ابی العوجاء کہتا ہے کہ امام صادقؑ پہلے ہم سے کہتے تھے کہ تم لوگوں کے پاس جو بھی دلیل ہو لے آؤ اور جب ہم اپنی تمام دلیلوں کو آزادانہ طور پر بیان کر دیتے تو امامؑ ان دلیلوں کو خاموشی سے سنتے ہم یہ گمان کرتے کہ شاید ہم نے امامؑ کو مغلوب کر دیا ہے لیکن جب امامؑ کی باری آتی تو آپؑ بڑی محبت اور نرم لہجے کے ساتھ اس طرح ہمارے ایک ایک سوال کا جواب دیتے کہ ہمارے لئے مزید کسی قسم کے بہانے کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔

قرآن حکیم میں حضرت ابراہیم کے مناظروں کا ذکر کیا گیا ہے

قرآن حضرت ابراہیمؑ کے بعض مناظرات کا تذکرہ کر کے بتلانا چاہتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پیروکار اپنے اجتماعی، سیاسی اور اعتقادی مسائل میں غافل نہیں تھے بلکہ مختلف محاذوں میں بالجملہ تہذیب کے محاذ میں دلائل اور اپنی منطقی گفتگو سے دین خدا کا دفاع کیا کرتے تھے۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کی بت شکنی کے واقعات کے بارے میں قرآن میں ملتا ہے کہ انہوں نے تمام بتوں کو توڑ دیا تھا لیکن بڑے بت کو باقی رکھا، جب نمرود کے دربار میں ان سے پوچھا گیا کہ تم نے بتوں کو کیوں توڑا؟ تو آپ جواب میں فرماتے ہیں:

بل فعله كبيرهم فاسئلو ان كانو ينطقون. (سورۃ انبیاء آیت ۶۳)

"یہ کام بڑے بت کا ہے اگر وہ بت بول سکتے ہیں تو ان سے پوچھ لو۔"

حضرت ابراہیمؑ نے اس جواب میں درحقیقت بت پرستوں کے اعتقاد کے مسئلے کو موضوع قرار دیتے ہوئے اس استدلال کو ان کے سامنے پیش کیا ہے گویا ان کو منہ توڑ جواب دیدیا ہے۔ بت پرست کہنے لگے کہ تم خود جانتے ہو کہ یہ بت بول نہیں سکتے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے کہا تو کیوں ان بتوں کی پرستش کرتے ہو جو کسی قسم کا کوئی نفع و نقصان نہیں رکھتے اور نہ کسی کام پر ان کو کوئی قدرت حاصل ہے۔ افسوس ہے تم لوگوں پر اور تمہارے معبودوں پر کیا تم لوگ اتنی سی بات کو بھی نہیں سمجھتے۔

دوسری جگہ قرآن حضرت ابراہیمؑ کے ایک اور مناظرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نمرود اور حضرت ابراہیمؑ کے درمیان گفتگو کا تذکرہ کرتا ہے۔ جس میں نمرود نے حضرت ابراہیمؑ سے سوال کیا کہ آپ کا خدا کون ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ میں اس خدا کو سجدہ کرتا ہوں جس کے ہاتھ میں موت وحیات ہے نمرود جو حیلہ وبہانے سے سادہ لوح افراد کو اپنے اردگرد جمع کئے ہوئے تھا جب اس نے دیکھا کہ لوگوں پر حضرت ابراہیمؑ کی بات کا اثر ہو رہا ہے تو چلایا کہ اے نادان لوگو! قدرت تو مجھے بھی حاصل ہے میں زندہ کرتا اور موت دیتا ہوں کیا تم لوگ نہیں دیکھتے کہ سزائے موت کے مجرم کو آزاد کردیتا ہوں اور جس کو سزا نہیں ہوتی اگر چاہوں تو اس کو قتل کردیتا ہوں اور پھر اسی لمحے نمرود نے ایک مجرم کو جو سزائے موت کا حکم سن چکا تھا حکم دیکر آزاد کردیا اور وہ مجرم جس کیلئے سزائے موت مقرر نہیں تھی اسے سزائے موت دیدی۔ حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کی ان غلط باتوں کے مدمقابل اپنے استدلال کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ صرف موت اور حیات ہی خدا کی قدرت میں نہیں ہے بلکہ تمام کائنات کی تمام مخلوق اسکی تابع ہے اسی بناء پر میرا پروردگار سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ اگر تم سچ کہتے ہو کہ لوگوں کے خدا ہو تو ذرا سورج کو مغرب سے نکال دو اور مشرق میں غروب کرکے دکھاؤ قرآن کہتا ہے:

فبهت الذی کفر واللّٰہ یهدی القوم الظالمین. (سورۃ بقرہ آیت ۲۵

"حضرت ابراہیمؑ کی اس بات پر وہ کافر ہکا بکا ہو کر رہ گیا اور خدا ہرگز ظالموں کی ہدایت نہیں کرتا۔"

یہ تھیں حضرت ابراہیمؑ کے مناظروں کی دو مثالیں جنہیں حضرت ابراہیمؑ نے مخالفین کے سامنے پیش کر کے حجت کو تمام کیا۔ قرآن میں مخالفوں سے حضرت ابراہیمؑ کے جن مناظروں کا تذکرہ ہوا ہے وہ سب اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مناظرے میں صحیح طریقے کو اپنایا جانا چاہئے اور تمدنی آثار میں ہونے والی سازشوں کے مقابلے میں (مناسب) دلائل اور صحیح مناظروں سے مسلح ہونا چاہئے تاکہ وقت پڑنے پر حق کا دفاع کیا جاسکے، ارشاد ہوتا ہے:

یاایها الذین آمنو خذو حذر کم. (سورۂ نساء آیت ۷۱)

"اے ایمان والو! اپنی حفاظت کے ذرائع کو اچھی طرح سے لے لو۔"

یہ آیت اس بات کو بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ تمام حالات میں اپنے آپ کو دشمنوں اور سازش کرنے والوں سے مقابلے کے لئے تیار رکھیں ان موارد میں سے علمی و ادبی آثار بھی ہیں کیونکہ ان کے استعمال کے مواقع دوسری تمام چیزوں سے زیادہ گہرے ہیں اور یہ بات بھی واضح ہے کہ فکر و تہذیب اسی وقت پایہء تکمیل تک پہنچتی ہیں جب مناظرہ، بحث اور علمی تحقیق اور دلائل وغیرہ کے طریقوں سے بہتر طور پر آشنائی حاصل کی جائے اور اس بات کی ضرورت ہے کہ ان تمام چیزوں سے آشنائی اور بہرہ مند ہو کر مناسب اوقات میں

حق کا دفاع کیا جاسکے۔

حضرت امام صادقؑ مخالفین سے مناظرے کی ضرورت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

خاصموهم وبينو لهم الهدى الذى انتم عليه وبينو لهم ضلالتهمو وباهلو هم فى على عليه السلام. (بحار جلد ۱۰ صفحہ ۴۵۲)

"اپنے مخالفوں سے بحث اور مقابلہ کرو جس راستے کے تم راہی ہو اس ہدایت کے راستے کو لوگوں کے لئے بیان کرو اور جن راستوں سے گمراہ ہوئے ہو انہیں ان لوگوں کے لئے واضح کرو اور حضرت علی علیہ السلام کی حقانیت کے سلسلے میں ان سے مباہلہ کرو۔۔۔ یعنی باطل کے طرفداروں سے نفرت اور خدا سے ان کے مصیبت وبلا میں مبتلاء ہونے کی درخواست۔۔۔ کرو۔"

اسی بناء پر پیغمبر اسلامؐ اور ہمارے اماموں علیہم السلام اور مذہب تشیع کے علماء نے مناسب مواقع پر بحث، مقابلے اور قانع کرنے والے شواہد و دلائل کے ذریعے مناظرات کئے اور اس کے ذریعے بہت سے لوگوں کو ہدایت کے راستوں کی طرف رہنمائی کی اور گمراہیوں سے نجات دلائی۔

امام باقرؑ ارشاد فرماتے ہیں:

علماء شيعتنا مرابطون فى الثغر الذى يلى ابليس وعفاريته يمنعونهم عن الخروج على ضعفاء شيعتنا وعن ان يتسلط عليهم ابليس وشيعته

النواصب الافمن انتصب كان افضل ممن جاهد الروم والترك والخزر الف الف مرة لانه يدفع عن اديان محبينا و ذالك يدفع عن ابدانهم. (احتجاج طبرسی جلد ۱، ص ۱۰۵)

"ہمارے پیروکار علماء ان سرحدی فوجوں کی مانند ہیں جو ابلیس اور اس کی فوج کے سامنے صف بستہ کھڑے ہیں اور ہمارے شیعوں کو جب ابلیس اور اس کی فوج کے حملہ کے موقع پر اپنا بچاؤ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں ان سے بچاتے ہیں اور ابلیس کے تسلط اور اس کے ناصبی پیروکاروں سے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ آگاہ رہو اے شیعہ صاحبان علم جو دین اور مذہب و ملت کے دفاع میں اپنا قیمتی وقت صرف کرتے ہیں ان کی اہمیت ان سپاہیوں سے کئی درجہ بالاتر ہے جو اپنے ملک و وطن اور اسلام کے دفاع میں کفار اور دشمنان اسلام سے جنگ کرتے ہیں اور شہید ہوتے ہیں اور ہمارے دوستوں کے دین کے دفاع کرنے والے ہیں جبکہ مجاہد صرف اپنے ملک کی جغرافیائی حدود کے محافظ ہوتے ہیں۔"

شیخ محمود شلتوت مصری سے گفتگو

الازہر یونیورسٹی مصر کے بلند پایہ استاد اور مفتی شیخ محمود شلتوت جو اہلسنت کے سربر آوردہ علماء میں سے تھے اپنے ایک انٹرویو کے دوران کہتے ہیں کہ:

"تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے انصاف کی بنیادوں پر کوشش کرنے

والا شخص جب اسلام کے بارے میں تحقیق کرتا ہے تو اسے شیعہ مذہب کی حقانیت پر مبنی ایسے بہت سے موارد کا سامنا ہوتا ہے جس کی بناء پر اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ دلائل بہت مضبوط ہیں اور شریعت اسلامی کے مقاصد اور معاشرے اور نسلوں کی تربیت کے لئے بہت سازگار ہیں اس طرح یہ چیزیں انسان کو شیعہ مذہب اور اس کی ہدایات کی طرف مائل کردیتی ہیں۔"

پھر چند معاشرتی اور خاندانی مسائل کو نمونہ کے طور پر یہ کہتے ہوئے ذکر کیا کہ:

"جب بھی ان امور میں سے مجھ سے کوئی سوال کرتا ہے تو میں شیعوں کے فتاوئ کی بنیادوں پر ان مسائل کا جواب دیتا ہوں۔" (اخبار الیقظہ بغداد شمارہ ۹۶۔ ۷ شعبان)

قاہرہ کی یونیورسٹی الازہر کے ایک ایسے مقبول اور بڑے استاد کا اعتراف بہت پر امید اور توجہ کو جلب کرنے والا ہے کیونکہ وہ شیعہ مذہب کو دلیل و برہان کی بنیاد پر استوار اور اسلام کے پاک و صاف مقاصد کے موافق سمجھتے ہیں۔ آگے چل کر مذہب شیعہ کے صحیح ہونے کے بارے میں ان کے تاریخی فقرے اور قاہرہ کے بزرگ علماؤں کے ذریعے ان کی تائید کے بارے میں مناظرہ نمبر ۸۵ میں تذکرہ کیا جائے گا۔

زیر نظر کتاب میں ان مناظرات کا نمونہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے جو

پیشوایان اسلام پیغمبر اکرمؐ و ائمہ اطہار علیہم السلام اور علماء کرام نے ماضی اور حال میں منکر اور نادان افراد سے مناسب رویے کو اپنانے کے طریقوں کی عکاسی کرتے ہیں اور ہمیں سکھاتے ہیں کہ کس طرح سے دین حق کا دفاع کیا جائے۔ دلائل و استدلال کا فن اور صحیح مناظرہ، افراد کو متوجہ کرنے یا انہیں قانع کرنے میں بہت مؤثر ہے اور ان طریقوں کو سیکھنا بہت ضروری ہے ہمیں چاہئے کہ مختلف مواقعوں پر گمراہ اور نادان لوگوں کی ہدایت کے لئے کمر بستہ رہیں۔

اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

حصہ اول میں حضرت خاتم النبیینؐ، ائمہ طاہرینؑ اور ان کے شاگردوں کے مناظرے ہیں جو انہوں نے مختلف لوگوں کے ساتھ اسلام کے مختلف امور کے بارے میں کئے۔

حصہ دوم میں معروف اور محقق علماء اسلام کے مختلف گروہوں کے ساتھ مناظرے ہیں مجموعا یہ کتاب ۱۰۱ مناظروں پر مشتمل ہے۔ امید ہے کہ اس مجموعہ کے ذریعے مناظرہ کا طریقہ اور اسلامی مقاصد کی پہچان کی جانب پیش رفت میں مدد ملے گی اور ہم علمی وادی میں ہونے والی سازشوں سے محفوظ رہ سکیں گے۔

محمد محمدی اشتہاردی

قم مقدسہ (ایران)

پیغمبر اسلامؐ کے مناظروں کے چند نمونے

(۱)

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلام مخالف پانچ مختلف مذاہب کے گروہوں سے مناظرہ جن میں سے ہر گروہ پانچ افراد پر مشتمل تھا۔ مجموعی طور پر ۲۵ افراد تھے جنہوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں پہنچ کر مناظرہ کیا جائے۔ یہ پانچوں گروہ مدینہ طیبہ میں پیغمبر اکرمؐ کے پاس آئے اور آپؐ کے اطراف میں بیٹھ گئے۔ پیغمبر اکرمؐ نے بڑی خوش اخلاقی سے انہیں بحث شروع کرنے کی اجازت دی۔

یہودیوں کے گروہ نے کہا: کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت عزیرؑ[۱] خدا کے بیٹے ہیں لہذا ہم اس موضوع پر آپ سے مناظرہ کرنے آئے ہیں اگر اس موضوع پر حق ہمارے ساتھ ہوا اور آپ ہمارے ہم عقیدہ ہوگئے تو ہم آپ پر سبقت لے جانے والوں میں سے ہوں گے اور اگر آپ نے ہمارے ساتھ موافقت

۱۔ عزیرؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد آنے والے بنی اسرائیل کے پیغمبروں میں سے ہیں۔

نہ کی تو آپ کے ساتھ مخالفت اور دشمنی رکھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

عیسائیوں کے گروہ نے کہا: کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں اور خدا نے ان کے ساتھ اتحاد کیا ہے۔ لہذا ہم آپ سے مذاکرہ کرنے آئے ہیں اگر آپ نے ہماری پیروی کی اور ہمارے عقیدے سے متفق ہو گئے تو ہم آپ پر سبقت لے جائیں گے ورنہ ہم آپ کی مخالفت اور آپ سے دشمنی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

مادہ پرست گروہ نے کہا: کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اس دنیا کی ابتداء اور انتہا نہیں ہے بلکہ یہ دنیا ہمیشہ سے ہے۔ لہذا اس موضوع پر ہم آپ سے بحث کرنے آئے ہیں۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو معلوم ہو جائے گا کہ حق ہمارے ساتھ ہے اور اگر آپ نے ہمارے ساتھ اتفاق نہ کیا تو ہم آپکی مخالفت کرینگے۔

دوئی پرست گروہ نے کہا: کہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس دنیا کو پالنے والے اور چلانے والے دو ہیں ایک پروردگار نور ہے ایک پروردگار ظلمت ہے۔ لہذا اس سلسلے میں ہم آپ سے مناظرہ کرنے آئے ہیں تاکہ آپ بھی اس مسئلے میں ہمارے ہم عقیدہ ہو جائیں۔ اگر آپ نے ہمارے ساتھ موافقت نہ کی تو ہم آپکی مخالفت پر آمادہ ہو جائیں گے۔

بت پرست گروہ نے کہا: ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ بت ہمارے خدا ہیں۔ لہذا آپ سے بحث کرنے آئے ہیں تاکہ آپ کو بھی اس مسئلے میں قائل کریں۔ اگر آپ نے ہماری بات نہ مانی تو ہم آپ کی مخالفت کریں گے۔

پیغمبر اکرمؐ کے جوابات: پیغمبر اسلامؐ نے پہلے سب کو ایک عام سا

مکمل جواب دیا کہ تم سب نے اپنے اپنے عقائد کا اظہار کیا اب میری باری ہے کہ پہلے میں اپنے مذہب کا اظہار کروں۔ لہذا سنو! میں خدائے یکتا وحدہ لاشریک پر اعتقاد رکھتا ہوں اور اس کے علاوہ ہر خدا کا انکار کرتا ہوں، خدائے واحد نے مجھے اس کائنات والوں کے لئے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، میں رحمت خدا کی خوشخبری دینے والا اور اس کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں، میں دنیا والوں پر خدا کی طرف سے حجت ہوں اور خدا ہی مجھ کو میرے مخالفین اور دشمنوں کی اذیتوں سے بچانے والا ہے۔ پھر پیغمبر اسلامؐ ترتیب کے ساتھ ہر گروہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ جواب دینا شروع کیا۔ پہلا مناظرہ یہودیوں کے گروہ کے ساتھ تھا جن کے ساتھ اس طرح سے مناظرہ ہوا:

پیغمبر اکرمؐ: کیا تم چاہتے ہو کہ میں بغیر دلیل کے تمہاری باتوں کو قبول کرلوں؟

یہودی گروہ: (دلیل یہ ہے کہ) چونکہ توراۃ بالکل ختم ہوچکی تھی کوئی بھی اسے زندہ کرنے والا نہ تھا اور کیونکہ حضرت عزیزؑ نے اسے زندہ کیا اس وجہ سے ہم انہیں خدا کا بیٹا ماننے لگے۔

پیغمبر اکرمؐ: اگر حضرت عزیزؑ کو خدا کا بیٹا ماننے کے لئے تم لوگوں کے پاس یہی دلیل ہے تو حضرت موسیٰؑ اس کے زیادہ مستحق ہیں اس لئے کہ وہ توراۃ کو لانے والے ہیں اور صاحب معجزات بھی ہیں ایسے معجزات جن کا اعتراف آپ لوگ بھی کرتے ہیں تو پھر کیوں تم لوگ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ایسا نہیں کہتے جن کا مقام ان سے بھی اعلیٰ تھا۔ دوسری طرف اگر تم خدا کا بیٹا ہونا دنیاوی

باپ بیٹے کی طرح تصور کرتے ہو کہ وہ خدا سے ہوئے ہیں تو اس صورت میں گویا تم دیگر موجودات کی طرح خدا کو بھی ایک مادی و جسمانی اور محدود موجود قرار دیتے ہو جس کی بنا پر یہ لازم آئے گا کہ خدا کا بھی ایک پروردگار تصور کیا جائے اور اسے کسی خالق کا محتاج سمجھا جائے۔

یہودی گروہ: ہمارا مقصد حضرت عزیرؑ کے خدا کے بیٹے ہونے کا وہ نہیں ہے جو آپ نے فرمایا ہے کیونکہ اس طرح کہنا سراسر کفر اور جہالت ہے بلکہ ہمارا مقصد فقط ان کی شرافت و احترام ہے جس طرح ہمارے بعض علماء اپنے ممتاز شاگردوں کو اپنا بیٹا کہتے ہیں۔ یہاں کوئی باپ بیٹے کی رشتہ داری نہیں ہوتی۔ لہذا خداوند عالم نے بھی حضرت عزیرؑ کو ان کے احترام میں اپنا بیٹا کہا ہے۔ لہذا ہم بھی اسی بنا پر ان کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ: تمہارا جواب اب بھی وہی ہے جو میں نے پہلے دیا ہے کہ اگر حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا ماننے کی یہی وجہ ہے تو ضروری ہے کہ حضرت موسیٰؑ جو حضرت عزیرؑ سے بلند تر مقام رکھتے ہیں خدا کا بیٹا مانا جائے کبھی کبھار خدا لوگوں کو ان کے دلائل کے ذریعے قانع کرتا ہے آپ لوگوں کی دلیل اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں حضرت عزیرؑ سے بڑھ کر کہیں۔ آپ نے مثال دی اور کہا کہ ایک ایسا استاد جو اپنے شاگرد کے ساتھ کسی قسم کا رشتہ نہیں رکھتا اس کے احترام میں کہتا ہے کہ اے میرے بیٹے، تو اس قسم کے جملے اس کی شرافت و احترام کو ظاہر کرتے ہیں جس کا احترام زیادہ ہوگا اس کی شان میں اتنے ہی زیبا الفاظ استعمال کیے جائیں گے۔ تو پھر آپ لوگوں کے نزدیک یہ بھی روا

ہونا چاہیئے کہ موسیٰ خدا کے بیٹے یا بھائی ہیں کیونکہ موسیٰ کا مقام عزیزؑ سے بلند ہے اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ لوگ مناسب سمجھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کو بھی خدا کا بیٹا یا بھائی قرار دیا جائے اور خدا حضرت موسیٰ کو احتراماً اپنا بیٹا یا بھائی یا استاد یا رہنما قرار دے؟ یہودی جواب نہ دے سکے اور حیران و پریشانی کے عالم میں کہنے لگے ہمیں اتنی مہلت دیں کہ ہم تحقیق کریں۔

پیغمبر اکرمؐ: اگر آپ لوگ اس مسئلے میں خالص و پاک دل اور انصاف کے ساتھ غور و فکر کریں تو خدا ضرور حقیقت کی جانب آپ کی رہنمائی کرے گا۔

دوسرا مناظرہ مسیحی گروہ کے ساتھ:

پیغمبر اکرمؐ اب مسیحی گروہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا کہ یہ جو آپ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے قدیم میں اپنے بیٹے حضرت مسیحؑ کے ساتھ اتحاد کیا ہے اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟ کیا اس سے آپ لوگوں کی مراد یہ ہے کہ خداوند عالم نے جو کہ قدیم ہے اپنے درجے سے نیچے آ کر ایک حادث وجود (یعنی پیدا ہونے والے) کے ساتھ اتحاد کیا اور موجود بن گیا، یا اس کے برخلاف حضرت عیسیٰ جو ایک حادث اور محدود موجود ہیں ترقی کر کے پروردگار قدیم کے ساتھ وجود واحد بن گئے، یا اتحاد سے آپ لوگوں کی مراد حضرت عیسیٰ کا احترام اور شرافت ہے اگر پہلا قول آپ لوگوں کا مورد نظر ہے یعنی خدا اپنے قدیم وجود سے تبدیل ہو کر وجود حادث بن گیا تو یہ محال ہے کیونکہ انسانی عقل اس بات کو قبول نہیں کرتی کہ محدود اور ازل سے موجود ہونے والا وجود دونوں ایک بن جائیں اور اگر دوسرے قول کو قبول کیا جائے تو وہ بھی محال ہے کیونکہ عقل کی نظر میں ایک محدود اور

حادث چیز ایک لا محدود اور ازلی چیز میں تبدیل نہیں ہو سکتی اور اگر تیسرے قول کو قبول کر لیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ دوسرے بندوں کی طرح حادث ہیں لیکن خدا کے نزدیک لائق احترام ہیں اس صورت میں بھی خدا اور عیسیٰؑ کی برابری اور اتحاد قابل قبول نہیں ہوگی۔

مسیحی گروہ: کیونکہ خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو بہت سے امتیازات دیئے ہیں اور معجزات اور حیرت انگیز کام کرنے کا اختیار دیا ہے اسی وجہ سے انہیں اپنے بیٹے سے تعبیر کیا ہے اور ان کا خدا کا بیٹا ہونا احترام کی وجہ سے ہے۔

پیغمبر اکرمؐ: آپ لوگوں نے سنا کہ اسی قسم کی گفتگو یہودی گروہ کے ساتھ بھی ہو چکی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگ جو مقام و منزلت کے لحاظ سے حضرت عیسیٰؑ سے بھی بالاتر ہیں انہیں (نعوذ باللہ) خدا کا بیٹا یا استاد یا بھائی ہونا چاہئے۔ عیسائی گروہ کے پاس اس اعتراض کا کوئی جواب نہ تھا اور نزدیک تھا کہ وہ اس بحث و مباحثہ سے خارج ہو جاتے مگر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا کہ کیا آپ حضرت ابراہیمؑ خلیل کو خدا کا دوست نہیں سمجھتے؟

پیغمبر اکرمؐ: جی ہاں! سمجھتے ہیں۔

مسیحی گروہ: پس اسی طرح ہم بھی حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں آپ کیوں ہمیں اس عقیدے سے منع کرتے ہیں؟

پیغمبر اکرمؐ: ان دونوں القاب کا آپس میں فرق ہے کیونکہ لغت میں خلیل "خلہ" ذرہ کے وزن سے لیا گیا ہے جس کے معنی غریبی اور محتاجی کے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کیونکہ خدا کی طرف زیادہ متوجہ رہتے تھے اور غیر خدا سے بالکل

بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو صرف خدا کا محتاج سمجھتے تھے۔ لہذا خدا نے ان کو اپنا خلیل قرار دیا۔ آپ لوگ خصوصیت کے ساتھ ان کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعے کو ملاحظہ کریں کہ جب انہیں منجنیق میں نمرود کے حکم سے ڈالا گیا تاکہ اس کی دہکائی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے، حضرت جبرئیلؑ خدا کی طرف سے ان کے پاس آئے اور فضا میں ان سے ملاقات کی اور کہنے لگے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں تاکہ آپ کی مدد کروں۔ حضرت ابراہیمؑ نے انہیں جواب دیا کہ میں خدا کے علاوہ کسی سے مدد نہیں چاہتا اور اس کی مدد میرے لئے کافی ہے، وہ اچھا محافظ ہے۔ لہذا خدا نے اس وجہ سے ان کو خلیل یعنی خدا کا فقیر و محتاج بندہ قرار دیا اور اگر خلیل کے لفظ کو "خلہ" کے معنوں میں لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پیدائش و حقیقت کے رموز و اسرار سے آگاہی رکھنے والا۔ لہذا اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ خلیل تھے۔ یعنی حقیقت خلقت کے اسرار سے آگاہ تھے۔ تو اس طرح کے معنی مخلوق کو خالق سے تشبیہ دینے کا باعث نہیں بنتے۔ اس صورت میں اگر حضرت ابراہیمؑ اگر صرف خدا کے محتاج نہ ہوتے تو اسرار خلقت سے بھی آگاہ نہ ہوتے تو خلیل بھی نہ ہوتے لیکن پیدائشی اور اولادی رشتوں میں ایک قسم کا ذاتی پیوند اور رابطہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر باپ بیٹے کو اپنے سے دور کردے اور رابطہ توڑ دے تب بھی وہ اس کا بیٹا کہلائے گا اور ان کے درمیان باپ بیٹے کا رشتہ باقی رہے گا۔ اب اگر تمہاری دلیل یہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کیونکہ خلیل خدا ہیں لہذا حضرت عیسیٰؑ بھی خدا کے بیٹے ہیں تو لازم ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو بھی خدا کا بیٹا کہو یا اسی طرح کا جواب جو یہود کو دیا گیا کہ مقام کے اعتبار سے نسبتوں کو رکھا جاتا ہے

تو کہنا پڑے گا کہ موسیٰؑ بھی (نعوذ باللہ) خدا کے بیٹے یا استاد یا بھائی ہوں جبکہ تم ایسا نہیں کہتے۔ ایک عیسائی گویا ہوا کہ انجیل نام کی کتاب جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوئی، اس میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ میں اپنے باپ اور تمہارے باپ کی طرف جارہا ہوں لہٰذا اس عبارت کی بنا پر حضرت عیسیٰؑ نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ظاہر کیا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ: اگر تم لوگ انجیل کو مانتے ہو تو اس میں حضرت عیسیٰؑ کے قول کے مطابق تمام لوگوں کو بھی خدا کا بیٹا مانا جائے گا کیونکہ عیسیٰؑ کہتے ہیں کہ: "میں اپنے اور تمہارے باپ کی طرف جارہا ہوں۔" اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ میں بھی خدا کا بیٹا ہوں اور تم بھی خدا کے بیٹے ہو دوسری طرف جو آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کیونکہ شرافت و احترام کے لحاظ سے ایک خاص احترام رکھتے تھے لہٰذا خداوند عالم نے انہیں اپنے سے تعبیر کیا ہے تو تم لوگوں کی باتیں آپس میں تناقض رکھتی ہیں اس لئے کہ اس قول میں حضرت عیسیٰؑ صرف اپنے آپ کو خدا کا بیٹا نہیں کہتے بلکہ سب کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ پتا یہ چلا کہ نہ صرف یہ امتیازات دوسرے لوگوں میں موجود نہیں ہیں بلکہ حضرت عیسیٰؑ بھی خدا کے بیٹے نہیں ہیں۔ آپ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے قول کو نقل تو کرتے ہیں مگر ان ہی کے خلاف بات کرتے ہیں، آپ لوگ باپ اور بیٹے کی نسبت کو جس کا تذکرہ حضرت عیسیٰؑ کے کلام میں ہے غیر معمولی معنی میں کیوں لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی اس جملے سے مراد یہ ہو کہ میں حضرت آدمؑ و حضرت نوحؑ کی طرف جو سب کے باپ ہیں جارہا ہوں جو معمول کے مطابق ہیں یعنی خدا مجھے ان کی طرف

لے جارہا ہے۔ آدمؑ و نوحؑ ہم سب کے باپ ہیں لہذا اس جملے کے ظاہری اور حقیقی معنوں سے کیوں اختلاف کیا جائے اور دوسرے معنی کا انتخاب کیا جائے۔

عیسائی گروہ نے جب اس قسم کا مدلل جواب سنا تو شرمندہ ہو کر کہنے لگے ہم نے آج تک کسی کو نہیں دیکھا جس نے اتنی بھرپور مہارت کے ساتھ ہم سے مقابلہ اور بحث کی ہو جیسی بحث آپ نے کی ہے۔ لہذا ہمیں مہلت دیں ہم اس سلسلے میں غور و فکر کریں۔

تیسرا مناظرہ مادہ پرستوں کے ساتھ :

اب مادہ پرست اور منکرین خدا کے گروہ کی باری آئی۔ پیغمبر اکرمؐ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولے کہ آپ لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ موجودات کا کوئی آغاز نہیں ہے اور یہ ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی۔

مادہ پرست : جی ہاں! یہی ہمارا عقیدہ ہے کیونکہ نہ تو ہم نے موجودات کے آغاز کو دیکھا اور نہ ہی اس کے فنا اور اختتام کو مشاہدہ کیا۔ لہذا ہمارا اندازہ یہ ہے کہ موجودات دنیا ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔

پیغمبر اکرمؐ : لیکن میں تم لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا تم لوگوں نے موجودات کے ہمیشہ باقی ہونے اور رہنے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ اگر تم کہو کہ ہم نے دیکھا ہے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ تمہارا جسم اپنی تمام طاقت عقل و فکر کے ساتھ ازل سے ابد تک موجود ہو تاکہ تمام موجودات کے ازل سے ابد تک ہونے کو دیکھ سکے جبکہ ایسی بات غیر محسوس اور خلاف واقع ہے اور دنیا کے عقلمند افراد آپ کے اس دعوے کو جھٹلا دیں گے۔

مادہ پرست: ہم اس طرح کا ہرگز دعویٰ نہیں کرتے کہ اس کائنات کے قدیم اور موجودات کے ابدی ہونے کو ہم نے دیکھا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ: تم لوگ یکطرفہ انداز فکر اختیار نہ کرو کیونکہ تم لوگ پہلے یہ کہہ چکے ہو کہ نہ ہم نے تمام موجودات کو دیکھا ہے اور نہ ہم نے ان کے ہمیشہ سے ہونے اور ہمیشہ باقی رہنے اور نابود ہونے کو دیکھا ہے تو پھر کیوں یکطرفہ انداز میں یہ فیصلہ کرتے ہو اور کہتے ہو کہ کیونکہ ہم نے موجودات کے فنا ہونے اور حادث ہونے کو نہیں دیکھا لہذا وہ ازل سے ابد تک ہیں۔ (پھر پیغمبر اکرمؐ نے ان سے ایک سوال ایسا کرلیا جس میں ان کے عقیدے کو باطل کرتے ہوئے اس کائنات کی وجودات کے حادث ہونے کو ثابت کیا گیا تھا)۔

پیغمبر اکرمؐ: کیا تم لوگ دن و رات کو ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے ہوئے دیکھتے ہو؟

مادہ پرست: جی ہاں۔

پیغمبر اکرمؐ: کیا دن اور رات کے بارے میں یہ محسوس کرتے ہو کہ یہ ہمیشہ سے اسی طرح سے تھے اور آئندہ بھی اسی طرح سے رہیں گے؟

مادہ پرست: جی ہاں۔

پیغمبر اکرمؐ: کیا تمہارے خیال میں اس بات کا امکان ہے کہ دن اور رات ایک جگہ جمع ہو جائیں اور ان کی ترتیب الٹ جائے۔؟

مادہ پرست: نہیں۔

پیغمبر اکرمؐ: لہذا یہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہیں جب ایک کا

وقت ختم ہو جاتا ہے تو دوسرے کی باری آتی ہے۔

مادہ پرست : جی ہاں۔

پیغمبر اکرمؐ : تم لوگوں نے بغیر دیکھے دن اور رات کے حادث ہونے کا اقرار کر لیا تو پھر خدا کے منکر نہ ہو۔ پھر پیغمبر اکرمؐ نے اپنی بات کو اسی طرح جاری رکھتے ہوئے کہا کہ تمہارے عقیدے کے مطابق دن اور رات کی کوئی ابتدا ہے یا نہیں یا یہ ہمیشہ سے ہیں؟ اگر تم لوگ یہ کہو کہ ان کی ابتدا ہے تو ہماری بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ یہ حادث ہیں اور اگر تم لوگ یہ کہو کہ ان کی ابتدا نہیں ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ جس کا انجام ہے اس کا آغاز نہیں ہونا چاہئے۔ (جب دن اور رات کا انجام محدود ہے تو عقل کہتی ہے کہ ان کے آغاز کو بھی محدود ہونا چاہئے اور دن و رات کے انجام کی محدود ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے سپرد کرتے ہیں یعنی ایک کے بعد دوسرا ایک نئے طریقے سے وجود میں آتا ہے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ : یہ جو آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہمیشہ سے ہے اپنے اس عقیدے کو اچھی طرح سے سمجھا بھی ہے یا نہیں؟

مادہ پرست : جی ہاں ہم جانتے ہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ : کیا آپ لوگ اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ اس دنیا کی تمام موجودات کا ایک دوسرے سے تعلق ہے اور اپنے وجود و بقا میں ایک دوسرے کی محتاج ہیں جس طرح ایک عمارت میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سیمنٹ بجری لوہا بلاک وغیرہ سے مل کر تعمیر ہوتی ہے لہذا یہ سب اس بلڈنگ کی بقا میں ایک دوسرے کی محتاج ہیں جب اس جہان کی بقا ہر چیز اسی طرح سے ہے تو انہیں کیونکر قدیم اور

غیر محدود کہا جاسکتا ہے اور اگر ان اجزاء کو جو ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کے محتاج ہیں اگر قدیم مان لیا جائے تو حادث ہونے کی صورت میں انہیں کیا کیا جائے گا۔ مادہ پرست جواب دینے سے قاصر رہے اور حادث ہونے کے معنی کو بیان نہ کر سکے اس لئے کہ وہ جتنا حادث ہونے کے معنی بیان کرنا چاہتے اسی قدر موجودات کے قدیم ہونے کی بات کی مخالفت ہوتی اور مجبوراً قدیمی موجودات حادث بن جاتیں لہذا وہ بہت پریشان ہوئے اور کہا کہ ہمیں مہلت دی جائے تاکہ اس سلسلے میں غور و فکر کر سکیں۔

چوتھا مناظرہ دوئی پرستوں کے ساتھ :

اب دوئی پرستوں اور مانویوں کی باری آئی جو اس بات پر اعتقاد رکھتے تھے کہ اس دنیا کے دو خدا اور دو مدبر ہیں ایک نور اور دوسرا ظلمت۔

پیغمبر اکرمؐ : آپ لوگ کس بنا پر اس عقیدے کے قائل ہوئے؟

دوئی پرست : کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ کائنات دو چیزوں پر مشتمل ہے اچھائی اور برائی، دوسری طرف یہ بات مسلم ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اس بنا پر ہم معتقد ہیں کہ ان کا پیدا کرنے والا بھی الگ الگ ہے کیونکہ ایک خالق دو عمل جو ایک دوسرے کے ضد ہوں انجام نہیں دے سکتا۔ مثلاً محال ہے کہ آگ سردی کو ایجاد کرے لہذا اس بنا پر ہم ثابت کرتے ہیں کہ اس جہان کے دو قدیم خالق ہیں ایک نیکیوں کو پیدا کرنے والا دوسرا ظلمت کو پیدا کرنے والا۔

پیغمبر اکرمؐ : کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ اس دنیا میں کئی

قسم کے رنگ پائے جاتے ہیں سیاہ، سفید، سرخ، زرد و سبز وغیرہ اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کا الٹ ہے دو رنگ ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے ہیں اسی طرح گرمی اور سردی کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے۔

دوئی پرست : ہاں! ہم تصدیق کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ : اچھا تو آپ ہر رنگ کے لئے ایک علیحدہ خدا کو کیوں نہیں مانتے، کیا آپ ہی کے عقیدے کے مطابق ہر ضد و نقیض چیز کے لئے علیحدہ خالق ضروری نہیں ہے؟ پھر تمام متضاد اشیاء کے بارے میں کیوں نہیں کہتے کہ ان سب کے خالق موجود ہیں۔ دوئی پرست پیغمبر اکرمؐ کے اس منہ توڑ جواب کو سن کر خاموش ہو گئے اور حیرت و فکر کے سمندر میں ڈوب گئے۔ پیغمبر اکرمؐ نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کے عقیدے کے مطابق کس طرح نور اور ظلمت دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اس نظام کائنات کو چلا رہے ہیں جب کہ نور ترقی و بلندی کی جانب رواں ہوتا ہے اور ظلمت پستی کی طرف رواں ہوتی ہے۔ کیا آپ لوگوں کے عقیدے و خیال میں یہ بات ممکن ہے کہ دو اشخاص ایک ساتھ حرکت کر سکیں اور جمع ہو سکیں جب کہ ایک مشرق کی سمت رواں ہو اور دوسرے مغرب کی طرف۔

دوئی پرست : نہیں! یہ ممکن نہیں ہے۔

پیغمبر اکرمؐ : تو پھر کس طرح سے نور اور ظلمت جو ایک دوسرے کی مخالف سمت میں حرکت کرتے ہیں پھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر اس دنیا کو چلا سکتے ہیں کیا اس بات کا امکان نظر آتا ہے کہ یہ دنیا دو ایسے بنانے والوں

کی وجہ سے حرکت میں آئی جو ایک دوسرے کے ضد ہوں ظاہر ہے یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ لہذا یہ دونوں نور اور ظلمت مخلوق ہیں اور خداوند قادر و قدیم کے حکم کے تحت کام کر رہے ہیں۔ دوئی پرست پیغمبر اکرمؐ کے سامنے عاجز ہو گئے لہذا اپنے سروں کو جھکا کر کہنے لگے ہمیں مہلت دیجئے تاکہ ہم اس مسئلے میں غور و فکر کرسکیں۔

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے

پانچواں مناظرہ بت پرستوں کے ساتھ :

اب پانچویں گروہ یعنی بت پرستوں کی باری آئی پیغمبرؐ ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا آپ لوگ خدا سے منہ پھیر کر کیوں بتوں کی پوجا کرتے ہو؟

بت پرست : ہم ان بتوں کے ذریعے خدا کی بارگاہ میں قربت (نزدیکی) کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ : کیا یہ بت سننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور کیا یہ بت خدا کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں جس کی وجہ سے آپ لوگ ان کے احترام کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کرتے ہیں؟

بت پرست : نہیں یہ سننے کی صلاحیت نہیں رکھتے اور نہ ہی خدا کی عبادت کرنے والے اور اس کے اطاعت گزار ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ : کیا آپ لوگوں نے انہیں اپنے ہی ہاتھوں سے نہیں بنایا؟

بت پرست : کیوں نہیں ہم نے انہیں اپنے ہاتھوں ہی سے بنایا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ : تو پھر ان کے بنانے والے آپ لوگ خود ہی ہیں لہذا حق تو یہ تھا کہ یہ آپ کی پوجا کرتے۔ جب خداوند عالم آپ کے امور کے فوائد اور

انجام اور آپ کی ذمہ داریوں اور وظائف سے آگاہ ہے تو اسے چاہئے تھا کہ وہ ان بتوں کی پرستش کا حکم دیتا جبکہ خدا کی جانب سے ایسا کوئی حکم نہیں آیا جب پیغمبر اسلامؐ کی گفتگو اس مقام تک پہنچی تو خود بت پرستوں کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ ایک گروہ کہنے لگا کہ خدا نے ان بتوں کی شکل و صورت سے ملتے جلتے چند مردوں کے اندر حلول کیا ہے لہذا ان بتوں کی طرف توجہ اور ان کی پوجا سے ہمارا مقصد ان مخصوص افراد کا احترام ہے۔ دوسرا گروہ کہنے لگا کہ ہم نے ان بتوں کو اپنے بزرگوں میں سے چند پرہیزگار اور اطاعت گزار بندوں کی شبیہ کے طور پر بنایا ہے لہذا ہم خدا کے احترام کے پیش نظر ان کی پوجا کرتے ہیں۔ تیسرا گروہ کہنے لگا: خدا نے حضرت آدمؑ کو خلق کر کے اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو سجدہ کریں چونکہ کہ ہم لوگ زیادہ لائق تھے کہ آدمؑ کو سجدہ کریں تعلق ہم اس زمانے میں موجود نہیں تھے چنانچہ سجدہ کرنے سے محروم رہے لہذا اب ہم نے حضرت آدمؑ کی شکل و صورت کا مجسمہ بنایا ہے اور خدا کے قرب کو حاصل کرنے کے لئے انہیں سجدہ کرتے ہیں تاکہ ماضی کی محرومیت کی تلافی کر سکیں جیسا کہ اسی طرح فرشتوں نے آدمؑ کے سامنے سجدہ کر کے خدا کا تقرب حاصل کیا۔ جس طرح آپ لوگ اپنے ہاتھ سے محرابیں بناتے ہیں اور اس میں کعبے کے رخ پر سجدہ کرتے ہیں اور کعبہ کے سامنے خدا کی تعظیم اور احترام کے لئے سجدہ اور عبادت کرتے ہیں ہم بھی ان بتوں کے سامنے در حقیقت خدا کا احترام کرتے ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے تینوں گروہوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا آپ سب غلطی اور گمراہی پر ہیں اور حقیقت سے دور ہیں اور پھر باری باری تینوں گروہوں کی جانب متوجہ ہوئے اور اس طرح ترتیب وار

جواب ارشاد فرمایا:

پہلے گروہ کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ آپ لوگ جو کہتے ہو کہ خدا ان بتوں کی شکل رکھنے والے مردوں میں حلول کر گیا ہے لہذا ہم نے ان بتوں کو ان مردوں کی شبیہ بنایا ہے اور ان کو پوجتے ہیں تو آپ نے اس بیان کے ذریعے خدا کو مخلوقات کی طرح محدوث اور حادث سمجھ لیا ہے کیا خدا کسی چیز میں حلول کر سکتا ہے اور وہ چیز جو محدود ہے خدا کو اپنے اندر سمونے پر قادر ہے؟ پس اس طرح خدا اور دوسری اشیاء کے درمیان کیا فرق رہا جو جسموں میں حلول کرتی ہیں سما جاتی ہیں جیسے رنگ، غذا، بو، نرمی، گندگی، بھاری پن، ہلکا پن وغیرہ اس بنا پر آپ لوگ کس طرح یہ کہتے ہیں کہ وہ جسم جس میں خدا حلول ہوا ہے وہ حادث اور محدود ہو لیکن خدا جو اس میں سمایا ہے وہ قدیم اور لا محدود ہو حالانکہ معاملہ اس کے برخلاف ہونا چاہئے تھا یعنی سمانے والے کو حادث اور سمانے کی جگہ کو قدیمی ہونا چاہئے تھا دوسری طرف کس طرح ممکن ہے کہ خداوند عالم جو تمام موجودات میں سے پہلے ہمیشہ ہی سے خود مختار اور غنی تھا حلول پانے کی جگہ سے پہلے موجود تھا وہ جگہ کا محتاج بن جائے اور خود کو کسی جگہ قرار دے دوسری طرف دیکھا جائے تو آپ کے عقیدے میں خدا کے موجودات میں حلول کرنے کے ذریعے آپ نے خدا کو موجودات کی صفات کی طرح حادث اور محدود فرض کر لیا ہے جس کی بنا پر یہ ضروری ہوتا ہے کہ خدا کو ایک زوال پذیر اور تبدیل ہونے والی چیز فرض کیا جائے اس لئے کہ ہر وہ چیز جو حادث اور محدود ہوگی وہ زوال پذیر اور تبدیل ہونے والی بھی ہوگی اور اگر آپ لوگ یہ کہیں کہ یہ حلول کرنا تبدیلی اور زوال کا باعث نہیں

بنتا تو پھر حرکت و سکون اور سیاہ و سفید و سرخ جیسے رنگوں کو بھی تبدیلی اور زوال کا باعث نہ سمجھو نتیجتاً خدا کو موجودات کی طرح محدود و حادث مانند دوسری مخلوقات کے سمجھنا لازم آئے گا اور اگر اس عقیدے کو کہ خدا مختلف شکلوں میں حلول کرسکتا ہے بے اساس مان لیا جائے تو مت پرستی بھی خود خود باطل اور بے بنیاد عقیدہ کہلائے گا کیونکہ یہ بھی اسی بنا پر صحیح مانا جاتا تھا۔ پہلے گروہ کے افراد پیغمبر اسلامؐ کے دلائل اور بیانات کے آگے سوچ میں ڈوب گئے اور کہنے لگے کہ ہمیں اس سلسلے میں مہلت دی جائے تاکہ کچھ سوچ سکیں۔

پیغمبر اکرمؐ دوسرے گروہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا آپ لوگ مجھے یہ بتائیں کہ جب آپ لوگ پرہیزگار بندوں کی صورتوں کی پرستش کرتے ہیں اور ان کے سامنے نماز پڑھتے ہیں اور سجدے کرنے میں اپنے مقدس چہروں کو ان صورتوں کے آگے سجدہ کے لئے خاک پر رکھتے ہیں اور جتنا خضوع ہو سکے اس کام کے لئے انجام دیتے ہیں تو پھر خدا کیلئے کونسا خضوع باقی رکھتے ہیں؟ واضح الفاظ میں کہا جائے کہ سب سے بڑی خضوع کی علامت سجدہ ہے آپ جو ان شکلوں کے آگے سجدہ کرتے ہیں تو اس سے زیادہ کونسا خضوع ہے جسے خدا کے سامنے انجام دیتے ہیں۔ اگر آپ لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا کو بھی سجدہ کرتے ہو تو اس صورتحال میں آپ نے بندوں کی صورتوں اور خدا کے آگے خضوع کو مساوی سمجھا ہے کیا واقعی خدا کی تعظیم اور بتوں کا احترام مساوی ہے؟ مثال کے طور پر اگر آپ بااقتدار حاکم کے ساتھ اس کے نوکر کا بھی اسی قدر احترام کریں تو ایک بزرگ شخص کو چھوٹے شخص کے برابر درجہ دینے سے اس بزرگ کی توہین نہیں ہوگی؟

بت پرستوں کا دوسرا گروہ : ہاں ظاہر ہے ایسا ہی ہوگا۔

پیغمبر اکرمؐ : لہذا آپ درحقیقت ان بتوں کی پرستش کے ذریعے جو پرہیزگار مردوں کی صورتیں ہیں، خدا کے عظیم مرتبے کی توہین کرتے ہیں۔ بت پرستوں کا دوسرا گروہ پیغمبر اسلامؐ کی ان منطقی دلیلوں کے سامنے ساکت ہوگیا اور وہ سب کہنے لگے ہمیں مہلت دیں تاکہ ہم فکر کریں۔ اب تیسرے گروہ کی باری آئی۔ پیغمبر اکرمؐ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا: آپ لوگوں نے مثال کے ذریعے اپنے آپ کو مسلمانوں جیسا بتایا ہے اس بنیاد پر کہ بتوں کے سامنے سجدہ کرنا گویا حضرت آدمؑ کے سامنے یا کعبہ کے سامنے سجدہ کرنے کے برابر ہے لیکن یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ آپس میں ان کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی وضاحت کچھ اس طرح سے ہے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ ہمارا ایک خدا ہے اور اس کی اسی طرح پرستش اور اطاعت کرنا ہمارا فریضہ ہے، جس طرح وہ چاہتا ہے، جس طرح اس نے ہمیں حکم دیا ہے، ہم بغیر حدود سے نکلے ہوئے اسی طرح انجام دیتے ہیں اور ہم بغیر اس کی اجازت اور حکم کے قیاس اور تشبیہ کے ذریعے اس کے حکم کی حدود سے آگے تجاوز نہیں کرسکتے اور نہ اپنے لئے کسی فریضے کو قائم کرسکتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں تمام پہلوؤں سے آگاہی نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ خدا کسی کام کو کروانا چاہتا ہو اور کسی کام کو نہ کروانا چاہتا ہو اسی لئے اس نے اپنے حکم سے آگے بڑھنے سے ہمیں منع کیا ہے کیونکہ اس نے حکم دیا ہے کہ عبادت کے وقت کعبے کی طرف رخ کریں لہذا ہم اس کے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں اور اس کے فرمان کی حدود سے تجاوز نہیں کرتے اسی طرح اس نے حکم

دیا ہے کہ کعبے سے دور کے علاقوں میں عبادت کے وقت کعبے کی طرف رخ کریں تو ہم نے بھی اس کی تعمیل کی ہے اور حضرت آدمؑ کے بارے میں جو خدا نے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ وہ خود حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں نہ کہ ان کی تصویر اور مجسے کو جو حضرت آدمؑ کے علاوہ ہے لہذا جائز نہیں ہے کہ حضرت آدمؑ کی تصویر یا مجسے کا ان کے وجود سے مقابلہ کریں ہو سکتا ہے تمہیں معلوم نہ ہو اور خدا تمہارے اس کام سے ناراض ہو کیونکہ اس نے تمہیں اس کام کا حکم نہیں دیا۔ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص آپ کو کسی معین دن اور معین گھر میں داخلے کی اجازت دے تو کیا یہ صحیح ہوگا کہ کسی اور دن اسی کے گھر جائیں یا اسی دن اس کے کسی اور گھر میں جائیں؟ یا اگر کوئی شخص اپنے کپڑوں میں سے معین کپڑے گھوڑوں میں سے معین گھوڑے آپ کو ہدیہ کردے تو کیا صحیح ہوگا کہ آپ اس کے کسی دوسرے لباس یا جانور کو جو انہیں میں سے ہے اور ان کے استعمال کی اجازت نہیں دی گئی ہے انہیں استعمال کریں؟

بت پرستوں کا تیسرا گروہ: ہرگز ہمارے لئے یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس نے کچھ خاص معین چیزوں کی اجازت دی ہے نہ کہ مساوی چیزوں کی۔

پیغمبر اکرمؐ: پھر کیوں آپ لوگ اپنی جانب سے خدا کے حکم اور اجازت کے بغیر بتوں کو سجدہ کرتے ہیں؟ بت پرستوں کا تیسرا گروہ بھی پیغمبر اکرمؐ کے مدلل اور منطقی بیانات کے آگے خاموش ہوگیا اور کہنے لگا ہمیں مہلت دی جائے تاکہ کچھ غور و فکر کرسکیں۔

اس مناظرے کو ابھی تین دن نہیں گزرے تھے کہ ان پانچوں گروہوں

کے ۲۵ افراد پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کیا اور جرأت کے ساتھ کہنے لگے: "مارأينا مثل حجتك يا محمد شهدانك رسول الله" اے محمد ہم نے آپ جیسا استدلال کرنے والا نہیں دیکھا۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ (احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ ۱۶)

(۲)

پیغمبر اکرمؐ اور سرداران قریش کے درمیان ایک عجیب و غریب واقعہ مناظرہ کی صورت میں پیش آیا۔ ہوا یوں کہ ایک دن پیغمبر اکرمؐ مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ کعبے کے نزدیک تشریف فرما تھے اور احکام اسلام و آیات قرآنی کی تبلیغ میں مصروف تھے۔ اسی دوران بزرگان قریش کے کچھ افراد جو سب کے سب مشرک اور بت پرست تھے جیسے ولید بن مغیرہ، ابوالبختری، ابو جہل، عاص بن وائل، عبداللہ بن حذیفہ، عبداللہ مخزومی، ابوسفیان، عتبہ و شیبہ وغیرہ مل کر جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ محمدؐ کی تبلیغ کا کام روز بروز ترقی کر رہا ہے اور وسیع ہوتا جارہا ہے لہذا ضروری ہے کہ ان کے پاس جاکر ان کی مذمت و سرزنش کریں اور ان سے بحث اور مقابلہ کریں اور ان کی باتوں کو رد کریں اور اس طرح جب ان کی بے بنیاد باتوں کو ان کے دوستوں اور احباب کے سامنے پیش کریں گے تو وہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائیں گے اور اس طرح ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے ورنہ تلوار کے ذریعے ان کا کام تمام کردیں گے۔ ابو جہل کہنے لگا تم لوگوں میں کون ہماری نمائندگی کرے گا اور محمدؐ سے بحث و مناظرہ کرے گا؟ عبداللہ مخزومی کہنے لگا میں

ان سے بحث کرنے کے لئے حاضر ہوں اگر تم لوگ بہتر سمجھو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ابو جہل نے اس کی بات کو قبول کیا پھر سب اٹھے اور مل کر پیغمبر اکرمؐ کے پاس آئے اور عبداللہ مخزومی نے بولنا شروع کیا، اعتراض پر اعتراض کرنے لگا۔ ہر مرتبہ پیغمبر اکرمؐ فرماتے کہ کچھ اور بھی کہنا ہے وہ کہتا ہاں اور پھر اپنی باتوں کو جاری رکھتا یہاں تک کہ کہنے لگا کہ بس اتنا ہی کہنا تھا، اگر آپؐ کے پاس ان اعتراضات کے جواب ہیں تو ہم سننے کو تیار ہیں۔ اس کے اعتراضات اور موضوعات کچھ اس ترتیب سے تھے :

پہلا اعتراض کہ آپؐ عام لوگوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں جبکہ پیغمبر کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی طرح کھانا وغیرہ نہ کھائے۔

دوسرا اعتراض کہ آپ کے پاس ملکیت اور دولت کیوں نہیں ہے جبکہ خدا کے بااقتدار نمائندے کے پاس دولت اور مرتبہ ہونا چاہیے۔

تیسرا اعتراض کہ آپ کے پاس ایک فرشتہ ہونا چاہیے جو آپ کی تصدیق کرے اور ہم بھی اس فرشتے کو دیکھیں بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ پیغمبر بھی فرشتوں کی نسل سے ہو۔

چوتھا اعتراض کہ آپؐ جادو کر دیا گیا ہے کیونکہ آپؐ مسحور معلوم ہوتے ہیں۔

پانچواں اعتراض کہ کیوں قرآن "ولید بن مغیرہ مکی" یا "عروہ طائفی" جیسی معروف شخصیات پر نازل نہیں ہوا۔

چھٹا اعتراض ہم آپؐ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک

آپ اس پتھریلی اور سخت زمین پر پانی کا چشمہ جاری نہ کردیں اور کھجور اور انگور کے باغ نہ بنادیں تا کہ ہم چشمے کے پانی کو پئیں اور اس باغ کے پھلوں کو کھائیں۔

ساتواں اعتراض کہ کیا آپؐ آسمان کو گھرے بادلوں (کالی گھٹاؤں) کی صورت میں ہمارے سروں پر سایہ فگن کرسکتے ہیں؟

آٹھواں اعتراض کہ کیا خدا اور فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے ظاہر کرسکتے ہیں تا کہ ہم انہیں دیکھ سکیں۔

نواں اعتراض کہ آپ کے پاس سونے سے لدا ہوا ایک گھر کیوں نہیں ہے؟

دسواں اعتراض کہ آپؐ آسمان پر جاکر ہمارے لئے ایک ایسا خط کیوں نہیں لاتے کہ ہم اسے پڑھ سکیں۔ (یعنی جس میں خدا مشرکوں کو لکھے کہ محمدؐ میرا پیغمبر ہے اور تم لوگ اس کی پیروی کرو) البتہ ان تمام کاموں کو انجام دینے کے بعد بھی ہم یہ وعدہ نہیں کرتے کہ ہم مطمئن ہو جائیں گے کہ تم پیغمبر خدا ہو کیونکہ ممکن ہے ان کاموں کو تم جادو اور نظروں کے دھوکے کی بنا پر انجام دے دو۔

پیغمبر اکرمؐ کے جوابات:

پیغمبر اکرمؐ نے عبداللہ مخزومی کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ:

پہلے اعتراض کا جواب تو یہ ہے کہ کھانے پینے کے بارے میں تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ مصلحت اور اختیار خدا کے ہاتھ میں ہے، جس طرح وہ چاہتا ہے حکومت کرتا ہے، کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے، وہ کسی کو فقیر اور کسی کو امیر اور کسی کو عزیز و محترم اور کسی کو ذلیل و خوار اور کسی کو صحیح و سالم اور

کسی کو بیمار کرتا ہے۔ (البتہ اس کا تعلق خود انسان کی لیاقت سے ہے) لہذا اس صورتحال کے پیش نظر کوئی طبقہ بھی خدا پر اعتراض کرنے کا حق نہیں رکھتا اور جو بھی خدا کے سامنے اعتراض و شکایت کے لئے زبان دراز کرے وہ منکر اور کافر ہے کیونکہ ساری دنیا کا اختیار خدا کے ہاتھوں میں ہے۔ وہ تمام امور کی مصلحتوں کو بہتر جانتا ہے جو لوگوں کے لئے بہتر ہو انہیں دیتا ہے لوگوں کو چاہئے کہ اس کے حکم کے تابع رہیں اور جو بھی خدا کے حکم کی اطاعت کرے وہ مؤمن ہے ورنہ گناہگار کہلائے گا اور شدید قسم کے عذاب کا حقدار ٹھہرے گا۔ پھر آپؑ نے سورۃ کہف کی آیت ۱۰۹ کی تلاوت فرمائی:

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الله واحدہ.

"کہہ دواے پیغمبرؐ کہ میں تم جیسا بشر ہوں (تمہاری طرح کھاتا پیتا ہوں) لیکن خدا نے مجھے وحی سے مخصوص کیا ہے کہ بیشک تمہارا خدا ایک ہی ہے۔"

جس طرح انسانوں میں سے ہر ایک کو ایک خاص خصوصیت کا حامل بنایا ہے اور جس طرح تم لوگوں کو امیر، غریب، عقلمند، خوبصورت، بدصورت، شریف وغیرہ کے بارے میں اعتراض کا حق نہیں ہے اور اس سلسلے میں خدا کا فرمانبردار رہنا چاہئے اسی طرح نبوت و رسالت کے بارے میں بھی خدا کے حکم کے فرمانبردار رہو اور اعتراض نہ کرو۔

دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ تم جو کہتے ہو کہ میرے پاس مال و دولت کیوں نہیں ہے جبکہ خدا کے نمائندے کے پاس بادشاہوں کے نمائندوں کی طرح مال و دولت اور مرتبے کا مالک ہونا چاہئے بلکہ

خدا کو بادشاہوں سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے تو تمہیں یہ معلوم ہونی چاہئے کہ خدا پر یہ اعتراض غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ خدا زیادہ آگاہ اور خبر رکھنے والا ہے۔ وہ اپنے کاموں اور تدبیروں میں مصلحت کو سمجھتا ہے اور دوسروں کی مرضی کو ملحوظ رکھے بغیر عمل کرتا ہے۔ پیغمبروں کا کام لوگوں کو خدا کی عبادت کی دعوت دینا ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ دن رات لوگوں کی ہدایت کا کام انجام دیں۔ اگر پیغمبر دنیاوی بادشاہوں کی طرح مال و دولت کا مالک ہوتا تو غریب اور عام افراد اتنی آسانی کے ساتھ پیغمبر سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ دولتمند شخص محلوں میں آرام کر رہا ہوتا ہے اور محلوں کی عالیشان عمارتیں اور پردے اس کے اور غریبوں اور مزدوروں کے درمیان فاصلہ پیدا کر دیتے اور لوگ اس تک نہیں پہنچ پاتے۔ چنانچہ ایسی صورت میں بعثت کا مقصد انجام نہیں پاتا اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ رک جاتا۔ نبوت کا آفاقی مقام مصنوعی نمود و نمائش کی وجہ سے آلودہ ہو جاتا۔ رہبر یا حاکم کا لوگوں سے دور ہونا ملک کے امور اور نظام میں خلل کا باعث ہوتا ہے جو نا سمجھ اور لاچار لوگوں کے درمیان فساد اور گڑبڑ کا سبب بن جاتا ہے اور دوسری بات یہ کہ خدا نے جو مجھے دولت نہیں دی تو وہ اس لئے کہ تمہیں اپنی قدرت کو دکھلائے کہ وہ ایسی صورتحال میں بھی اپنے رسول کی مدد کرتا ہے اور اس کو تمام دشمنوں و مخالفوں کے مقابلے میں کامیاب کرتا ہے اور یہ بات پیغمبر کی صداقت کے لئے کافی ہے۔ قدرت خدا تمہاری کمزوری کی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ اپنے پیغمبر کو بغیر مال و دولت و فوج و سلطنت کے تم پر غالب کرے اور عنقریب خدا مجھے تم پر غالب کرے گا تم لوگ میرے اثر کو ہرگز نہ روک سکو گے

اور نہ ہی مجھے قتل کر سکو گے۔ عنقریب میں تم لوگوں پر مسلط ہو کر تمہارے شہروں پر قبضہ کراوں گا سارے مخالفین اور دشمن مؤمنوں کے آگے سر خم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

تیسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں کہ یہ جو تم نے کہا کہ میرے ساتھ ایک فرشتہ ہونا چاہئے جس کو تم لوگ دیکھ سکو اور جو میری تصدیق کرتا ہو بلکہ خود پیغمبر کو فرشتوں کی نسل سے ہونا چاہئے تو یاد رکھو کہ فرشتے ہوا کی مانند نرم جسم رکھنے والے ہیں جنہیں دیکھا نہیں جاسکتا اور الغرض اگر تمہاری آنکھوں کو اتنی قدرت دی جائے کہ تم فرشتے کو دیکھ سکو تو تم اسے انسان کہو گے نہ کہ فرشتہ (یعنی وہ انسان کی صورت میں ہوگا) اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے رابطہ قائم کرے اور گفتگو کرے تاکہ تم اس کی باتوں اور مقاصد کو سمجھ سکو۔ اس کے علاوہ کس طرح معلوم ہو سکے گا کہ وہ فرشتہ ہے نہ کہ انسان اور جو کہہ رہا ہے وہ حق ہے اور خدا اپنے پیغمبروں کو ایسے معجزات کے ساتھ بھیجتا ہے جس سے دوسرے عاجز ہوں اور یہی پیغمبر کی صداقت کی نشاندہی ہے لیکن اگر فرشتہ معجزات دکھائے تو تم کس طرح تشخیص دے سکتے ہو کہ اس فرشتے نے جو معجزہ دکھایا ہے دوسرے فرشتے اس کے انجام دہی سے قاصر ہیں لہذا فرشتے کا معجزوں کے ساتھ نبوت کا دعویٰ اس کی نبوت پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ فرشتوں کا معجزہ پرندوں کی پرواز کی مانند ہے جس سے انسان عاجز ہیں جبکہ خود فرشتوں کے درمیان یہ معجزہ شمار نہیں کیا جاتا لیکن انسانوں کے درمیان اگر کوئی پرواز کرے تو وہ بھی معجزہ کہلائے گا اور یہ بات ہرگز فراموش نہ کرنا کہ خداوند عالم کا

پیغمبرؐ کو انسانوں کے درمیان بنانا تمہارے ہی امور کی آسانی کیلئے ہے تا کہ تم بغیر زحمت کے اس سے رابطہ حاصل کرسکو اور وہ خدا کی حجت و دلیل کو تم تک پہنچا سکے حالانکہ تم لوگ اپنے اعتراضات کے ذریعے خود اپنے کاموں کو مشکل کررہے ہو۔

چوتھے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپؐ فرماتے ہیں کہ یہ جو تم نے کہا کہ گویا مجھ پر جادو کیا گیا ہے یہ الزام کس طرح صحیح ہو سکتا ہے حالانکہ میں عقل و تشخیص کے لحاظ سے تم سب پر برتری رکھتا ہوں میں نے ابتدا سے آج تک ۴۰ سال زندگی گزاری ہے اس مدت میں کوئی چھوٹی سی بھی خطا و غلطی جھوٹ یا خیانت تم نے نہیں دیکھی ہوگی آیا جس نے تمہارے درمیان ۴۰ سال اپنی قوت و صلاحیت کے ساتھ زندگی گزاری ہو یا جسے خدا کی مدد سے امانت و صداقت میں برتری حاصل ہو اس پر اس قسم کی الزام تراشی زیب دیتی ہے؟ اسی لئے پروردگار تمہارے جواب میں کہتا ہے:

انظر کیف ضربو لک الامثال فضلو فلایستطیعون سبیلا (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۴۸)

"اے رسولؐ! آگاہ رہنا یہ "کمبخت" تمہاری طرف کیسی کیسی نسبتیں دیتے ہیں، انہوں نے گمراہی کا راستہ اپنایا ہوا ہے اور یہ ہدایت نہیں پاسکتے۔"

پانچویں اعتراض کے جواب میں آپؐ نے فرمایا کہ یہ جو تم نے کہا کہ کیوں قرآن ولید بن مغیرہ مکی یا عروہ بن مسعود طائفی جیسوں پر نازل نہیں ہوا تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خدا کے نزدیک مقام و منصب اور شہرت ذرہ برابر بھی حیثیت کے حامل نہیں ہیں اگر دنیاوی نعمتیں اور عیش مکھی کے پر کے برابر بھی خدا

کے نزدیک حیثیت رکھتی ہوتی تو ان میں سے ذرہ برابر بھی کافروں اور مخالفین اسلام کو نہیں دیتا۔ دوسری طرف اس کی تقسیم بھی خدا کے ہاتھ میں ہے اس معاملے میں کوئی بھی بندہ اعتراض یا شکایت کا حق نہیں رکھتا۔ وہ جسے چاہے اور جس قدر چاہے نعمتیں عطا کرتا ہے بغیر اس کے کہ اسے کسی کا خوف لاحق ہو۔ تم اپنے کاموں میں مختلف سمتوں کو معین کرتے ہو اور اپنے کاموں کو ہوس، خواہشات اور خوف کے مطابق انجام دیتے ہو اور حقیقت اور عدالت کے خلاف مخصوص افراد کے احترام میں غلطی کرتے ہو جب کہ خدا کے کام عدالت اور حقیقت کے تحت ہوتے ہیں دنیاوی مقام و مناسبت اس کے ارادہ اور خواہش میں معمولی سا اثر بھی نہیں رکھتے یہ تم ہو جو اپنی سطحی اور ظاہری نظروں کی بنا پر پیغمبری کے لئے دولتمند اور مشہور لوگوں کو دوسرے سے زیادہ لائق سمجھتے ہو لیکن خدا رسالت کو اخلاقی فضیلتوں اور روحانی لیاقت و حقیقت اور اپنی فرمانبرداری اور اطاعت کی بنا پر قرار دیتا ہے۔ اس سے بھی بالاتر یہ کہ خدا اپنے کاموں میں مختار ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اگر کسی کو مال دنیا کی نعمتیں اور شخصیت دے تو اسے نبوت دینے پر بھی مجبور ہو چنانچہ تم لوگ مشاہدہ کرتے ہو گے کہ خدا نے کسی کو مال و متاع دیا مگر حسن و جمال نہیں دیا اور برعکس کسی کو حسن و جمال دیا مگر مال نہیں دیا کیا ان میں سے کوئی خدا پر اعتراض کر سکتا ہے؟

چھٹے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپؑ نے فرمایا یہ جو تم لوگ کہتے ہو کہ "ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اس پتھریلی اور سخت سرزمین میں پانی کا چشمہ جاری کروں" تو تمہاری یہ خواہش نادانی اور جہالت کی بنا پر ہے اس لئے

کہ چشمے کے جاری کرنے اور سرزمین مکہ میں باغ بنانے کا پیغمبری سے کوئی رابطہ نہیں جیسا کہ سرزمین طائف میں تمہارے پاس زمین، پانی اور باغات ہیں. مگر تم پیغبری کا دعویٰ نہیں کرتے اور اسی طرح ایسے افراد کو بھی جانتے ہو کہ جنہوں نے محنت و کوشش سے چشمہ و زراعت بنایا لیکن پیغبری کا دعویٰ نہیں کیا۔ لہذا یہ معمولی کام ہیں اگر میں بھی انہیں انجام دوں تو یہ میری رسالت کی دلیل نہیں بن سکتے، تمہاری یہ خواہشات ایسی ہیں کہ گویا تم کہو کہ "ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ آپ لوگوں کے درمیان چلیں پھریں اور کھائیں پئیں" اگر میں اپنی پیغبری کے اثبات کے لئے ایسی چیزوں کو ذریعہ بناؤں تو میں نے گویا انہیں دھوکا دیا اور ان کی جہالت اور نادانی سے فائدہ اٹھایا اور نبوت کے مقام کو بے کار اور بے بنیاد باتوں پر قرار دیا حالانکہ نبوت کا مقام دھوکہ و فریب سے پاک ہے۔

ساتویں اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا کہ یہ جو تم نے کہا کہ "آسمان کو ہمارے اوپر کالی گھٹاؤں کی صورت میں لاکر رکھ دو تو یاد رکھو کہ آسمان کا نیچے آنا تمہارے ہلاک ہونے کا باعث ہے حالانکہ بعثت و پیغبری کا مقصد سعادت و خوش بختی کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرنا ہے۔ خدا کی عظمت پر مبنی آیات اور نشانیاں لوگوں کو دکھانا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ حجت و دلیل کا طے کرنا خدا کے اختیار میں ہے کوئی ان امور میں یہ حق نہیں رکھتا ہے کہ اپنی ناقص سوچ کی بنا پر ایسے تقاضے کرے جن کا عملی ہونا، معاشرے اور نظم کے خلاف ہو کیونکہ ہر شخص اپنی خواہشات کے تحت تقاضا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان تقاضوں کی تکمیل نظم میں خلل اور ایک دوسرے کی ضد چیزوں کے انجام دینے کا باعث

ہوگا کیا تم نے آج تک کسی ایسے ڈاکٹر کو دیکھا ہے جو علاج کے دوران مریض کی مرضی کے مطابق نسخہ لکھتا ہو یا جو شخص کسی چیز کا دعویٰ کرے کیا وہ اپنے دعویٰ کی دلیل کے لئے اپنے مخالف کی باتوں پر عمل کرے گا؟ ظاہر ہے کہ اگر ڈاکٹر بیمار کی پیروی کرے تو بیمار ٹھیک نہیں ہوگا اس طرح اگر دعویٰ کرنے والا اپنے مخالف کی دلیلوں پر عمل کرنے پر مجبور ہو جائے تو اس صورت میں حق بات کو ثابت نہیں کر سکے گا اور پھر مظلوم اور سچے لوگ ظالم اور جھوٹے شخص کے سامنے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے سے عاجز ہو جائیں گے۔

آٹھویں اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپؐ نے فرمایا تم کہتے ہو کہ خدا اور فرشتوں کو تمہاری نظروں کے سامنے حاضر کروں تاکہ تم انہیں دیکھ سکو۔ یہ تمہاری بات انتہائی بے بنیاد اور محال ہے کیونکہ خدا دیکھے جانے کی صفت اور مخلوقات کی صفات سے عاری ہے تم خدا کو ان بتوں سے تشبیہ دیتے ہو جن کی پوجا کرتے ہو اور پھر اسی قسم کا تقاضا مجھ سے کرتے ہو۔ ہاں یہ بت جو حد درجہ کمی اور خامی کے حامل ہیں اس قسم کے تقاضوں کے لئے مناسب ہیں لیکن خدا کی ذات ایسی نہیں ہے۔ اس کے بعد پیغمبر اکرمؐ ایک مثال پیش کرتے ہیں جو مفہوم کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ اگر خدا کو دکھانا محال نہ بھی ہو تب بھی عقل کے قوانین کے خلاف ہے وہ یہ کہ پیغمبر اکرمؐ عبداللہ مخزومی سے فرماتے ہیں: کیا تمہارے پاس طائف اور مکہ میں زمین اور ملکیت ہے؟ اور کیا ان کو سنبھالنے کے لئے تمہارے نمائندے ہیں؟

عبداللہ مخزومی بولا: جی ہاں! میرے پاس باغ اور ملکیت اور نمائندے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ: تم اپنے باغ اور ملکیت کا حساب و کتاب کرتے ہو یا نمائندے کے ذریعے یہ کام انجام پاتا ہے؟

عبداللہ مخزومی: نمائندے کے ذریعے۔

پیغمبر اکرمؐ: اگر اس نمائندے نے کسی زمین کو کرائے پر دیا یا بیچ دیا تو کیا دوسروں کو یہ حق ہے کہ اس پر اعتراض کریں اور کہیں کہ ہم خود مالک سے رابطہ کریں گے اور اس وقت تمہاری نمائندگی کو قبول کریں گے جب خود مالک آئے اور تمہاری باتوں کی تصدیق کرے۔

عبداللہ مخزومی: جی نہیں! دوسرے ہرگز ایسے اعتراض کا حق نہیں رکھتے۔

پیغمبر اکرمؐ: ہاں! البتہ یہ اس صورت میں ہے جب تمہارے نمائندے کے پاس کوئی ایسی نشانی ہو جو تمہاری نمائندگی کو ظاہر کرے اب مجھے ذرا یہ بتاؤ ان کے پاس کیسی نشانی ہو جو تمہاری نمائندگی کو ظاہر کرتی ہو جبکہ لوگ بغیر نشانی کے اس کی نمائندگی کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوں۔

عبداللہ مخزومی: نمائندے کیلئے ضروری ہے کہ اسکے پاس کوئی نشانی ہو۔

پیغمبر اکرمؐ: اگر لوگ اس کی اس نشانی کو قبول نہ کریں تو کیا اس نمائندے کے لئے ضروری ہے کہ وہ مالک کو ان کے سامنے حاضر کرے اور مالک کو حکم دے کہ وہ ان لوگوں کے سامنے حاضر ہو؟ ایک عقلمند نمائندہ اس طرح کی ذمہ داری اپنے مالک کو دے سکتا ہے؟

عبداللہ مخزومی: جی نہیں! اسے چاہئے کہ وہ اپنی ذمہ داری کے مطابق کام کرے اپنے مالک کو حکم دینے کا اسے کوئی حق نہیں ہے۔

پیغمبر اکرمؐ: اب میں کہتا ہوں کہ تم کس طرح خدا کے نمائندے رسول کے بارے میں اس طرح کی بات کرتے ہو کہ وہ اپنے مالک کو حاضر کرے میں اس کا فقط نمائندہ ہوں کس طرح ممکن ہے کہ اپنے مالک خدا کو حکم صادر کروں اور اس پر ذمہ داری لگاؤں جو کہ مقام رسالت کے خلاف ہے اسی بنیاد پر تمہارے سارے اعتراضات کا جواب بالخصوص فرشتوں کے حاضر کرنے کے بارے میں واضح ہو جاتا ہے۔

نویں اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپؐ فرماتے ہیں کہ یہ جو تم نے کہا کہ "میرے پاس سونے سے لدا ہوا گھر ہونا چاہئے" یہ بات بھی بے بنیاد ہے اس لئے کہ سونا اور دولت رسالت سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ کیا اگر بادشاہ مصر کے پاس سونے کے بنے ہوئے گھر ہوں گے تو وہ اسی بنا پر نبوت کا دعویٰ کر سکے گا؟

عبداللہ مخزومی: نہیں وہ ایسا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

پیغمبر اکرمؐ: لہذا میرے پاس بھی سونے اور چاندی کا ہونا ذرہ برابر بھی میری رسالت کی صداقت پر دلالت نہیں کرتا، لہذا میں اس راہ سے بھی لوگوں کی نادانی و جہالت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور نہ ہی خدا کی حجت کے مقابلے میں اس قسم کے بے بنیاد دلائل سے اپنی رسالت کو ثابت کرنے کیلئے فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔

دسویں اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: اور یہ جو تم کہتے ہو کہ "میں آسمان پر جاؤں اور خدا کی طرف سے تمہارے لئے خط لاؤں" تمہاری ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم حق کو قبول کرنے کے لئے کسی طرح سے تیار نہیں ہو اس لئے کہ تمہارے کہنے کے مطابق صرف آسمان پر جانا کافی نہیں ہے بلکہ

آسمان پر جانے کے علاوہ خدا کی طرف سے تمہارے لئے خط بھی لاؤں اور خط لے بھی آؤں تب بھی قبول نہیں کرو گے کیونکہ تم صاف کہہ رہے ہو کہ اگر میں تمہارے ان کاموں کو انجام بھی دے دوں تب بھی ممکن ہے تم ایمان نہ لاؤ لیکن یاد رکھو اس طرح کی ضد اور ہٹ دھرمی و عناد کا نتیجہ سوائے عذاب اور بلا کے نازل ہونے کے کچھ بھی نہیں اور تم اپنے ان کاموں کی وجہ سے عذاب کے مستحق ٹھہرو گے۔ تمہارے تمام سوالات کا جواب خداوند عالم نے سورۃ کہف کی آیت ۱۱۰ اور سورۃ فصلت کی آیت میں اس طرح دیا ہے :

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الهکم اله واحد. "یعنی میں بھی تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں اور خدا کا نمائندہ ہوں، خدا کے فرمان کو تم تک پہنچانے والا ہوں۔

میری نشانی یہی قرآن و معجزات ہیں جو خداوند عالم نے مجھے عطا کئے ہیں۔ لہذا میں نہ تو خدا کو حکم دے سکتا ہوں اور نہ ہی تمہاری بے جا و خواہشات پر اسے مکلف کر سکتا ہوں۔

ابوجہل کہنے لگا: ایسا کیوں نہیں کہتے کہ جب قوم موسیٰ نے ان کے خدا کو دیکھنے کی موسیٰ سے گزارش کی تو خدا ان پر غضبناک ہوا اور تجلی کے ذریعے ان کو جلا ڈالا۔

پیغمبر اکرمؐ: کیوں نہیں! ایسا ہی ہوا تھا۔

ابوجہل: ہم نے تو قوم موسیٰ سے بھی بڑی فرمائش کر دی ہے ہم کہتے ہیں کہ ہرگز تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم ہمارے سامنے خدا و فرشتوں کو حاضر نہ کرو۔ لہذا خدا سے کہو کہ ہمیں بھی جلا ڈالے اور نابود کر دے۔

پیغمبر اکرمؐ: کیا تم نے حضرت ابراہیمؑ کی داستان نہیں سنی جب انہوں نے خدا کے نزدیک اتنا تقرب حاصل کر لیا کہ خدا نے ان کی آنکھوں کے نور کو اس حد تک قوی کر دیا کہ وہ لوگوں کے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو بھی دیکھ سکتے تھے اسی دوران انہوں نے دیکھا کہ ایک مرد و عورت زنا کرنے میں مصروف ہیں لہذا ان کے لئے بددعا کی اور وہ دونوں ہلاک ہوگئے۔ پھر دوسرے مرد و عورت کو دیکھا کہ وہ بھی یہی کام کر رہے تھے۔ لہذا ان کے لئے بھی نفرین کی اور وہ دونوں بھی ہلاک ہوگئے جب تیسری دفعہ بھی اسی طرح کا منظر دیکھا اور نفرین کی اور وہ ہلاک ہوگئے تو خداوند عالم نے انہیں وحی کی کہ بددعا نہ کرو کیونکہ کائنات کے چلانے کا اختیار تمہارے نہیں میرے ہاتھ میں ہے گناہگار بندے تین حالتوں سے خارج نہیں ہیں: نمبر ایک یا وہ تائبین میں سے ہیں جنہیں میں بخش دوں گا یا ان کی آئندہ نسل میں کوئی بندۂ مؤمن آنے والا ہے جس کی خاطر ان کو مہلت دی جائے گی اور اس کے بعد ان تک عذاب آپہنچے گا اور ان دو صورتوں کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے عذاب تمہارے تصور سے زیادہ ہے جسے میں نے ان کے لئے تیار کیا ہے۔ اے ابوجہل اسی وجہ سے خدا نے تجھے مہلت دی ہوئی ہے کہ تیری نسل میں ایک فرزند مؤمن عکرمہ نام پیدا ہوگا۔ (احتجاج طبرسی جلد اول صفحہ ۲۹)[۱]

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا اگرچہ پیغمبرؐ کے سامنے بحث کرنے والے

۱۔ عکرمہ بن ابوجہل جو پہلے پیغمبر اکرمؐ کا سخت دشمن تھا لیکن فتح مکہ کے بعد ایسا پلٹا کھایا کہ مدینے میں پیغمبر اکرمؐ کے پاس آکر اسلام لے آیا اور آپؐ کے نزدیک اتنا مقام و منزلت حاصل کر لیا کہ آنحضرتؐ نے قبیلہ ہوازن سے زکوۃ جمع کرنے کا عامل اسے بنا کر بھیجا تھا اور سرانجام خلافت ابوبکر کے زمانے میں جنگ اجنادین یا جنگ یرموک میں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)

اسلام سے دشمنی و کینہ رکھنے والے افراد تھے مگر پیغمبر اکرمؐ نے کتنے کمال و بردباری سے پہلے ان کی گفتگو سنی اور پھر کتنی نرمی و متانت سے ان کے جوابات دیئے اور کتنی مدلل بحث کے ذریعے ان پر حجت تمام کی یہ اسلام کا منطقی اور اخلاقی طریقہ ہے۔

(۳)

ہجرت مدینہ سے پہلے یہودی آپس میں ان نشانیوں کا تذکرہ کیا کرتے تھے جو پیغمبر اسلامؐ سے متعلق تورات میں لکھی ہوئی تھیں۔ یہودی علماء تورات کی آیتوں کے ذریعے پیغمبر اسلامؐ کی ہجرت کی جگہ کے بارے میں بھی اپنے لوگوں کو خبریں دیتے تھے اور اس طرح وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ پیغمبر اکرمؐ کے "ظہور" کی گفتگو کیا کرتے تھے۔ یہودی یہ ہی سمجھتے تھے کہ وہ پیغمبر اسلامؐ کو طاقتور بنا کر اپنی جانب مائل کرلیں گے اور نتیجتاً اطراف کے علاقوں میں مذہبی طاقت بن جائیں گے۔ مگر جب پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اسلام بڑی سرعت سے پھیلا تو پیغمبر اکرمؐ کو یہودیوں پر غلبہ حاصل ہوگیا اور یوں اسلام اور رسول اسلام کو "قابو" کرنے کی ان کی ناپاک خواہش دم توڑ گئی۔ چنانچہ یہودیوں کے مذہبی حلقوں میں پیغمبر اکرمؐ کی مخالفت کی جانے لگی اور وہ مختلف بہانوں سے اسلام کو گزند پہنچانے کی کوشش کرنے لگے۔ جیسا کہ سورۂ بقرۃ و سورۂ نساء میں ان کی دشمنی اور ہٹ دھرمی کا ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے ایک سازش یہ کی کہ اوس اور خزرج کی ۱۲۰ سالہ دشمنی کو دوبارہ زندہ کیا (یہ مدینے کے دو بڑے قبیلے تھے جو اسلام کے بعد متحد ہوگئے اور انصار کہلائے) تاکہ اسلام کی صفوں میں انتشار پھیلایا

جائے۔ لیکن پیغمبر اسلامؐ اور مسلمین کی ہشیاری نے ان کی سازشوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح ان کی دیگر سازشوں کو بھی پیغمبر اسلامؐ نے ناکام بنادیا تھا۔ لہذا صرف "آزاد بحث" ہی ایک راستہ بچا تھا جس کے ذریعے وہ پیغمبر اسلامؐ پر چڑھائی کرنا چاہتے تھے لیکن پیغمبر اکرمؐ مکمل رضامندی کے ساتھ ان کے مشوروں کا استقبال کرتے تھے۔ ہر دفعہ وہ آکر پیچیدہ قسم کے سوالات اور بحث کرتے تاکہ پیغمبر اکرمؐ کو لاجواب کریں لیکن یہ بحثیں ان کے اپنے نقصان پر تمام ہوتیں اور لوگوں کو پیغمبر اسلامؐ کے علمی مقام اور عالم غیب ہونے کا یقین ہو جاتا تھا اور انہیں بحثوں کا نتیجہ تھا کہ کافی تعداد میں یہودی اور بت پرستوں کے گروہ اسلام لے آئے تاہم یہ لوگ اگرچہ پیغمبر اکرمؐ سے بحثوں میں قائل ہو جاتے تھے مگر غرور و تکبر کے عالم میں پیغمبر اکرمؐ سے کہتے کہ ہم آپ کی باتیں نہیں سمجھے۔ یعنی جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۸۸ میں ارشاد ہوا "قلوبنا غلف" ان کے قلوب پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ علماء یہود نے پیغمبر اسلامؐ سے کئی مناظرے کئے جن کے جواب پیغمبر اکرمؐ نے نہ صرف بڑی نرمی اور محکم استدلال کے ذریعے دیئے بلکہ فیصلہ بھی عوام کی عدالت پر چھوڑ دیا۔ جس کی دو مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلی مثال: جب عبداللہ بن سلام ایمان لایا جو کہ علماء یہود میں سے ایک مشہور عالم اور مذہبی علوم کا ماہر سمجھا جاتا تھا (مسلمان ہونے سے پہلے اس کا نام حصین تھا اس کے مسلمان ہونے کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے اس کا نام عبداللہ رکھ دیا تھا) پیغمبر اسلامؐ کی ہجرت کے پہلے سال ایک دن یہ شخص پیغمبر اکرمؐ کی مجلس میں حاضر ہوا، دیکھا کہ پیغمبر اکرمؐ لوگوں کو نصیحتیں کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں

کہ "اے لوگو! ایک دوسرے کو سلام کیا کرو اور ایک دوسرے کو کھانا کھلایا کرو اپنے رشتہ داروں سے رابطہ رکھا کرو آدھی رات میں جب لوگ سو رہے ہوں اٹھ کر نماز شب پڑھا کرو تاکہ اللہ کی بنائی ہوئی بہشت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو سکو" عبداللہ نے دیکھا کہ پیغمبر اسلامؐ کی یہ گفتگو بے بنیاد جھوٹ بولنے والوں کی طرح نہیں ہے اس کو یہ گفتگو اچھی لگی لہذا ایسی مجلسوں میں شامل ہونے کا محکم ارادہ کر لیا۔ ایک دن عبداللہ مذہب یہود کے ۴۰ سرکردہ افراد کو لیکر پیغمبر اسلامؐ کے پاس آیا تاکہ نبوت و رسالت کے سلسلے میں ان سے کھل کر بحث کریں اور آپؐ سے مناظرہ کر کے آپؐ کو مغلوب کریں اس نیت سے یہ لوگ پیغمبر اکرمؐ کے پاس حاضر ہوئے۔ پیغمبر اکرمؐ نے ان کے بزرگ عبداللہ بن سلام کی طرف رخ کیا اور فرمایا: "میں بحث و مناظرہ اور تنقید کے لئے تیار ہوں۔" یہودیوں نے رضامندی ظاہر کی اور بحث و مناظرہ شروع ہو گیا یہودیوں نے گفتگو کا محاذ تیار کیا اور پیغمبر اکرمؐ پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ مگر پیغمبر اکرمؐ ان کے ایک ایک سوال کا جواب دیتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن عبداللہ خصوصی طور پر پیغمبر اکرمؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کی اجازت سے آپ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں جس کے جواب سوائے پیغمبر کے کوئی نہیں دے سکتا۔

پیغمبر اکرمؐ: پوچھو۔

عبداللہ: ذرا مجھے یہ بتائیں کہ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے، بہشت کی پہلی غذا کیا ہے اور اسکی کیا وجہ ہے کہ بچے کبھی باپ کے اور کبھی ماں کے مشابہ ہوتے ہیں؟

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ابھی اس کا جواب خدا کی جانب سے جبرئیلؑ لائیں

گے تو میں تمہیں بتاؤں گا۔ جیسے ہی جبرئیلؑ کا نام آیا عبداللہ کہنے لگا: "جبرئیلؑ تو ہم یہودیوں کا دشمن ہے کیونکہ اس نے متعدد بار ہم سے دشمنی کی ہے بخت النصر جبرئیلؑ ہی کی مدد سے ہم پر غالب ہوا اور بیت المقدس کے شہر میں آگ لگائی وغیرہ۔" پیغمبر اکرمؐ نے اس کے جواب میں سورۂ بقرۃ کی آیت ۹۷ اور ۹۸ کو پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے: "وہ جبرئیلؑ جسے تم دشمن سمجھتے ہو اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتا اس نے قرآن کو خدا کے اذن سے پیغمبرؐ کے قلب پر نازل کیا ہے وہ قرآن جو رسولؐ کی ان نشانیوں اور صفات سے مطابقت رکھتا ہے جو پچھلی کتابوں میں موجود ہیں اور ان کی تصدیق کرتا ہے۔ خدا کے فرشتوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اگر کوئی ان میں سے ایک سے دشمنی کرے گا وہ ایسا ہے کہ اس نے سارے فرشتوں، پیغمبروں اور خدا سے دشمنی کی ہے کیونکہ اس کے فرشتے اور پیغمبر ایک ہی طریقے سے خدا کے حکم کو جاری کرنے والے ہیں ان کے کام تقسیم شدہ ہیں نہ کہ ایک دوسرے کے مخالف، ان کے ساتھ دشمنی خدا کے ساتھ دشمنی کرنے کے مترادف ہے۔" پھر پیغمبر اکرمؐ نے عبداللہ کے تین سوالوں کے جواب میں فرمایا: "روز قیامت کی پہلی نشانی یہ ہے کہ دھوئیں سے بھری آگ روشن ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف حرکت دے گی اور بہشت کی پہلی غذا مچھلی کا جگر اور اس کے ٹکڑے ہوں گے جو وہاں کی بہترین غذا ہے تیسرے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ مرد و عورت کے نطفہ میں سے جو بھی دوسرے پر غلبہ پا جائے بچہ اس کے جیسا ہوتا ہے اگر مرد کا نطفہ غلبہ پا جائے تو بچہ باپ یا اس کے رشتہ داروں کے ہم شکل ہوتا ہے اور اگر عورت کا نطفہ غالب آجائے تو بچہ ماں یا

اس کے رشتہ داروں کے ہم شکل ہوتا ہے۔ عبداللہ نے ان جوابات کو تورات سے ملایا تو درست پایا اسی لمحہ اسلام قبول کر لیا اور خدا کی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ پھر عبداللہ کہنے لگا: یارسول اللہؐ! کیونکہ میں یہودیوں کا بڑا عالم دین ہوں اور بڑے عالم دین کا بیٹا ہوں اگر وہ لوگ میرے اسلام لانے سے آگاہ ہو گئے تو مجھے جھٹلا دیں گے لہذا اس وقت تک میرے ایمان لانے کو پوشیدہ رکھئے گا جب تک یہود کا نظریہ میرے بارے میں معلوم نہ ہو جائے۔ پیغمبر اسلامؐ نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے یہودیوں کے ساتھ ایک مجلس مناظرہ تشکیل دی جو آزاد بحث ہی کی ایک دلیل تھی اور عبداللہ کو اسی مجلس میں چھپا کے رکھا پھر گفتگو کے درمیان پیغمبر اکرمؐ نے یہودیوں سے فرمایا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں خدا کو نگاہوں میں رکھو اور نفسانی خواہشات سے دستبردار ہو جاؤ اور مسلمان ہو جاؤ۔ وہ لوگ کہنے لگے: ہم دین اسلام کے صحیح ہونے کے بارے میں بے خبر ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ: اچھا یہ بتاؤ کہ عبداللہ تمہارے درمیان کس قسم کا شخص ہے؟

یہودی گروہ: وہ ہمارے بڑے دانشور ہیں اور عالم دین و پیشوا کے فرزند ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ: اگر وہ مسلمان ہو جائے تو تم لوگ بھی اسکی اطاعت کرو گے؟

یہودی گروہ: وہ ہرگز اسلام لانے والے نہیں ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے عبداللہ کو آواز دی اور عبداللہ جو چھپے ہوئے تھے سب کے سامنے آئے اور کہنے لگے: "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله" اور کہا اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو اور پیغمبرؐ پر ایمان لے آؤ جب تم

جانتے ہو کہ یہ اللہ کے پیغمبرؐ ہیں تو کیوں ایمان نہیں لاتے ؟ گروہ یہود میں غصے اور دشمنی کی لہریں دوڑنے لگیں اور کہنے لگے : "یہ ہمارے درمیان بدترین شخص ہے یہ اور اس کا باپ دونوں بدترین و نادان افراد میں سے ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ کا یہ طرز استدلال اچھا تھا اگرچہ ان یہودیوں نے اپنی شکست کا اظہار نہ کیا لیکن حقیقت میں وہ مغلوب ہو چکے تھے اور انصاف پسند دانشمند کے بارے میں ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ثابت ہو چکی تھی لیکن عبداللہ واقعی خدا کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے بندے تھے۔ جب حق کی خبر ہوئی تو اس سے پیوست ہو گئے حالانکہ ان حالات میں یہ بات نقصاندہ تھی اسی لئے پیغمبر اکرمؐ نے ان کا نام عبداللہ رکھا ان کے ایمان لانے کا دوسرے افراد پر بھی اثر پڑا اور کچھ عرصہ نہ گزرا کہ "مخیرق" نامی یہودیوں کا ایک اور دانشور کچھ اور افراد کے ہمراہ ان سے آکر مل گئے۔

(۴)

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ پیغمبر اکرمؐ بیت المقدس جو کہ یہودیوں کا قبلہ تھا، کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی طرح ہجرت کے سولہ سال گزر جانے کے بعد تک مدینے میں بھی آپؐ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ یہودیوں نے اس بات کو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ پر نکتہ چینی کیلئے مناسب سمجھا اور کہا کہ "محمدؐ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایک مستقل شریعت اور قانون لائے ہیں جبکہ ان کا قبلہ وہی ہے جو یہودیوں کا قبلہ ہے" ان کے اس

طرح کے اعتراضات نے پیغمبر اسلامؐ کو آزردہ خاطر کیا، آپؐ وحی کے منتظر رہتے، یہاں تک کہ بیت المقدس سے کعبہ کی جانب قبلے کی تبدیلی کے بارے میں سورۂ بقرۃ کی آیت ۱۴۴ نازل ہوئی۔ ہجرت کے سولہ سال بعد ۱۵ رجب کی تاریخ تھی، پیغمبر اکرمؐ مسجد بنی سلمہ جو مسجد احزاب سے ایک کلو میٹر پر واقع تھی میں نماز جماعت کی امامت کر رہے تھے ابھی دو رکعت تمام ہوئی تھیں کہ جبرئیلؑ امین سورۂ بقرۃ کی آیت ۱۳۹ لے کر نازل ہوئے۔ لہذا پیغمبر اکرمؐ نے اسی حالت میں اپنا رخ کعبے کی طرف بدلا اور باقی دو رکعتیں کعبے کی طرف رخ کر کے پڑھیں اقتدا کرنے والوں نے بھی ایسا ہی کیا، جب سے وہ مسجد ذو قبلتین کے نام سے معروف ہے۔ اس واقعے کے بعد سے یہودیوں نے ہر طرف سے قبلے کی تبدیلی کے قانون پر اعتراضات شروع کر دیے اور اس واقعے سے اسلام کے خلاف تبلیغ شروع کر دی۔ چنانچہ ایک نشست میں ان کے اور پیغمبر اکرمؐ کے درمیان طے پایا کہ اس مسئلے پر آزاد بحث کے دوران بات کی جائے یہودیوں کی کچھ تعداد نے اس میں شرکت کی اور یہودیوں نے ابتداء کرتے ہوئے سوالات شروع کئے اور کہا کہ آپؐ کو مدینے میں آئے ایک سال سے زیادہ عرصہ ہو رہا ہے اب تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے اور اب جو آپ کعبے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں تو ذرا یہ بتائیں کہ وہ نمازیں جو آپ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھیں صحیح تھیں یا باطل؟ اگر صحیح تھیں تو یقیناً آپ کا دوسرا عمل باطل ہو گا اور اگر باطل تھیں تو ہم کس طرح دیگر تمام افعال کے بارے میں اطمینان کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کے تبدیلی قبلے کی طرح باطل ہوں؟

پیغمبر اسلامؐ: دونوں قبلے اپنی اپنی جگہ درست اور برحق ہیں ان چند مہینوں میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا بھی برحق تھا اور اب خدا کی طرف سے ہمیں حکم ملا ہے کہ خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دیں۔ پھر آپؐ نے سورۃ بقرۃ کی آیت ۱۱۵ کی تلاوت فرمائی:

وللہ المشرق والمغرب فاینما تولو فثم وجہ اللہ ان اللہ واسع علیم."

"سب مشرق و مغرب خدا کے لئے ہیں جس طرح بھی دیکھو خدا ہی خدا ہے اور بیشک خدا بے نیاز و دانا ہے۔

یہودی گروہ: اے محمدؐ! کیا خدا پر "بداء" کا قانون صادق آتا ہے یعنی (کوئی بات پہلے اس پر مخفی تھی اور اب آشکار ہوئی ہو اور پہلے حکم سے منحرف ہو کر اس نے دوسرا حکم صادر کیا ہو) اور اسی بنیاد پر نیا قبلہ معین کیا؟ اگر آپ اس طرح کہتے ہیں تو گویا خدا کو ایک نادان انسان کی طرح فرض کیا ہے؟

پیغمبر اسلامؐ: خدا کے لئے ان معنوں میں "بداء" نہیں ہے خدا آگاہ اور مطلق قدرت کا مالک ہے۔ اس سے ہرگز خطا سرزد نہیں ہوتی کہ جس کے بعد وہ پشیمان ہو اور نظر ثانی کرے اور کوئی چیز اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ وقت کو تبدیل کرے۔ میں آپ لوگوں سے پوچھتا ہوں کیا بیمار شخص شفایاب نہیں ہوتا یا صحت مند شخص بیمار نہیں ہوتا یا زندہ نہیں مرتا؟ کیا سردی گرمی میں تبدیل نہیں ہوتی؟ خدا جو ان امور کو دوسری شکل میں تبدیل کرتا ہے اس کے لئے "بداء" کہا جائے گا؟ جو اس طرح کے امور کو تبدیل کرتا ہے کیا اس کو بعد میں معلوم ہوتا ہے جو کرتا ہے؟

یہودی گروہ: نہیں ان امور میں "بداء" نہیں ہے۔

پیغمبر اسلامؐ: پس قبلے کی تبدیلی بھی انہی امور میں سے ہے خدا ہر زمانے میں بندوں کی مصلحت کے پیش نظر مخصوص حکم دیتا ہے جو اس کی اطاعت کرے گا اجر پائے گا ورنہ سزا پائے گا۔ لہذا خدا کی مصلحت و تدبیر کے سلسلے میں مخالفت نہیں کرنی چاہئے اور میرا دوسرا سوال آپ لوگوں سے یہ ہے کہ کیا آپ لوگ ہفتہ کے دن اپنے کاموں کی چھٹی نہیں کرتے؟ اور کیا ہفتے کے بعد سے اپنے کاموں میں مشغول نہیں ہوتے؟ کیا پہلا صحیح اور دوسرا غلط ہے؟ یا بر عکس پہلا غلط اور دوسرا صحیح یا دونوں غلط یا دونوں صحیح ہیں؟

یہودی گروہ: دونوں صحیح ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ: پس میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ دونوں صحیح ہیں گزشتہ سالوں اور مہینوں میں بیت المقدس کو قبلہ قرار دینا صحیح تھا لیکن اب کعبے کو قبلہ قرار دینا صحیح ہے آپ لوگ بیمار انسانوں کی مانند ہیں خدا تمہارے لئے ماہر طبیب کی حیثیت رکھتا ہے بیمار کی اچھائی اسی میں ہے کہ ماہر طبیب کی پیروی کرے اور اپنی نفسانی خواہشات پر اس کے نسخے کو ترجیح دے۔ منقول ہے کہ کسی نے امام حسن عسکریؑ سے (جو اس مناظرے کے نقل کرنے والے ہیں) سوال کیا کہ معلاء کیوں پہلے ہی سے مسلمانوں کا قبلہ کعبہ قرار نہ پایا؟ امامؑ نے فرمایا: خدا نے سورۂ بقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں اس سوال کا جواب دیا ہے اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس حکم کو مؤمنین و مشرکین کی پہچان کے لئے دیا گیا ہے تاکہ ان کی صفیں ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں کیونکہ اس زمانے میں کعبہ مشرکوں کے بتوں کا مرکز تھا ان کے

سامنے مشرک سجدہ کرتے تھے لہذا مسلمانوں کو حکم ہوا کہ فی الحال بیت المقدس کی طرف سجدہ کریں تاکہ اپنی صفوں کو مشرکین کی صفوں سے جدا رکھ سکیں لیکن آپؐ نے جب مدینے ہجرت کی اور ایک مستقل حکومت کی بنیاد ڈالی اور ان کی صفیں دوسروں سے جدا ہو گئیں تو پھر اس قسم کی ضرورت نہیں رہی لہذا مسلمانوں کو کعبے کی طرف متوجہ کیا۔ ظاہر ہے شروع میں بیت المقدس کی سمت نماز پڑھنا نئے مسلمانوں کیلئے جو ابھی دوران شرک کی رسومات کو نہیں بھولے تھے مشکل کام تھا۔ لہذا اسے لوگوں کو اس حکم کے ذریعے آزمایا گیا تاکہ اپنے جاہلیت کے زمانے والے پیوندوں کو توڑدیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب تک انسان باطل رسومات کو نہ توڑے صحیح طرح سے حق کو قبول نہیں کرسکتا اور درحقیقت ابتدا میں بیت المقدس کی طرف توجہ دلانا اور لوگوں کی فکر و روح میں ایک تحریک پیدا کرنا تھا اور اسلام اس طریقے سے ماحول کے اثرات کو دھونا چاہتا تھا لیکن مدینے میں ایسی کوئی ضرورت نہیں تھی یا مکہ کی طرف توجہ کرنے کی مصلحت اس سے زیادہ تھی۔

(۵)

ایک دن ایک گروہ کے لوگ پیغمبر اکرمؐ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہمیں قرآن پر اشکال ہے لہذا آپ سے مناظرہ کرنے آئے ہیں۔ کیا آپ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں؟

پیغمبر اکرمؐ: ہاں۔ تمہارا اشکال کیا ہے؟

یہودی گروہ: ہمارا قرآن پر اشکال یہ ہے کہ سورۃ انبیاء کی آیت ۹۸

میں تو خدا فرماتا ہے: "انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم." یعنی تم لوگ اور وہ کہ جن کی تم خدا کے علاوہ عبادت کرتے ہو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلے ہوں گے۔ تو ہمارا اشکال یہ ہے کہ اس آیت کے مطابق تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دوزخی ہونا چاہئے کیونکہ حضرت مسیحؑ کو بھی ایک جماعت خدا مانتی اور پرستش کرتی ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے ان کے اس اعتراض کو سنا اور فرمایا کہ قرآن کلام عرب کے عرف کے مطابق نازل ہوا ہے کیونکہ کلام عرب میں لفظ "من" اکثر ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے اور لفظ "ما" غیر ذوی العقول کے لئے جیسے جمادات و حیوانات وغیرہ ہیں لیکن کلمہ "الذی" ذوی العقول و غیر ذوی العقول دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے لہذا آیت میں لفظ "ما" استعمال ہوا ہے جس سے مراد وہ معبود ہیں جو صاحب عقل نہ ہوں جیسے لکڑی و پتھر و مٹی وغیرہ سے بنائے ہوئے بت ہوتے ہیں لہذا آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ غیر خدا کی پرستش کرنے والوں اور وہ بت جن کی پرستش کی جاتی ہے، کی جگہ جہنم ہے۔

پیغمبر اکرمؐ کی یہ گفتگو سن کر وہ لوگ قائل ہوگئے اور پیغمبر اکرمؐ کی تصدیق کرتے ہوئے اٹھ کر چلے گئے۔

(۶)

ہر زمانے میں منافقوں کی ایک خاص عادت رہی ہے کہ وہ جاہ طلبی اور لوگوں کی طرفداری حاصل کریں تاکہ محبوبیت اجتماعی حاصل کرسکیں اور لوگوں پر قدرت

حاصل کر کے ان پر حکومت کریں۔ اسی لئے وہ رہبری کے مسئلے میں بڑے حساس ہوتے ہیں اور بڑی دقت سے کام لیتے ہیں۔ خصوصاً زمانہ پیغمبرؐ میں جب امام علیؑ کی رہبری کو مختلف اور مناسب مواقع پر مطرح کیا جاتا تھا تو منافقین کوشش کرتے تھے کہ اس کی مخالفت کریں حتیٰ کہ بعض موارد میں خود پیغمبر اکرمؐ کو بھی ضرب لگانا چاہتے تھے تاکہ مسئلہ رہبری کو اس خاندان سے جدا کردیں ان کی ایک سازش جو جنگ تبوک کے موقع پر سامنے آئی وہ یہ کہ وہ لوگ چوری چھپے حضرت علیؑ اور خود پیغمبر اکرمؐ کو قتل کرنا چاہتے تھے لہذا ان میں سے ۲۴ افراد نے مجرمانہ نشست تشکیل دی اور یہ طے پایا کہ اس حساس موقع پر جب مسلمان جنگ میں سرگرم ہوں گے ان دونوں افراد کو قتل کردیا جائے لہذا ان میں سے ۱۰ افراد حضرت علیؑ کو قتل کرنے کے ارادے سے مدینے میں رک گئے اور ۱۴ افراد مناسب موقع کی تلاش میں رہے تاکہ جنگ تبوک میں شریک ہو کر پیغمبر اکرمؐ کا کام تمام کردیں۔ اسلامی فوج جو دس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادوں پر مشتمل تھی پیغمبر اکرمؐ کی رہبری میں مدینے سے تبوک کی طرف حرکت کررہی تھی جبکہ پہلے یہ خبر مل چکی تھی کہ روم کی فوج جو چالیس ہزار سوار و پیادوں پر مشتمل تھی تمام جنگی سازوسامان کے ساتھ شام کی سرحدوں اور کمین گاہوں پر متعین ہے اور مسلمانوں پر غافل گیرانہ حملہ کرنا چاہتی ہے اگرچہ یہ جنگ مختلف جہات سے کافی دشوار تھی جس میں آب و غذا و گرمی کی سختیاں بھی تھیں اسی لئے اس جنگ کو "جیش العسرہ" یعنی ایسے سپاہی جو سخت دشواریوں کے سامنے تھے، کہا جاتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کی فوج ایمان، توکل، استقامت کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کی رہبری میں حرکت کررہی تھی اور یہ لوگ مدینے

و تبوک کے درمیان کا طولانی راستہ طے کررہے تھے۔ اور جب نویں ہجری کو ماہ
شعبان میں اسلامی فوج تبوک کی سرزمین پر پہنچی تو رومی فوج پہلے ہی سے خوف و
وحشت کی وجہ سے میدان چھوڑ چکی تھی لہذا یہ جنگ واقع نہ ہو سکی اس طرح
منافقوں کی یہ سازش ناکام ہوئی اب انہوں نے نئی سازش چلی کہ مسلمانوں کے
درمیان مشہور کردیا کہ پیغمبر اکرمؐ حضرت علیؑ سے بیزار تھے اسی لئے حضرت علیؑ
کو اپنے ساتھ جنگ پر نہیں لے گئے یہ لوگ اپنی اس نامردانہ سازش اور تہمت
سے امام علیؑ کی رہبری پر ضرب لگانا چاہتے تھے لہذا حضرت علیؑ کو جب ان کی اس
سازش کا علم ہوا تو آپ مدینے کے باہر نکلے اور پیغمبر اکرمؐ سے ملاقات کر کے قصہ
بیان کیا تو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: کیا تم راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت
حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی
نہیں ہوگا۔ پیغمبر اکرمؐ کی یہ بات سن کر قلب علیؑ کو سکون ہوا اور مدینے واپس
لوٹے۔ منافقین جو امام علیؑ کی رہبری پر ضرب لگانا چاہتے تھے نہ صرف یہ کہ ان
کی سازش ناکام ہوئی بلکہ پیغمبرؐ کی اس تائید سے آپ کی رہبری اور ہم نشینی میں اور
بھی زور پیدا ہوگیا۔ اسی طرح مدینے واپسی پر منافقوں نے حضرت علیؑ کے راستے
میں گڑھا کھودا اور اس کے اوپر گھاس ڈال کر چھپا دیا تاکہ اس طرح حضرت علیؑ
سے اپنی دشمنی نکال سکیں مگر خدا نے اس موقع پر بھی حضرت علیؑ کو ان کی اس
سازش سے زندہ بچایا اور حضرت علیؑ زندہ و سلامت مدینے پہنچے اس طرح ان دس
افراد جو حضرت علیؑ کے قتل کے ارادے سے مدینے رکے تھے، کی سازشیں ناکام
ہوگئیں۔ اور باقی چودہ افراد جو لشکر اسلام کے ہمراہ تھے انہوں نے خفیہ منصوبہ بنایا

تھا کہ تبوک سے لوٹتے وقت مدینے و شام کے درمیان جو پہاڑ ہے اس میں چھپ کر رسول خداؐ کے اونٹ کو پتھر ماریں گے تاکہ وہ بھاگے اور اس طرح رسول خداؐ پہاڑوں کے درمیان گر کر ہلاک ہو جائیں لہذا جیسے ہی پیغمبر اکرمؐ ان پہاڑوں کے نزدیک ہوئے جبرئیلؑ نے آکر پیغمبر اکرمؐ کو منافقین کی اس سازش سے آگاہ کیا اور مدینے والے منافقین کے بارے میں بھی آگاہ کیا جو حضرت علیؑ کے خلاف سازشیں کر رہے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے مسلمانوں کو منافقین کی اس سازش سے آگاہ کیا اور حضرت علیؑ کی شان میں کچھ باتیں بھی کیں وہ چودہ منافقین بھی اپنے آپ کو پیغمبر اکرمؐ سے محبت کرنے والا ظاہر کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں آکر حضرت علیؑ کی رہبری کے سلسلے میں سوالات کرنے لگے پیغمبر اکرمؐ بھی بڑے اطمینان سے ان کے سوالوں کے جوابات دینے لگے تاکہ ان پر اتمام حجت کر سکیں۔ منافقین نے اس طرح بحث کا آغاز کیا کہ ہمیں یہ بتائیں کہ علیؑ بہتر ہیں یا فرشتے؟

پیغمبر اکرمؐ: فرشتوں کی مقام و منزلت ہی اس میں ہے کہ وہ محمدؐ و علیؑ اور خدا کے بھیجے ہوئے رہبروں سے محبت کریں اور ان کی رہبریت کو قبول کریں لہذا ہر وہ انسان جو اخلاص اور پاک قلب کے ساتھ ان کی رہبریت کو قبول کرتا اور ان سے محبت کرتا ہے وہ فرشتوں سے برتر ہے۔ کیا تم لوگوں کو علم نہیں کہ فرشتوں کا آدمؑ کو سجدہ کرنا ہی اس لئے تھا کہ وہ اپنے آپ کو آدمؑ سے افضل و برتر جانتے تھے لیکن جب خدا نے آدمؑ کا علمی و انسانی مقام انہیں دکھایا تو پھر انہوں نے اپنے آپ کو آدمؑ کے مقابل میں پست پایا لہذا اسی دن یہ سجدہ تمام نیکوکار خصوصاً پیغمبر اسلامؐ و حضرت علیؑ و دیگر ائمہؑ کے لئے قرار پایا کیونکہ اس وقت بھی صلب

آدمؑ میں یہ لوگ موجود تھے گویا یہ سب ایک دوسرے کے پیچھے کمال و نظم کے ساتھ صف آراء تھے اس عالم میں فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا اگرچہ ظاہر میں یہ سجدہ حضرت آدمؑ کے لئے تھا مگر درحقیقت خدا کے لئے تھا اور اس مقام پر آدمؑ مانند قبلہ تھے یعنی خانہ کعبہ کے ہم مقام تھے اور ابلیس لعین جس نے غرور و تکبر کے خاطر حضرت آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا وہ درگاہ الٰہی سے نکال دیا گیا۔

منافقین: ممکن ہے ان رہبروں کے اشتباہات و ترک اولٰی حضرت آدمؑ کی طرح وقت سے پہلے ہلاک کر دیں۔

پیغمبر اکرمؐ: اگر حضرت آدمؑ نے بہشت کے منع شدہ درخت سے پھل کھا کر ترک اولٰی کیا تو یہ تکبر و غرور کے تحت نہیں تھا اسی لئے وہ جلد ہی اپنے اس کئے پر پشیمان بھی ہوئے اور توبہ کی۔ خدا نے بھی ان کی اس توبہ کو قبول کر لیا۔

وہ مقام جہاں منافقوں کے اصل نقشے خاک میں مل چکے تھے پیغمبر اکرمؐ کی یہ گفتگو منافقین کے لئے بے سود ثابت ہوئیں اور وہ پہلے کی طرح اپنے سازشوں سے باز نہیں آئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس فریب پر بھی باقی رہے جو پیغمبر اکرمؐ کو پہاڑوں کے درمیان دھکیل کر قتل کی سازش بنائی ہوئی تھی۔ لہذا پیغمبر اکرمؐ نے جو حضرت جبرئیلؑ کے ذریعے اس سازش سے آگاہ تھے مسلمانوں میں سے "حذیفہ" نامی ماہر شخص کو حکم دیا کہ وہ پہاڑ کے ایک کونے میں بیٹھ جائے تاکہ کوئی مجھ سے پہلے پہاڑ پر نہ چڑھ سکے۔ اعلان عام کر دیا گیا کہ کوئی شخص بھی پیغمبر اکرمؐ سے پہلے پہاڑ پر نہیں چڑھے گا سب پیغمبر اکرمؐ کے پیچھے پیچھے حرکت کریں گے۔

لہذا حذیفہ پیغمبر اکرمؐ کے حکم کے مطابق پہاڑ کے ایک پتھر کے پیچھے

چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ کوئی پیغمبر اکرمؐ سے پہلے نہ چڑھے لیکن پھر بھی انہوں نے دیکھا کہ وہی ۱۴ افراد بڑے ماہرانہ انداز میں پیغمبر اکرمؐ سے پہلے پہاڑ پر چڑھ گئے اور ہر ایک نے اپنے کو ایک ایک پتھر کے پیچھے چھپا لیا ہے۔ حذیفہؓ نے سب کو پہچان لیا اور فوراً پیغمبر اکرمؐ کو آکر اس کی خبر دی پیغمبر اکرمؐ ان کی سازشوں سے آگاہی کے باجود اونٹ پر سوار رہے۔ حذیفہؓ بن الیمان، سلمانؓ فارسی، عمارؓ بن یاسر آنحضرتؐ کی نگہبانی کر رہے تھے۔ جیسے ہی پہاڑ کے اس کونے پر پہنچے منافقین نے بھی اپنی سازش کے تحت اوپر سے پتھر لڑھکایا تاکہ پیغمبر اکرمؐ کے اونٹ کو ڈرائیں وہ بدک کر بھاگ جائے اور پیغمبر اکرمؐ پہاڑوں کے درمیان گر کر ہلاک ہو جائیں لیکن سب نے دیکھا کہ وہ لڑھکنے والا پتھر اس وقت تک اسی بلندی پر رکا رہا جب تک پیغمبر اکرمؐ اور آپ کے تمام ساتھی سلامتی کے ساتھ گھاٹی سے گزر نہ گئے اس طرح کسی کا بھی بال بیکا نہ ہوا۔

پیغمبر اکرمؐ نے عمارؓ کو حکم دیا کہ اوپر جا کے ان منافقین کے اونٹوں کو مشتعل کر دو۔ عمارؓ حکم پیغمبرؐ کی اطاعت کرتے ہوئے اوپر گئے اور ان منافقین کے اونٹوں کو مشتعل کرنے لگے اسی اثناء میں جو منافقین اپنے اونٹوں پر چڑھ چکے تھے وہ اونٹوں کے مشتعل ہونے سے زمین پر گرنے لگے جس کی وجہ سے بعض کے ہاتھ پیر بھی ٹوٹ گئے اس طرح ان منافقین کو پیغمبرؐ اور ان کے اسلام سے دشمنی کرنے کا سبق ملا لہذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہر طرح سے اسلام کا دفاع کریں اور منافقین کے ارادوں کو ناکام بنائیں۔

نتیجہ: پیغمبر اکرمؐ نے خود منافقین کے ساتھ بھی ان کی سازشیں آشکار

ہونے سے پہلے تک ان سے مناظرے کئے جس کے ذریعے عقل و منطق کے راستے دکھانے کی کوشش کی اور آخر تک ان پر حجت تمام کرتے رہے۔

(۷)

نجران مکہ و یمن کے درمیان کی آبادی ہے جس میں ۷۳ گاؤں تھے صدر اسلام کے وقت وہاں عیسائی مذہب کے روحانی باپ زندگی بسر کرتے تھے۔ وہاں کا سیاسی حاکم "عاقب" نام کا شخص تھا اور نجران کا مذہبی رہنما ابوحارثہ تھا جو لوگوں کے درمیان مورد اعتماد و قابل احترام تھا۔ اسی طرح "ایہم" نامی شخص بھی کافی مشہور تھا وہ بھی لوگوں کے درمیان محترم و قابل احترام شمار ہوتا تھا۔ جب ندائے اسلام پوری دنیا میں پھیلی تو مسیحی علماء جنہوں نے پہلے ہی کتاب تورات اور کتاب انجیل میں دی ہوئی بشارتیں پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں پڑھی ہوئی تھیں وہ اس خبر کی تحقیق میں لگ گئے اسی تحقیق کے خاطر نجران کے مسیحیوں نے تین مرتبہ اپنے نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے کر پیغمبر اسلامؐ کے پاس بھیجی تاکہ نبوت کی صداقت کے بارے میں تحقیق کریں ایک بار ہجرت سے پہلے پیغمبر اسلامؐ کے پاس آئے اور مناظرے کئے دوسری اور تیسری مرتبہ ہجرت کے بعد مدینے میں پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ مناظرہ ہوا جس کا خلاصہ ہم آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

پہلا مناظرہ:

پہلی مرتبہ مسیحی مذہب کے نمائندے مکہ میں پیغمبر اسلامؐ کے پاس آئے

تاکہ ان کی نبوت کی صداقت کے سلسلے میں تحقیق کریں لہذا کعبے کے اطراف میں انہوں نے رسول اللہؐ سے ملاقات کی اور بحث و مناظرے کو شروع کیا پیغمبر اسلامؐ خاموشی سے سنتے رہے اور پھر ان کے جواب دینا شروع کئے آخر میں پیغمبر اسلامؐ نے قرآن کی بعض آیات کی تلاوت کی جو اس حد تک ان پر اثر انداز ہوئیں کہ قرآن سنتے سنتے بے اختیار ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور جب انہوں نے پیغمبر اسلامؐ کے بیانات کو بالکل اسی بشارت کے مطابق پایا جو ان کو تورات و انجیل سے دی گئی تھیں تو وہ فوراً مسلمان ہوگئے۔ وہ آیت جس کی پیغمبر اکرمؐ ان کے سامنے تلاوت کی جو اسی موقع پر نازل بھی ہوئی تھی وہ سورۃ مائدہ کی آیت ۸۳ تھی: واذا سمعوا ما انزل الی الرسول اعینھم تفیض من الدمع مما عرفو من الحق یقولون ربنا آمنا فاکتبنا مع الشاھدین. "اور جب وہ سنتے ہیں اس کو جو (اس) رسول کی طرف اتارا گیا، تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، پس تو ہم کو بھی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔"

تمام مشرکین خصوصاً ابو جہل کو اس مناظرے سے بڑا دکھ پہنچا اور جب نجران کے نمائندے پیغمبر اسلامؐ کے پاس سے اٹھ کر جانے لگے تو ابو جہل اور اسکے ساتھ کچھ لوگوں نے ان کا راستہ روکا اور ان کو برا بھلا کہنے لگے کہ تم نے مسیحیوں کے ساتھ خیانت کی ہے اور تم اپنے آئین سے پلٹ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے بڑی نرمی سے جواب دیتے ہوئے کہا تمہیں ہم سے یا ہمیں تم سے کوئی سروکار نہیں ہے اپنے اعمال کے جواب گو ہم خود ہونگے۔ (سیرت حلبی جلد اول صفحہ ۳۸۳)

دوسرا مناظرہ:

یہ مناظرہ نجران کے بڑے سیاسی و مذہبی لیڈروں کے ساتھ مدینے میں ہجرت کے نویں سال پیش آیا جو مباہلہ کے نام سے مشہور ہے۔ جب پیغمبر اسلامؐ نے تمام دنیا کے سربراہوں کے نام خطوط بھیجے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ایک خط نجران کے رہنما ابو حارثہ کے پاس بھی بھیجا جس میں اسلام کی دعوت دی گئی تھی نجران کا پاپ یہ خط پڑھ کر غصے سے سرخ ہو گیا اور اسی وقت اس خط کو پھاڑ دیا اور پھر نجران کے دوسرے بزرگان اور اہم اشخاص کو جمع کر کے مشورہ کیا اس کے ساتھی کہنے لگے کہ کیونکہ موضوع کا تعلق نبوت سے ہے لہٰذا ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ پھر اس نے یہ بات عوامی آراء میں رکھی تو نتیجتاً یہ طے پایا کہ نجران کے تمام مسیحیوں کی طرف سے اہل علم کا ایک گروہ پیغمبر اسلامؐ کے پاس مدینہ جائے اور اس مسئلے میں ان سے مناظرہ کرے تاکہ حقیقت معلوم ہو سکے۔ اگرچہ اس سلسلے میں گفتگو زیادہ ہے۔ (جو لوگ اس کی تفصیل دیکھنا چاہیں وہ بحارالانوار کی جلد ۲۱ کے صفحے ۲۷۶ میں رجوع کرے)۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیوں میں سے وہ ۱۴ افراد جو سب سے زیادہ قابل مانے جاتے تھے پیغمبر اسلامؐ کے پاس مدینے آئے تاکہ آپؐ سے مناظرہ کریں یہ نجران کے نمائندے عملاً بہترین زرق و برق والے لباس پہن کر آئے تاکہ جیسے ہی مدینے میں وارد ہوں تو مدینے کے لوگ ان کی طرف جذب ہونے لگیں اور اس طرح ضعیف النفس لوگوں کے دلوں میں اپنی محبت بٹھا سکیں۔ پیغمبر اکرمؐ بھی تمام پہلوؤں پر نگاہ رکھے ہوئے تھے جب یہ نجران کے نمائندے پیغمبر اسلامؐ کے پاس

آئے تو آپؐ نے ان کی طرف بالکل توجہ نہ کی اور دوسرے مسلمانوں نے بھی ان کے ساتھ کوئی بات نہیں کی آخر وہ تین دن تک مدینے میں حیران و سرگرداں پھرتے رہے کہ ایک دن ان میں سے ایک نے عثمان و عبدالرحمن جو ان کے ساتھ دوست تھے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے ان نمائندوں کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا جب یہ حضرت علیؑ کے پاس پہنچے تو آپؑ نے فرمایا کہ یہ زرق و برق والے لباس اپنے سے دور کر کے پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں جاؤ تاکہ ان سے ملاقات میں کامیابی حاصل کر سکو وہ لوگ حضرت علیؑ کے کہنے کے مطابق فاخرہ لباس تبدیل کر کے گئے اور پیغمبر اکرمؐ سے ملاقات کا ان کو شرف ملا۔ پیغمبر اسلامؐ جو مسجد میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے باقی لوگ آپ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے نجران کے نمائندے آکر اپنے مذہب کے مطابق بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز میں مشغول ہو گئے کچھ مسلمانوں نے ان کو منع کرنے کی کوشش کی مگر پیغمبر اسلامؐ نے ان کو روکا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان نمائندوں کو مدینے میں پوری آزادی ملی ہوئی تھی کسی کے زیر اثر نہیں تھے لہذا تین دن تک ہر روز نماز جماعت کے بعد پیغمبر اسلامؐ اور ان نمائندوں کے درمیان مناظرے ہوئے جن میں مسلمانوں کے علاوہ دیگر مسیحی و یہودی بھی شرکت کرتے تھے جس میں سب سے پہلے پیغمبر اسلامؐ نے گفتگو کو شروع کرتے ہوئے ان نجران کے نمائندوں کو اسلام اور توحید کی طرف دعوت دی کہ آؤ ہم سب ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں اور خدا کے فرمان کے مطابق زندگی بسر کریں پھر قرآن کی چند آیتوں کی تلاوت کی۔

اہل نجران: اگر اسلام لانے سے آپ کا مقصد خدا پر ایمان لانا اور خدا کے فرمان پر عمل کرنا ہے تو ہم پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ: اسلام حقیقی کی جو علامات ہیں ان میں سے تمہارے تین اعمال تمہارے مسلمان نہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ایک علامت تمہارا صلیب کی پرستش کرنا، دوسری علامت سور کے گوشت کو حلال جاننا اور تیسری علامت عقیدہ کہ خدا کا فرزند ہے۔

اہل نجران: ہمارے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ خدا ہیں کیونکہ وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور لاعلاج بیمار کو شفا دیتے تھے اور مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں روح پھونکتے تھے، اس طرح وہ مٹی پرندہ بن کر اڑنے لگتی تھی، اس طرح کے کام ان کی خدا ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

پیغمبر اکرمؐ: نہیں ہرگز ان کے یہ کام ان کی خدائی پر دلالت نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ خدا کے ایک نیک بندے تھے کہ خدا نے ان کو حضرت مریمؑ کے رحم سے پیدا کیا اور انہیں اس طرح کے معجزے عطا کیے، ان کا جسم بھی گوشت پوست و رگ و اعصاب وغیرہ پر مشتمل تھا، وہ بھی غذا کھاتے اور پانی پیتے تھے، ایسا شخص خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا کا کوئی مثل نہیں ہے۔

نجران کا ایک نمائندہ کہنے لگا حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے تھے اس بات پر ہمارے پاس دلیل یہ ہے کہ ان کی مادر مریم سلام اللہ علیہا کے ساتھ کسی نے ازدواج نہیں کی تھی اور پھر بھی حضرت عیسیٰؑ کی ان سے ولادت ہوئی۔ لہذا ان کا باپ خدا اور وہ خدا کے بیٹے۔

پیغمبر اسلامؐ نے سورۃ آل عمران کی آیت ۶۱ کی تلاوت کی اور فرمایا کہ عیسیٰؑ کی مثال حضرت آدمؑ کی سی ہے کہ خدا نے ان کو بغیر ماں باپ کے خاک سے پیدا کیا اور اگر باپ نہ ہونا دلیل ہے کہ عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں تو حضرت آدمؑ جن کے ماں باپ دونوں ہی نہیں تھے ان کو بدرجہ اولیٰ خدا کا بیٹا کہنا چاہیے۔ نجران کے نمائندوں نے جب یہ دیکھا کہ جو بھی ہم پوچھتے ہیں تو پیغمبر اسلامؐ جواب دیتے ہیں تو جو دنیاوی حرص میں مناظرہ کرنے آئے تھے قائل ہونے کے بعد بھی کہنے لگے کہ آپ کی یہ باتیں ہمیں قائل نہیں کر سکیں لہذا بہتر ہے کہ ہم آپس میں مباہلہ کریں یعنی ایک جگہ جمع ہو کر خدا سے رازو نیاز کریں اور جھوٹ بولنے والوں پر نفرین کریں تا کہ خدا جھوٹ بولنے والوں کو ہلاک کر دے۔

پیغمبر اسلامؐ نے وحی سورۃ آل عمران کی آیت ۶۱ کے نازل ہونے کے بعد ان کی اس دعوت مباہلہ کو قبول کر لیا اور پھر سب مسلمانوں کو اس خبر سے آگاہ کیا۔ لوگوں میں مباہلہ کی باتیں ہونے لگیں اور لوگ مباہلہ کے انتظار میں تھے۔ ہجرت کے نویں سال کا ۲۴ ذی الحجہ کا دن آیا نجران کے نمائندوں نے آپس میں پہلے یہ کہہ رکھا تھا کہ اگر محمدؐ لشکر و اسباب کے ساتھ آئے تو ان سے مباہلہ کرنے میں نہ ڈرنا اور مباہلہ کرنا گویا پس پردہ کوئی حقیقت نہیں ہے اور اگر کم افراد کے ساتھ آئے تو ان سے مباہلہ نہ کرنا کیونکہ اس حال میں ان کے ساتھ مباہلہ کرنا خطرناک ہے۔ نجران کے نمائندے مباہلہ کی جگہ پر جمع ہو کر توراۃ و انجیل کی تلاوت اور راز و نیاز کرنے میں مصروف ہو گئے اور اس جگہ پیغمبر اسلامؐ کے آنے کا انتظار کرنے لگے ناگاہ انہوں نے دیکھا کہ پیغمبر اسلامؐ اپنے ساتھ چار دوسرے افراد

کو لئے چلے آرہے ہیں ایک ان کے داماد علیؑ، دوسرے ان کی بیٹی فاطمہؑ اور دو ان کے فرزند۔ نجران کے نمائندوں میں شرجیل نامی شخص چلا کر بولا خدا کی قسم میں ایسی صورتوں کو دیکھ رہا ہوں جو اگر خدا سے چاہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو ایسا ہی ہوگا لہذا ڈرو اور مباہلہ نہ کرو۔ پھر بھی اگر تم نے محمدؐ کے ساتھ مباہلہ کیا تو نجران کے مسیحیوں میں سے ایک فرد بھی نہیں بچ سکے گا لہذا میری بات سنو اور مباہلہ نہ کرو۔ شرجیل کی اتنی تاکید نے دوسرے نجران کے نمائندوں کے دلوں پر اثر کیا جس کی وجہ سے ان پر عجیب سا اضطراب طاری ہوا فوراً انہوں نے ایک شخص کو پیغمبر اسلامؐ کے پاس بھیجا اور مباہلہ کو ترک کرنے اور صلح کرنے کی درخواست کی۔ پیغمبر اسلامؐ نے بھی ان چار شرائط کے تحت صلح قبول کرلی:

اول یہ کہ نجران کے لوگ پابند ہیں کہ اگر اپنے علاقوں میں امن چاہتے ہیں تو ہر سال دو ہزار حلے لباس دو قسطوں میں حکومت اسلامی کو ادا کریں۔

دوم یہ کہ جب بھی محمدؐ کا کوئی نمائندہ نجران جائے اس کی ایک ماہ یا اس سے زیادہ مہمان نوازی کی جائے۔

سوم یہ کہ جب بھی یمن میں اسلام کے خلاف کوئی شور اٹھے نجران کے لوگ پابند ہیں کہ تیس زرہ، تیس گھوڑے، تیس اونٹ عاریۃً حکومت اسلامی کو دیں۔

چہارم یہ کہ اس صلح نامہ کے بعد سے نجران کے لوگوں میں شراب ممنوع ہے۔

نجران کے نمائندوں نے اس ترتیب سے ان شرائط کو قبول کرلیا جبکہ حقیقت میں وہ لوگ پہلے ہی شکست کھا چکے تھے اور پھر وہ لوگ نجران چلے

گئے۔(بحارالانوار جلد ۲۱ صفحہ ۳۱۹۔ سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۷۵۔ فتوح البلدان صفحہ ۷۶) ضمناً خود آیت مباہلہ ہی عظمت اہلبیتؑ کو بیان کرتی ہے۔

نجران کا تیسرا گروہ: یہ گروہ قبیلہ بنی حارث سے تھا جس میں بعض لوگ خالد بن ولید کی نمائندگی میں پیغمبر اسلامؐ کے پاس مدینے آئے اور تحقیق کرنے کے بعد اسلام لے آئے اور کہنے لگے کہ ہم خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ جس نے ہمیں آپ کے ذریعے ہدایت دی۔ پیغمبر اسلامؐ نے ان سے پوچھا تم لوگ کس طرح اپنے دشمنوں پر غالب آتے تھے؟ وہ لوگ کہنے لگے ہم آپس میں تفرقہ نہیں ہونے دیتے تھے اور کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: بیشک تم نے سچ کہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیوں کے نمائندوں میں سے پہلا اور تیسرا گروہ تو اسلام لے آیا مگر دوسرے گروہ کا کام مباہلہ تک پہنچا اور ترک مباہلہ کے بعد حقانیت اسلام کو انہوں نے قبول کر لیا۔ اگرچہ ظاہر میں اسلام کو قبول نہیں کیا کیونکہ ان لوگوں کا مباہلہ کو ترک کروانا خود اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ وہ لوگ محمدؐ اور اسلام کی حقانیت کو سمجھ چکے تھے صرف دو چیزیں انکے اسلام لانے میں مانع تھیں ایک حکومت و ریاست، دوسری نجران کے لوگوں کا خوف وڈر۔

(۸)

امام علیؑ کا معاویہ سے مکاتبہ

معاویہ بن ابوسفیان نے حضرت علیؑ کی خلافت میں جنگ صفین کے وقت ایک خط لکھا جس میں اس نے چار مطالبات کیے:

پہلا مطالبہ شام کی سرزمین میرے حوالے کردیں تاکہ وہاں کی رہبری میں خود کروں۔

دوسرا مطالبہ جنگ صفین کا برقرار رہنا، مسلمانوں کی زیادہ خونریزی اور عرب کی نابودی کا سبب بنے گی لہذا اسے رکوادیں۔

تیسرا مطالبہ اس جنگ میں دونوں طرفین مسلمان ہیں اور اسلام کی اہم شخصیات ہیں۔

چوتھا مطالبہ ہم دونوں عبد مناف کے فرزند ہیں جو پیغمبر اکرمؐ کے جد تھے ہم میں سے کسی کو ایک دوسرے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ لہذا ابھی موقع ہے گزشتہ باتوں پر پشیمان ہو کر آئندہ کے لئے اپنے اصلاح کرلیں۔ (کتاب الصفین ابن مزاحم صفحہ ۴۶۸)۔

امام علیؑ نے معاویہ کے ہر سوال کا جواب اس طرح دیا:

پہلے مطالبے کا جواب: تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں شام کی سرزمین دے دوں، یاد رکھو جس چیز سے میں تمہیں کل تک منع کرتا رہا آج بھی ہرگز تمہیں نہیں دوں گا کیونکہ حکومت الہیہ میں کل اور آج کی حث نہیں ہے وہ ہرگز نااہلوں کے ہاتھ میں نہیں دی جاسکتی۔

دوسرے مطالبے کا جواب: تم نے یہ لکھا کہ یہ جنگ عربوں کی نابودی کا سبب بنے گی تو یاد رکھو کہ جو بھی جنگ میں حق کی طرفداری کرتے ہوئے مرا اس کی جگہ جنت ہے اور اگر باطل کی طرفداری کرتے ہوئے مرا اسکی جگہ آتش جنہم ہے۔

تیسرے مطالبے کا جواب: تمہارا یہ دعوئی ہے کہ تمہارے اور ہمارے

جنگی افراد برابر کے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ تم یقین میں میرے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے اور یاد رکھو اہل شام اہل عراق کی نسبت آخرت کے مسئلے میں زیادہ حریص نہیں ہیں۔

چوتھے مطالبے کا جواب: یہ جو تم نے کہا کہ ہم سب عبدمناف کی اولاد سے ہیں اگرچہ یہ صحیح ہے لیکن تیرے جد امیہ میرے جد حضرت ہاشم کی مانند نہیں ہیں کیونکہ تیرے دادا کی جنگ میرے دادا عبدالمطلب کی طرح نہیں ہے اور تیرے باپ ابوسفیان اور میرے بابا ابوطالبؑ کے درمیان ہرگز کوئی برابری نہیں ہے اور مہاجرین ہرگز ان اسیروں کے مانند نہیں ہوسکتے جو کفار اور رسول اکرمؐ کے آزاد کردہ ہوں اور سنو صحیح النسب ہرگز منسوب الپدر کے برابر نہیں ہوسکتے۔ حق پرست باطل کی مانند، مؤمن مفسد کی مانند ہرگز نہیں ہوسکتے اور خدا نے ہمیں مقام نبوت سے متفخر کیا ہے اور یاد رکھو جب لوگ جوق درجوق اسلام کے گرویدہ ہو رہے تھے اور حق کی طرف آرہے تھے سب کے بعد تم نے دنیاوی ہوس میں اسلام قبول کیا لہذا تمھیں کسی بھی طرح کی فضیلت اسلام لانے میں حاصل نہیں ہے بلکہ آگاہ رہو کہ شیطان تم میں نفوذ کرچکا ہے۔ (نہج البلاغہ نامہ نمبر ۱۷)

(۹)

امام علیؑ کا دفاع

خلافت عثمانیہ کے زمانے میں ایک دفعہ مہاجرین وانصار کی تقریباً دوسو افراد پر مشتمل جمعیت مسجد نبویؐ میں جمع ایک دوسرے سے گفتگو میں مصروف

تھے۔ دونوں گروہ علم و تقویٰ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور قریش کی برتری اور ان کی ہجرت کی باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول خداؐ نے قریش کے بارے میں کیا کہا۔ بعض کہنے لگے رسول خداؐ نے قریش کے بارے میں کہا ہے کہ "الائمة من القریش" یعنی ائمہؑ قریش سے ہوں گے۔ بعض کہہ رہے تھے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: "الناس تبع لقریش وقریش ائمة العرب" یعنی لوگ قریش کے تابع ہیں اور قریش عرب کے پیشوا ہیں۔ ان کی یہ بحث صبح سے ظہر تک رہی۔ اسی اثناء میں کسی نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا دونوں گروہ میں سے ہر ایک اپنی شان و منزلت کی گفتگو کر رہا ہے لیکن میں تم لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ خداوند عالم نے کس کے سبب یہ بلند مرتبہ تم لوگوں کو عطا کیا ہے؟ مہاجرین و انصار کہنے لگے پیغمبر اکرمؐ اور ان کے خاندان کے وسیلے سے ہمیں یہ عظمت اور بلند مرتبہ ملا ہے۔

امام علیؑ: تم لوگوں نے سچ کہا کیونکہ تم لوگوں کے لئے سعادت دنیا و آخرت کا ذریعہ ہم خاندان نبوت ہیں اور جیسا کہ میرے چچازاد بھائی پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "میں اور میرا خاندان خلقت آدمؑ سے چودہ سال پہلے حالت نور میں موجود تھے پھر خداوند عالم نے ہمارے نور کو پاک صلبوں میں منتقل کیا تاکہ کسی قسم کی آلودگی اس نور کو چھونے نہ پائے، پھر مولائے کائنات نے اپنے بعض فضائل بیان فرمائے اور حاضرین سے قسم لی کہ کیا رسول خداؐ نے یہ نہیں فرمایا؟ سب نے اعتراف کیا کہ بیشک رسول خداؐ نے علیؑ کی شان میں یہی کہا ہے۔ منجملہ آپؑ نے فرمایا کہ میں تم لوگوں کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جس نے بھی پیغمبر اکرمؐ سے میری

خلافت کے بارے میں سنا ہے وہ اٹھے اور گواہی دے۔ اسی ہنگام میں سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، زید بن ارقمؓ، براء بن عازبؓ اٹھے اور کہنے لگے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہم نے پیغمبر اکرمؐ سے سنا اور یاد رکھا ہے کہ حضرت علیؑ ایک دن پیغمبر اکرمؐ کے نزدیک کھڑے ہوئے تھے اور آپؐ منبر پر تشریف فرما تھے کہ آپؐ نے فرمایا کہ خداوند عالم نے حکم دیا ہے کہ تمہارے لئے امام، اپنا جانشین اور وصی قرار دوں۔ میرے بعد جس کی تم لوگوں نے اطاعت کرنی ہے وہ میرا بھائی علیؑ ہے۔ یہی میرے بعد تمہارا پیشوا و رہنما ہوگا۔

وھو فیکم بمنزلتی فیکم فقلدوہ دینکم واطیعوہ فی جمیع امورکم.

"یعنی یہ علیؑ تمہارے درمیان مقام و منزلت کے لحاظ سے میری طرح ہے۔ زندگی کے تمام مراحل میں اس کی اطاعت کرنا۔" (الغدیر جلد اول صفحہ ۱۶۳۔ فرائد السمطین باب ۵۸ سمط اول)

اس طرح مولائے کائناتؑ نے اپنی امامت کے دلائل ان کے سامنے بیان کر کے ان پر حجت تمام کی۔

(۱۰)

امام علیؑ کا معاویہ کو جواب

پیغمبر اکرمؐ کے صحابیوں میں سے ایک حضرت عمار یاسرؓ تھے جنہوں نے کافی عمر پائی اور رسول خداؐ کے بعد حضرت علیؑ کا ساتھ دیتے رہے۔ جنگ صفین میں ان کی شہادت واقع ہوئی۔

پیغمبر اکرمؐ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: "تقتلک الباغیه" اے عمارؓ! تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ حدیث دوسرے مسلمانوں نے بھی سنی تھی اور ان کے درمیان پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث کافی مشہور ہو چکی تھی۔

اس بات کو کئی سال گزر گئے یہاں تک کہ حضرت علیؑ کی خلافت کا زمانہ آیا اور حضرت علیؑ اور معاویہ کے سپاہیوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں حضرت عمار یاسرؓ جو امام علیؑ کے لشکر میں تھے جنگ کرتے کرتے معاویہ کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہو کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ اب تو جو لوگ شک و تردد میں تھے کہ معاویہ حق پر ہے یا حضرت علیؑ اس واقعے کے بعد پیغمبر اکرمؐ کے فرمان کی روشنی میں ان پر بھی واضح ہو گیا کہ معاویہ اور اس کا لشکر باغی و ظالم ہے۔ لہذا معاویہ باطل پر ہے۔ جب معاویہ نے دیکھا کہ لوگوں کی ان باتوں سے اس کے سپاہیوں کے ارادوں میں ضعف پیدا ہو رہا ہے اور ممکن ہے ان کے درمیان اختلاف ہو جائے تو معاویہ نے سیاست اور غلط بیانی سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہوئے کہا کہ دراصل عمارؓ کے قتل کے ذمہ دار علیؑ ہیں کیونکہ وہ عمارؓ کو جنگ میں لائے اگر وہ عمارؓ کو جنگ میں نہ لاتے تو عمارؓ قتل نہ ہوتے۔ اس کی اس توجیح سے بعض افراد گمراہ ہونے لگے۔

جب حضرت علیؑ نے یہ عالم دیکھا تو اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:
"اگر معاویہ کا یہ کہنا صحیح ہے تو جنگ احد میں جو پیغمبرؐ کے چچا مشرکوں کے ہاتھوں قتل ہوئے انہیں بھی کہو کہ پیغمبرؐ نے انہیں شہید کروایا ہے کیونکہ پیغمبرؐ نے انہیں جنگ پر بھیجا تھا۔"

عمرو عاص کے بیٹے عبداللہ نے امامؑ کا یہ جواب معاویہ کو پہنچایا جس پر معاویہ سخت غصے میں عمرو عاص سے کہنے لگا: "اے فرزند احمق! اپنے آپ کو اس مجلس سے دور کر۔" یہ سب باتیں گویا خود ایک مناظرہ ہی تھیں جس نے دشمن کی فکر کو خاک میں ملا دیا۔ (اعیان الشیعہ جلد ۴۲ صفحہ ۲۱۵)

(۱۱)

امام سجادؑ اور ایک شامی مرد

واقعۂ کربلا کے بعد امام سجادؑ کو ان کے اہل خانہ کے ساتھ اسیر کر کے دمشق لے جایا جا رہا تھا کہ راستے میں شام کا رہنے والا ایک ضعیف شخص امامؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا: "خدا کی حمد و ثناء کہ اس نے تم لوگوں کو قتل کیا تمہارے شہر کے لوگوں کو تم سے نجات دی اور امیر المؤمنین (یزید) کو تم پر مسلط کیا۔" امام سجادؑ نے ناآگاہ اس مسلمان بوڑھے سے اس طرح مناظرہ کیا کہ اے شخص! تو نے قرآن پڑھا ہے؟

بوڑھا شخص: جی ہاں۔

امام سجادؑ: کیا تم نے اس آیت "قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربی" کے معنی صحیح سمجھے ہیں؟ یعنی اے پیغمبرؐ! آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تم لوگوں سے تبلیغ رسالت کا اجر کچھ نہیں چاہیے سوائے اس کے کہ تم میرے اہلبیتؑ سے محبت کرو۔ (سورہ شوریٰ آیت ۲۳)

بوڑھا شخص: ہاں یہ آیت میں نے پڑھی ہے۔

امام سجادؑ: وہ اہلبیت رسولؐ ہم لوگ ہیں۔ کیا تم نے سورۂ اسراء کی

آیت ۲۶ پڑھی ہے "وات ذالقربی حقہ" یعنی پیغمبرؐ کے قربیٰ کا حق ادا کرو؟

بوڑھا شخص: یہ آیت بھی میں نے پڑھی ہے۔

امام سجادؑ: وہ رسولؐ کے قربیٰ ہم ہیں۔ اے شخص تم نے سورۃ انفال کی آیت ۴۱ پڑھی ہے "واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للّٰہ خمسہ وللرسول ولذی القربی" یعنی یاد رکھو جو بھی مال غنیمت تمہارے ہاتھ آئے اس کا پانچواں حصہ خدا اور رسولؐ اور ان کے اقرباء کا ہے؟

بوڑھا شخص: ہاں یہ آیت بھی میں نے پڑھی ہے۔

امام سجادؑ: وہ پیغمبرؐ کے اقرباء ہم ہیں۔ اور کیا تم نے سورۃ احزاب کی آیت ۳۳ کی تلاوت کی ہے "انما یرید اللّٰہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" یعنی اے اہل بیتؑ خدا یہ چاہتا ہے کہ ہر قسم کی نجاست کو تم سے دور رکھے اور تم کو ایسا پاک وپاکیزہ رکھے جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے؟

بوڑھا شخص: ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے۔

امام سجادؑ: ہم وہ خاندان ہیں جن کی شان میں یہ آیۂ تطہیر نازل ہوئی۔

بوڑھے شخص نے جب یہ سب سنا اور حقیقت واضح ہونے لگی تو پشیمانی کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوئے اور وہ کہنے لگا: آپ کو خدا کی قسم! کیا آپ نے جو کچھ کہا وہ سچ ہے؟

امام سجادؑ: خدا کی قسم اور اپنے جد پیغمبرؐ کے حق کی قسم کہ ہم ہی وہ خاندان نبوت ہیں۔

بوڑھا شخص رونے لگا اور ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہنے لگا:

"خدایا! ہم دشمنان آل محمدؐ چاہے جنات سے ہوں یا انس سے سب سے بیزار ہیں۔"
اور امامؑ کے سامنے توبہ کرنے لگا۔ جب اس بوڑھے شخص کی توبہ کی داستان یزید تک پہنچی تو اس نے اس بوڑھے شخص کے قتل کا حکم دیا اس طرح یہ راہ راست پانے والا بوڑھا شخص محبت محمدؐ و آل محمدؐ میں درجہ شہادت پر فائز ہوا۔

(۱۴)

امام صادقؑ کے دست مبارک پر ملحد کا قبول اسلام

مصر میں عبدالملک نام کا ایک شخص رہتا تھا اس کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا لہٰذا اس بناء پر اسے ابو عبداللہ کہا جاتا تھا۔ عبدالملک ملحد تھا اس کا اعتقاد یہ تھا کہ یہ دنیا خود بخود وجود میں آگئی ہے۔ اس نے سنا ہوا تھا کہ شیعوں کے امام حضرت صادقؑ مدینے میں رہتے ہیں لہٰذا اس نے مدینے کا سفر کیا۔ جب وہ مدینے پہنچا اور امام صادقؑ کا پتہ پوچھا تو لوگوں نے اسے بتایا کہ امامؑ مراسم حج انجام دینے کے لئے مکہ گئے ہوئے ہیں وہ مکے کی طرف روانہ ہوا، کنار کعبہ اس کی امام سے ملاقات ہوئی، امام طواف میں مشغول تھے، وہ بھی طواف کرنے والوں کی صفوں میں داخل ہوگیا اور اس نے امامؑ کو دشمنی کی وجہ سے کندھا مارا۔ امامؑ نے بڑی نرمی سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا عبدالملک۔ امامؑ نے پوچھا تیری کنیت کیا ہے؟ اس نے کہا ابو عبداللہ۔ امامؑ نے پوچھا وہ سلطان جس کے تم بندے ہو وہ زمین کا حاکم ہے یا آسمان کا اور تمہاری کنیت جو ابو عبداللہ ہے تو وہ خدا جس کے بندے کے تم باپ ہو وہ زمین کا خدا ہے یا آسمان کا خدا ہے؟ عبدالملک نے کچھ جواب نہ دیا۔ ہشام

بن حکم جو امام صادقؑ کا شاگرد تھا وہ بھی وہاں پر حاضر تھا اس نے عبدالملک سے کہا امامؑ کے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ عبدالملک ہشام کی بات سن کر تو اور آگ بگولا ہو گیا امام صادقؑ نے بڑے پیار سے کہا صبر کرو میرا طواف تمام ہو جائے اسکے بعد تم میرے پاس آنا تو پھر گفتگو کریں گے۔ جب امام نے طواف مکمل کر لیا تو وہ امام کے پاس آ کر بیٹھ گیا اس وقت امام کے پاس ان کے کچھ شاگرد بھی بیٹھے تھے اسی اثناء میں امام اور عبدالملک کے درمیان اس طرح سے مناظرہ شروع ہوا:

امام صادقؑ: کیا تم مانتے ہو کہ زمین کا کوئی ظاہر و باطن ہے؟

ملحد: جی ہاں۔

امام صادقؑ: کیا زمین کے نیچے گئے ہو؟

ملحد: نہیں۔

امام صادقؑ: پس تمہیں کیسے معلوم کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟

ملحد: زمین کی تہہ کا علم تو نہیں ہے لیکن گمان کرتا ہوں کہ نیچے کچھ بھی نہیں ہے۔

امام صادقؑ: گمان وشک ایک قسم کا علاج ہے جب انسان کسی چیز میں یقین حاصل نہ کر سکے تو پھر گمان پر عمل کرتا ہے۔ پھر امامؑ نے فرمایا کیا آسمان پر گئے ہو؟

ملحد: نہیں۔

امام صادقؑ: کیا تمہیں معلوم ہے کہ آسمان پر کونسی چیزیں موجود ہیں؟

ملحد: نہیں۔

امام صادقؑ: عجیب بات ہے کہ جب تم نہ مشرق گئے ہو نہ مغرب گئے

ہو نہ زمین میں گئے ہو نہ آسمان پر گئے ہو تاکہ تمہیں پتہ چل سکے کہ وہاں کیا ہے تو اس جہالت کے سبب کیونکر خدا کا انکار کرتے ہو؟ جب تم موجودات زمین و آسمان کے نظام سے ناآشنا ہو جو وجود خدا اور اس کی وحدانیت کی حکایت کرتی ہیں کیونکر خدا کا انکار کرتے ہو؟ کیا جو شخص جس چیز کا علم نہیں رکھتا اس کا انکار کردے؟

ملحد: آج تک کسی نے مجھ سے ایسی گفتگو نہیں کی۔

امام صادقؑ: پس اس بناء پر تم شک و تردد میں ہو کہ شاید زمین کے اندر اور آسمان کے اوپر کوئی چیزیں ہوں یا نہ ہوں۔

ملحد: ہاں شاید ایسا ہو۔ اس طرح وہ منکر خدا انکار کے مرحلے سے نکل کر شک و تردد میں پڑ گیا۔

امام صادقؑ: کیا جو نہیں جانتا اس پر جو جانتا ہو دلیل و برہان لا سکتا ہے؟ اے برادر مصری! مجھ سے سن لو اور ذہن نشین کرلو کہ ہم ہرگز وجود خدا کے بارے میں شک نہیں کرتے۔ کیا تم چاند و سورج اور دن و رات کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ وہ اپنے معین وقت پر آتے اور جاتے ہیں وہ اپنی حرکت میں دوسرے کے مجبور ہیں اور اگر مجبور نہیں ہیں تو کیوں کبھی دن رات اور رات دن نہیں ہو جاتے؟ اے برادر مصری! خدا کی قسم یہ سب مجبور ہیں کہ ان کو کوئی حکم دے۔

ملحد: آپ نے سچ کہا۔

امام صادقؑ: اے برادر مصری ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہارا عقیدہ اس بارے میں کیا ہے کہ زمانہ تمام موجودات کو زندہ کرتا ہے اور سب کو چلا رہا ہے اور اگر ایسا ہے تو مرنے والے مردوں کو زمانہ پھر سے زندہ کیوں نہیں کر دیتا؟ اے برادر!

یہ سب مجبور ہیں کیونکہ آسمان اوپر اور زمین نیچے ہے کیوں آسمان نیچے اور زمین اوپر چلے نہیں جاتے کیوں موجودات آپس میں ایک دوسرے سے مل نہیں جاتے؟
عبدالملک نے جب امامؑ کے یہ محکم استدلال سنے تو اب اس کا شک کا مرحلہ بھی یقین و ایمان میں بدل چکا تھا وہ فوراً امامؑ کے سامنے ہی ایمان لے آیا اور گواہی دی کہ خدا وحدہ لاشریک ہے۔ اسلام مذہب حق ہے بیشک وہی خدا زمین و آسمان کا مالک ہے جس نے ان دونوں کو اپنی اپنی جگہ روکا ہوا ہے۔ امامؑ کا ایک شاگرد جس کا نام حمران تھا اٹھا اور کہنے لگا میرے ماں باپ آپ پر قربان بیشک آج جس طرح منکران خدا آپ کے ہاتھوں ایمان لا رہے ہیں اسی طرح کل آپ کے جد پیغمبر اکرمؐ کے ہاتھوں اسلام لائے تھے۔ عبدالملک جو ابھی تازہ مسلمان ہوا تھا امامؑ سے عرض کرنے لگا مجھے بعنوان شاگرد قبول کریں۔ امامؑ نے اپنے معتمد علیہ شاگرد ہشام بن حکم کو بلایا اور کہا عبدالملک کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور اس کو اسلام کی تعلیم دو، ہشام امام کی طرف سے معین کردہ زبردست استاد تھے، ہشام نے عبدالملک کو اپنے پاس بلایا اور اس کو اصول عقائد و احکام اسلام کی تعلیم دی تاکہ وہ ایک سچے اور پاک عقیدہ کے ساتھ رہ سکے امامؑ ہشام کے اس طریقہ تعلیم کو بہت پسند کرتے تھے۔(اصول کافی جلد اول صفحہ ۷۲۔ ۷۳)

(۱۳)

ابن ابی العوجاء اور امام صادقؑ

عبدالکریم نامی شخص جو ابن ابی العوجاء کے نام سے مشہور تھا ایک دن امام صادقؑ کی بارگاہ میں آیا، دیکھا امامؑ کے پاس ایک گروہ بیٹھا ہوا ہے یہ بھی خاموش بیٹھ گیا۔

امام نے اسکی طرف متوجہ ہو کر کہا کیا مجھ سے بعض مسائل پر مناظرہ کرنے آئے ہو؟
ابن ابی العوجاء کہنے لگا: اے فرزند رسولؐ بے شک میں اسی مقصد سے آیا ہوں۔

امام صادقؑ: تم پر تعجب ہے کہ ایک طرف خدا کا انکار کرتے ہو دوسری طرف مجھے پیغمبر خداؐ کا فرزند کہتے ہو۔

ابن ابی العوجاء: میری عادت مجھے ایسی بات کرنے پر مجبور کر رہی ہے۔

امام صادقؑ: تو پھر تم خاموش کیوں ہو؟

ابن ابی العوجاء: آپ کا رعب و جلال باعث بنا ہوا ہے کہ میری زبان کلام کرنے سے قاصر ہے اگرچہ میں نے بڑے بڑے دانشمندوں اور خطیبوں سے بحث کی ہے اور انہیں شکست دی ہے۔ لیکن کوئی مجھے آپ کی طرح مرعوب نہیں کر سکا۔

امام صادقؑ: اب جبکہ تم گفتگو شروع نہیں کر رہے تو میں خود گفتگو کا آغاز کرتا ہوں اور پھر آپؑ نے اس سے فرمایا تم کسی کے بنائے ہوئے ہو یا نہیں؟

ابن ابی العوجاء: میں کسی کا بنایا ہوا نہیں ہوں۔

امام صادقؑ: ذرا تم یہ تو بتاؤ کہ اگر کسی کے بنائے ہوئے ہوتے تو کس طرح کے ہوتے۔

ابن ابی العوجاء کافی دیر خاموش رہا اور اپنے نزدیک پڑی ہوئی لکڑی کو ہاتھ میں لیکر تخلیقی چیزوں کی صفتیں بیان کرنے لگا کہ مصنوعی چیزوں میں اس طرح کے عیوب مثلاً بڑا یا چھوٹا ہونا یا متحرک اور جامد ہونا یہ سب صفتیں پائی جاتی ہیں۔

امام صادقؑ: اگر تخلیقی چیزوں کی ان صفات کے علاوہ دوسری صفات تم نہیں جانتے ہو تو یاد رکھو کہ تم خود بھی ایک تخلیق ہو لہذا خود کو بھی کسی کا بنایا ہوا

جانو کیونکہ اسی طرح کی صفات تم اپنے وجود میں بھی پاؤ گے۔

ابن ابی العوجاء: آپؑ نے مجھ سے ایسا سوال کیا ہے جو آج تک کسی نے نہیں کیا اور نہ آئندہ کرے گا۔

امام صادقؑ: اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پہلے کسی نے تم سے اس قسم کا سوال نہیں کیا تو یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ آئندہ بھی کوئی اس قسم کا سوال تم سے نہیں کرے گا۔ اس طرح تم نے خود اپنی بات پر نقض وارد کر دیا کہ تمام پہلی اور پچھلی چیزیں برابر ہیں۔ لہٰذا اس بنا پر ایک چیز کو مقدم اور ایک چیز کو مؤخر مانتے ہو۔ اے عبدالکریم یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے پاس سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تھیلی ہو اور کوئی تم سے کہے کہ اس تھیلی میں سونے کے سکے ہیں اور تم جواب میں کہو نہیں اس میں کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ تم سے کہے کہ سونے کے سکے کی علامت کیا ہے تو اگر تم طلائی سکوں کی صفت نہ جانتے ہو تو کیا تم اس سے کہہ سکتے ہو کہ اس تھیلی میں سونے کے سکے نہیں ہیں۔

ابن ابی العوجاء: نہیں اگر نہ جانتا ہوں تو نہیں کہہ سکتا کہ نہیں ہیں۔

امام صادقؑ: تو یاد رکھو کہ اس جہان کی وسعت اس تھیلی سے کہیں زیادہ ہے لہٰذا اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ جہان مصنوع ہے؟ کیونکہ تم تو مصنوعی چیزوں کی خصوصیت کو غیر مصنوع چیزوں کے مقابل میں نہیں جانتے ہو جب گفتگو اس حد تک پہنچی اور ابن ابی العوجاء سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ شرمندہ ہو کر خاموش رہا اس کے بعض ہم مسلک مسلمان ہو گئے اور بعض اپنے کفر ہی پر ڈٹے رہے۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۷۶)

(۱۴)

ابن ابی العوجاء پھر تیسرے دن امام صادقؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا آپ سے آج پھر کچھ سوال کرنے آیا ہوں۔

امام صادقؑ: جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھو۔

ابن ابی العوجاء: آپ کے پاس اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ دنیا حادث ہے کہ پہلے نہیں تھی اور اب وجود میں آئی ہے؟

امام صادقؑ: ہر چھوٹی بڑی چیزوں کو تصور کرو اگر کوئی اضافی چیز ہو تو اس کو اس کے ساتھ ضم کرو تو وہ چیز بڑی ہو جائے گی یہی حال انتقال کا ہے کہ حالت اول میں چیز چھوٹی ہوتی ہے دوسری حالت میں بڑی ہو جاتی ہے۔ حادث کے معنی بھی یہی ہیں اگر وہ چیز قدیم ہوتی تو دوسری صورت میں تبدیل نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہر وہ چیز جو نابود یا متغیر ہو، دوبارہ پیدا ہونے اور نابود ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لہذا یہ موجود عدم سے حاصل ہوتا ہے اگر فرضاً وہ چیز قدیم تھی اور بڑی ہو جانے کی وجہ سے متغیر ہوئی اور حادث ہوگئی ہے تو بھی اسے قدیم ہی مانا جاسکتا کیونکہ ایک ہی چیز قدیم و حادث نہیں ہو سکتی۔

ابن ابی العوجاء: چلیں فرض کریں کہ چھوٹے یا بڑے ہونے کی وہی حالت ہے جو آپؑ نے فرمائی جو اس دنیا کے حادث ہونے کی حکایت کرتی ہے لیکن اگر سب چیزیں اپنے چھوٹے سن کی حالت پر باقی رہیں تو آپ کے پاس ان کے حدوث پر کیا دلیل ہے؟

امام صادقؑ: ہماری بحث کا محور یہی موجودہ دنیا ہے جو تغیر کی حالت

میں ہے اور اگر اس جہان کے علاوہ دوسرے کسی جہان کی بحث کریں تو گویا وہ بھی ایک بعد میں آنے والی دنیا ہے یا پہلے والی ہے تو یہ بھی وہی حادث ہونے کے معنی ہیں اور اگر بقول تمہارے چھوٹی چیز اپنی چھوٹی ہی حالت پر باقی رہے تو یہ رہ سکتی ہے مگر جب اسی چھوٹی چیز کے ساتھ کوئی دوسری چھوٹی ہی چیز ضم کی جائے تو وہ بڑی ہو جائے گی لہذا اشیاء کا تغیر و تبدل خود ان کے حادث ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۵)
ابن ابی العوجاء کی ناگہانی موت

ابن ابی العوجاء اور امام صادقؑ کے درمیان مناظرے کے دوسرے سال کنار کعبہ پر پھر امام صادقؑ سے ملاقات ہوئی۔ امامؑ کے کسی چاہنے والے نے امامؑ سے عرض کی کہ مولا! کیا ابن ابی العوجاء اب تک مسلمان نہیں ہوا؟

امامؑ نے جواب میں فرمایا: اس کا قلب اسلام کے مقابل اندھا ہے وہ ہرگز ایمان لانے والا نہیں ہے۔ جیسے ہی امامؑ کی نگاہ ابن ابی العوجاء پر پڑی آپؑ نے کہا: اب یہاں کیوں آئے ہو؟

ابن ابی العوجاء کہنے لگا: اپنے معمول کے مطابق مسلمانوں کی موسم حج میں دیوانگی، پتھر پر سر مارنے اور چومنے و چکر لگانے کو دیکھنے آیا ہوں۔

امامؑ: تو اب تک اپنی سرکشی اور گمراہی پر باقی ہے؟ ابن ابی العوجاء جیسے ہی بات شروع کرنا چاہتا تھا امامؑ نے فرمایا: مراسم حج میں مجادلہ صحیح نہیں ہے۔ پھر آپؑ نے اس کی عبا کو ہلاتے ہوئے کہا کہ اگر حقیقت وہی ہے جس کے ہم معتقد

ہیں، اور بے شک ایسا ہی ہے تو ہم ہی کامیاب ہیں اور اگر حق تمہارے ساتھ ہے، اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو ہم اور تم دونوں کامیاب ہیں۔ چنانچہ ہم دونوں حالتوں میں کامیاب ہیں لیکن تم ان دونوں صورتوں میں سے ایک میں ہلاک ہو جاؤ گے۔

اسی دوران ابن ابی العوجاء کی حالت بدلنے لگی وہ اپنے اطرافیوں سے کہنے لگا میرے قلب میں درد محسوس ہو رہا ہے مجھے لے چلو جیسے ہی اس کے اطرافی اسے لے چلے وہ راستہ ہی میں مر چکا تھا۔ لہذا وہ اسی طرح کفر کی موت مرا۔

(۱۶)

عبداللہ دیصانی کا ہشام کے سامنے مسلمان ہونا

جیسا کہ پہلے گزرا کہ ہشام بن حکم امام صادقؑ کے ایک لائق شاگرد تھے۔ ایک دن ایک منکر خدا عبداللہ دیصانی نے ہشام سے ملاقات کی اور کچھ سوالات کئے:

عبداللہ: کیا آپ کا کوئی خدا ہے؟

ہشام: ہاں۔

عبداللہ: کیا تمہارا خدا قادر ہے؟

ہشام: ہاں وہ ہر چیز پر قدرت و تسلط رکھتا ہے۔

عبداللہ: کیا تمہارا خدا پوری دنیا کو ایک مرغی کے انڈے کے اندر بند کر سکتا ہے؟ جبکہ دنیا چھوٹی ہو اور نہ مرغی کا انڈا بڑا ہو؟

ہشام: اس سوال کے جواب کے لئے مجھے مہلت دو۔

عبداللہ: ایک سال تمہیں مہلت دیتا ہوں۔

ہشام اپنی سواری پر سوار ہوئے اور امام صادقؑ کی خدمت میں آکر عرض کرنے لگے فرزند رسولؐ! عبداللہ دیصانی میرے پاس آیا اور ایک ایسا سوال مجھ سے کیا جس کا جواب میں نہیں دے سکا۔

امام صادقؑ: اس کا سوال کیا ہے؟

ہشام: وہ کہہ رہا تھا کہ کیا خدا اپنی قدرت کے پیش نظر دنیا کو اپنی وسعت کے ساتھ مرغی کے انڈے میں قرار دے سکتا ہے یا نہیں؟

امام صادقؑ: اے ہشام تمہارے پاس کتنے حواس ہیں؟

ہشام: حواس خمسہ: (۱) قوت باصرہ (۲) قوت سامعہ (۳) قوت لامسہ (۴) قوت ذائقہ (۵) قوت شامہ۔

امام صادقؑ: ان میں سے سب سے چھوٹی قوت کونسی ہے؟

ہشام: قوت باصرہ۔

امام صادقؑ: اس قوت باصرہ کو آنکھ میں قرار دیا گیا ہے، کبھی اس کا اندازہ کیا ہے؟

ہشام: جی ہاں امامؑ! وہ آنکھ ایک دال کے دانے کے برابر ہے یا شاید اس سے بھی چھوٹی ہے۔

امام صادقؑ: اے ہشام! ذرا اپنے سامنے، اوپر اور نیچے نگاہ ڈالو اور بتاؤ کہ تم کیا دیکھتے ہو؟

ہشام: آسمان، زمین، گھر، پہاڑ، بیابان، نہریں، لوگ سب نظر آرہے ہیں۔

امام صادقؑ: وہ خدا جو اس بات پر قادر ہے کہ جو کچھ بھی تم دیکھ رہے ہو اس آنکھ کے اندر ہے جو دال کے برابر ہے تو کیا وہ اس کائنات کو مرغی کے انڈے میں چھوٹا کئے بغیر اور انڈے کو بڑا کئے بغیر قرار نہیں دے سکتا؟

ہشام اسی وقت اٹھے اور امام صادقؑ کے ہاتھ پیروں کو بوسہ دیا اور کہنے لگا: یابن رسولؐ اللہ! میرے سوال کا اتنا ہی جواب کافی ہے۔ ہشام اپنے گھر چلے گئے دوسرے دن جب عبداللہ دیصانی ہشام کے پاس آیا اور کہنے لگا میں صرف ملنے آیا ہوں نہ کہ گزشتہ دن کے سوال کا جواب لینے۔ ہشام کہنے لگے اگر اس سوال کا جواب بھی چاہتے ہو تو لو سنو۔ امام کا جواب من و عن نقل کر دیا۔

عبداللہ دیصانی نے چاہا کہ خود امامؑ کے پاس جائے اور سوالات کرے لہذا وہ امام صادقؑ کے گھر آکر ان کی زیارت سے مشرف ہوا اور کہنے لگا: جعفر ابن محمدؑ مجھے میرے معبود کی طرف رہنمائی کیجئے۔

امام صادقؑ: تمہارا نام کیا ہے؟

عبداللہ باہر چلا گیا اور اپنا نام نہ بتایا اس کے دوستوں نے اس سے پوچھا تم نے اپنا نام کیوں نہیں بتایا اس نے جواب دیا میں اگر اپنا نام عبداللہ یعنی بندۂ خدا بتا دیتا تو وہ یہ ضرور پوچھتے کہ جس کے تم بندے ہو وہ کون ہے؟ عبداللہ کے دوست کہنے لگے جاؤ امامؑ سے کہو آپؑ مجھے معبود کی طرف رہنمائی کریں اور میرا نام نہ پوچھیں۔ عبداللہ نے جا کر ایسا ہی کیا۔

امام صادقؑ: جاؤ فلاں جگہ جا کر بیٹھ جاؤ۔ عبداللہ جا کر بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں امامؑ کے ایک فرزند جن کے ہاتھ میں مرغی کا انڈا تھا اور وہ اس سے کھیل

رہے تھے وہاں پہنچے۔ امامؑ نے اس بچے سے کہا لاؤ مجھے یہ انڈا تو دیدو۔ امامؑ نے انڈے کو ہاتھ میں لیتے ہوئے عبداللہ کو متوجہ کرتے ہوئے کہا: اے عبداللہ دیصانی ذرا اس انڈے کی طرف نگاہ کروگے کہ یہ انڈا کتنی چیزوں پر مشتمل ہے۔ (۱) موٹی کھال (۲) پھر اس کے نیچے باریک اور مضبوط کھال (۳) دو سونے اور چاندی کے رنگ کے دریا ہیں جو کبھی بھی آپس میں نہیں ملتے۔ نہ سونا چاندی سے مل پاتا ہے اور نہ چاندی سونے سے بلکہ اپنی اسی حالت پر باقی رہتے ہیں۔ پھر اگر اسے استعمال نہ کیا جائے اور اسے گرمی دی جائے تو ایک خوبصورت چوزہ اس سے باہر آتا ہے کیا تمہاری نظر میں یہ سب تفصیلات بغیر تدبیر و ارادے کے وجود میں آگئی ہیں؟ عبداللہ دیصانی کافی دیر تک سر جھکائے خاموش رہا پھر جب نور ایمان اس کے قلب پر پڑا تو اس نے سر اٹھایا اور کہا کہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں اور آپ خدا کی طرف سے لوگوں پر حجت ہیں۔ لہذا میں اپنے سابقہ باطل عقیدے سے توبہ کرتا ہوں اور حق کی طرف آتا ہوں۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۷۹ ۔ ۸۰)

(۱۷)

دوئی پرستوں کا امام صادقؑ سے مکالمہ

دوئی پرست امام صادقؑ کی بارگاہ میں آئے اور اپنے عقیدے کا دفاع کرنے لگے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس کائنات کے دو خدا ہیں ایک نیکیوں کا خدا دوسرا بدیوں کا خدا۔ امام صادقؑ نے ان کے اس عقیدے کی رد میں فرمایا کہ یہ جو

تم لوگ کہتے ہو کہ دو خدا ہیں وہ ان تین تصورات سے خالی نہیں ہیں: (۱) یا دونوں طاقت ور اور قدیم ہیں (۲) یا دونوں ناتواں ہیں (۳) یا ایک قوی اور دوسرا ناتواں ہے۔ لہذا پہلی صورت میں کیوں پہلا دوسرے کو میدان سے ہٹا نہیں دیتا تاکہ خود تنہا اس پوری دنیا پر حکومت کرے۔ لہذا اس دنیا کا ایک ہی نظام ہونا اس بات پر دلیل ہے کہ اس کا حاکم بھی ایک ہے۔ لہذا خدا قوی مطلق ہے۔ تیسری صورت بھی خدائے یکتا و واحد کو بیان کرتی ہے اور ہماری بات کو ثابت کرتی ہے کیونکہ وہی خدا قوی ہے لیکن دوسری صورت میں وہ دونوں ایک جہت سے متفق ہیں اور ایک اعتبار سے آپس میں اختلاف ہے ایسی صورت میں ضروری ہے کہ ان میں ایک "مابہ الامتیاز" ہو تاکہ ایک کا دوسرے سے امتیاز ہو سکے یعنی ایسی چیز جو ایک خدا میں ہو دوسرے میں نہ ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ "مابہ الامتیاز" قدیم ہو یعنی لہذا اسے ان دونوں خداؤں کے ساتھ ہو، تاکہ اگر اسی ترتیب سے فرض کرتے جائیں تو کئی خداؤں کا ہونا لازم آئے گا۔ لہذا ضروری ہے کہ کسی آخری خدا کے قائل ہوں۔

دوئی پرست: وجود خدا پر آپ کی کیا دلیل ہے؟

امام صادقؑ: یہ پوری دنیا یہ تمام مخلوق اپنے بنانے والے کی نشان دہی کرتی ہے جیسا کہ تم ایک اچھی بنی ہوئی تیار بلڈنگ کو دیکھ کر اس کے بنانے والے کی تعریف کرتے ہو اگرچہ اس کے بنانے والے کو تم نے نہ دیکھا ہو۔

دوئی پرست: خدا کیا ہے؟

امام صادقؑ: خدا تمام چیزوں کو درک کرنے میں حواس کا محتاج نہیں اور نہ ہی خیالات اسکو درک کر سکتے ہیں اور زمانے کے ردوبدل اس میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکتی۔

(۱۸)

منصور کے دربار میں ایک مکالمہ

ابن شہر آشوب مسند ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ حسن بن زیاد نے حنفیوں کے امام ابو حنیفہ سے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ فقیہ شخص کون ہے؟ ابو حنیفہ نے اس کے جواب میں کہا لوگوں میں فقیہ ترین شخص جعفر بن محمدؑ یعنی "امام صادق" ہیں کیونکہ جب منصور دوانقی (جو دوسرا عباسی خلیفہ تھا) نے حضرتؑ کو اپنے پاس بلایا اور مجھے اس طرح کا پیغام بھیجا کہ اے ابو حنیفہ لوگ بہت زیادہ جعفر ابن محمدؑ کے فریفتہ ہو گئے ہیں لہذا کچھ سخت قسم کے مسائل تیار کرو تاکہ ان سے ایسا مناظرہ کیا جائے جس کا وہ جواب نہ دے سکیں اور ان کا مقام و مرتبہ لوگوں کی نگاہ سے گر جائے چنانچہ میں نے ۴۰ سوال تیار کئے اور منصور کے پاس کوفہ و بصرہ کے درمیان واقع ایک شہر، جا پہنچا۔ جب میں وہاں دربار میں پہنچا تو دیکھا امام صادقؑ منصور کی سیدھی طرف بیٹھے ہوئے ہیں، جیسے ہی میری نگاہ امام صادقؑ پر پڑی تو ایک عجیب قسم کا رعب و جلال میرے قلب پر اثر انداز ہوا جو منصور کو دیکھنے سے بھی نہ ہوا تھا، میں نے سلام کیا، منصور نے مجھے بیٹھنے کو کہا اور امام صادقؑ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا یہ ہیں ابو حنیفہ۔ امام صادقؑ نے فرمایا ہاں میں اس کو پہچانتا ہوں۔ پھر منصور میری طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا اپنے سوالوں کو شروع کرو۔ میں ایک ایک سوال کر کے پوچھتا رہا، امامؑ مجھے جواب دیتے رہے اور فرماتے رہے اس مسئلے میں تم لوگ یہ کہتے ہو جبکہ والے یہ کہتے ہیں اہل مدینہ یوں کہتے ہیں۔ امام کے جوابات ہمارے نظریہ کے موافق تھے۔ بعض اہل

مدینہ کے بعض دونوں کے مخالف تھے۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے پورے چالیس سوال امامؑ سے کئے اور امامؑ نے جواب دیئے، پھر ابو حنیفہ کہنے لگا: "الیس اعلم الناس اعلمھم باختلاف الناس" یعنی کیا لوگوں میں سے زیادہ اعلم وہ نہیں ہے جو مختلف لوگوں کے نظریات سے آگاہ ہو۔(انوار البہیہ صفحہ ۱۵۲)

(۱۹)

امام صادقؑ کا ایک "خدانما" شخص سے مکالمہ

امام صادقؑ کے زمانے میں ایک شخص جعد بن درہم نامی بدعت گزار اور اسلام کا مخالف تھا اس کے کچھ حمایتی بھی تھے عید قربان کے دن اسے سزائے موت دی گئی۔ اس نے ایک دن ایک شیشے میں کچھ پانی و خاک ڈالی، جب تھوڑے دنوں بعد اس شیشے میں حشرات پیدا ہوئے تو اس نے لوگوں میں آکر صدا دی کہ ان حشرات کا پیدا کرنے والا میں ہوں کیونکہ میں ان کی پیدائش کا سبب بنا ہوں لہذا ان کا خدا میں ہوں کچھ مسلمانوں نے جب یہ خبر امام صادقؑ تک پہنچائی تو آپؑ نے فرمایا ذرا اس سے جاکر پوچھو کہ اس شیشے کے اندر کتنے حشرات ہیں؟ اور ان میں سے کتنے نر اور کتنے مادہ ہیں؟ ان کا وزن کتنا ہے؟ اور اس سے کہو کہ ذرا ان کو دوسری شکل میں تبدیل تو کردے کیونکہ جو کسی چیز کا خالق ہوتا ہے اسے اتنی قدرت ہوتی ہے کہ وہ اس کی شکل و صورت کو تبدیل کرسکے۔ لہذا جب لوگوں نے اس "خدانما" سے جاکر اس قسم کے سوالات کئے تو وہ جواب نہ دے سکا۔ اس طرح اس کی سازش ناکام ہوگئی۔(سفینۃ البحار جلد اول صفحہ ۱۵۷)

(۲۰)

کیا آپ اس جواب کو حجاز سے لائے ہیں

ابوشاکر دیصانی امام صادقؑ کے زمانے کا بڑا مشہور و معروف دانشمند تھا۔ خدائے واحد کا انکار کرتے ہوئے دو خدا مانتا تھا۔ ایک نور کا خدا ایک ظلمت کا خدا اور اپنی کلامی گفتگو سے اس کو ثابت بھی کرتا تھا اسی لئے وہ مذہب دیصانی کا رئیس قرار پایا اس کے کئی شاگرد تھے حتی کہ خود ہشام بن حکم (پہلے کچھ عرصہ اسی کے شاگرد رہے تھے) اب اس کے تراشے ہوئے اشکالات کا ایک نمونہ ملاحظہ کریں:

ابوشاکر کی نظر میں اس نے قرآن پر اشکال کیا تھا لہذا ایک دن وہ ہشام بن حکم (جو کہ امام صادقؑ کے خاص شاگرد تھے) کے پاس آیا اور کہنے لگا: قرآن میں ایک آیت ہے جو ہمارے عقیدے کے مطابق دو خدا ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔ ہشام: وہ کونسی آیت ہے؟ ابوشاکر: سورۃ زخرف کی آیت ۸۴: "وھوالذی فی السماء الہ وفی الارض الہ" یعنی خدا وہ ہے جو زمین کا بھی معبود ہے، آسمان کا بھی معبود ہے۔ لہذا آسمان کا بھی ایک معبود ہے اور زمین کا بھی ایک معبود ہے۔ ہشام کہتے ہیں کہ مجھے سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیسے جواب دوں اسی سال میں خانہ کعبہ کی زیارت سے مشرف ہوا اور امام صادقؑ سے یہ ماجرا بیان کیا۔ امام صادقؑ نے فرمایا: یہ گفتگو اس بے دین خبیث کی ہے جب تم واپس لوٹنا تو اس سے پوچھنا تیرا کوفے میں کیا نام ہے؟ وہ کہے گا فلاں، پھر اس سے پوچھنا تیرا بصرہ میں نام کیا ہے؟ وہ کہے گا فلاں، پھر اس سے کہنا ہمارا پروردگار بھی ایسا ہی ہے۔ اس کا زمین میں بھی نام "الہ" ہے اس کا آسمان میں بھی نام "الہ" ہے۔ اسی طرح دریا صحراؤں

میں ہر مکان میں اس کا نام "اللہ" و معبود ہے۔

ہشام کہتے ہیں کہ جب میں واپس لوٹا اور ابو شاکر کے پاس جا کر اس کے سوال کا یہ جواب دیا تو وہ کہنے لگا یہ تمہارا جواب نہیں ہے کیا اس جواب کو حجاز سے لائے ہو؟ (سفینۃ البحار صفحہ ۱۲۸)

(۲۱)

شاگردان امام صادقؑ کا ایک شامی دانشمند سے مکالمہ

امام صادقؑ کے زمانے میں ایک شام کا دانشمند (جو سنی عالم دین تھا) مکہ آیا اور امام صادقؑ کے سامنے اپنا یوں تعارف کرایا کہ "میں علم کلام و فقہ سے آشنا ہوں، یہاں آپ کے شاگردوں سے مناظرہ کرنے آیا ہوں۔"

امام صادقؑ: تمہاری گفتگو پیغمبرؐ کے اقوال کی روشنی میں ہے یا اپنی طرف سے ہے؟

شامی دانشمند: کچھ پیغمبرؐ سے لی گئی ہے، کچھ اپنی طرف سے ہے۔

امام صادقؑ: پس تم پیغمبرؐ کے شریک ہوئے؟

شامی دانشمند: نہیں میں پیغمبر اکرمؐ کا شریک نہیں ہوں۔

امام صادقؑ: کیا تم پر وحی نازل ہوتی ہے؟

شامی دانشمند: نہیں۔

امام صادقؑ: اگر اطاعت پیغمبرؐ کو واجب جانتے ہو تو کیا اپنی اطاعت کو بھی واجب جانتے ہو؟

شامی دانشمند: نہیں، اپنی اطاعت کو واجب نہیں جانتا۔

امام صادقؑ نے اپنے ایک شاگرد یونس بن یعقوب کی طرف رخ کیا اور فرمایا اے یونس! اس سے پہلے کہ تم اس کے ساتھ بحث و مناظرہ کرو اس نے اپنے آپ کو مغلوب کر لیا ہے کیونکہ بغیر دلیل کے اپنی بات کو حجت جانتا ہے۔ اے یونس! اگر تم علم کلام کو صحیح طریقے سے جانتے ہوتے تو اس مرد شامی کے ساتھ تم مناظرہ کر سکتے تھے۔ (علم کلام اصول و عقائد کا علم ہے جو استدلات عقلی و نقلی سے بحث کرتا ہے)۔

یونس نے کہا: افسوس ہو مجھ پر کہ میں علم کلام کے بارے میں آگاہی نہیں رکھتا، لیکن مولا! میں آپ پر قربان ہو جاؤں آپ ہی نے مجھے حصول علم کلام سے منع فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ وائے ہو ان لوگوں پر جو علم کلام سے سروکار رکھتے ہیں اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور وہ غلط، یہ سمجھ میں آرہا ہے اور وہ نہیں۔

امامؑ نے فرمایا: میں نے جو روکا تھا وہ اس کلام سے روکا تھا جو اپنی طرف سے جعل کیا ہو اور ہم اہلبیت کا کلام نہ ہو۔ اے یونس! تم باہر جاؤ اور جس متکلم یعنی علم کلام کے جاننے والے کو دیکھو یہاں لے کر آؤ۔

یونس کہتے ہیں کہ میں امام کے پاس سے رخصت ہوا اور علم کلام میں عبور رکھنے والے چار افراد حمران بن اعین، مؤمن الطاق احول، ہشام بن سالم اور قیس بن ماصر کو جو میری نظر میں علم کلام میں زیادہ ماہر تھے اور جنہوں نے علم کلام امام سجادؑ سے سیکھا تھا، لے کر امام کی خدمت میں پہنچا۔

جب سب جمع ہو گئے تو امام صادقؑ نے اپنا سر خیمہ سے باہر نکالا وہی خیمہ

جو مکہ میں حرم کے اطراف میں پہاڑ پر امام کے لئے لگایا گیا تھا اور جب امام نے دیکھا تو امام کی نگاہ ایک بھاگتے ہوئے اونٹ پر پڑی آپ نے فرمایا کعبہ کے خدا کی قسم یہ اونٹ سوار ہشام ہے جو یہاں آرہا ہے۔

حاضرین سوچنے لگے کہ شاید ہشام سے امام کی مراد وہ ہوں جو عقیل کے فرزند ہیں کیونکہ انھیں امام زیادہ دوست رکھتے تھے۔ ناگاہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اونٹ نزدیک ہوا اور سوار ہشام بن حکم ہیں جو امام کے خاص بڑے شاگرد تھے، امام کے پاس آئے۔ اس وقت ہشام نوجوان تھے اور ان کی داڑھی کے بال تازے آنا شروع ہوئے تھے دیگر حاضرین ان سے سن و سال میں بڑے تھے۔

جیسے ہی ہشام آئے امام صادقؑ نے ان کا گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا اور ان کو بیٹھنے کے لئے جگہ دی اور ان کے بارے میں فرمایا: "ھذا ناصرنا بقلبه ولسانه ویده" یعنی ہشام اپنے دل وزبان اور عمل سے ہماری مدد کرنے والے ہیں۔ پھر امامؑ ان علم کلام کے ماہر شاگردوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ایک ایک کو اس دانشمند شامی سے مناظرہ کرنے کو کہا۔

پہلے حمران سے کہا تم جاؤ اور اس مرد شامی سے مناظرہ کرو وہ گئے اور اس مرد شامی کے ساتھ مناظرہ کیا اور کچھ دیر نہ گزری تھی کہ وہ مرد شامی حمران کے سامنے بے جواب ہو گیا۔ پھر امام نے مؤمن الطاق سے کہا کہ اب تم اس شامی سے جاکر مناظرہ کرو۔ انھوں نے جاکر اس مرد شامی سے مناظرہ کیا ابھی زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ آپ کو اس مرد شامی پر فتح ہوئی۔ پھر امامؑ نے ہشام بن سالم سے کہا یہ بھی گئے مگر یہ اس مرد شامی کے مقابلے میں برابر رہے۔ اس وقت امام نے قیس

بن ناصر سے کہا وہ بھی گئے اور اس مرد امی سے مناظرہ کیا امام جو ان سب مناظروں کا مشاہدہ فرمارہے تھے مسکرائے کیونکہ اب وہ مرد شامی بالکل مغلوب ہوچکا تھا اور اس کے چہرے سے عاجزی ظاہر ہورہی تھی۔(اصول کافی جلد اول صفحہ ۱۷۱)

(۲۲)

ہشام بن حکم کا مرد شامی سے مکالمہ

جیسا کہ پہلے والے مناظرے میں گزرا کہ ہشام بن حکم امام صادقؑ کے خاص شاگرد تھے اور امامؑ نے اس شامی دانشمند سے کہا: اے شخص! اب ذرا اس جوان سے مناظرہ کرو وہ مرد شامی ہشام بن حکم سے مناظرہ کرنے پر تیار ہوگیا ان دونوں کی گفتگو امامؑ کے سامنے اس طرح سے شروع ہوئی:

مرد شامی: اے جوان! تم اس مرد "یعنی امام صادقؑ" کی امامت کے بارے میں مجھ سے سوال کرو کیونکہ میں اس موضوع پر تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

ہشام نے جب اس مرد شامی کی امامؑ کے بارے میں اس طرح کی بے ادبی و گستاخی دیکھی اور سنی تو غصہ کے مارے ان کا بدن لرزنے لگا اس عالم میں اس مرد شامی سے کہا ذرا یہ بتاؤ کہ خدا تمام بندوں کی زیادہ خیر و سعادت چاہتا ہے یا صرف اپنے خاص بندوں کی خیر و سعادت چاہتا ہے؟

مرد شامی: خدا تمام بندوں کی خیر و سعادت زیادہ چاہتا ہے۔

ہشام: تو پھر خداوند عالم نے بندوں کی خیر و سعادت کیلئے کیا کیا ہے؟

مرد شامی: خدا نے لوگوں پر حجت تمام کردی ہے تاکہ یہ لوگ گمراہ نہ

ہوں اور انسانوں کے درمیان اس نے دوستی والفت پیدا کی تاکہ اس الفت و دوستی کے سبب ایک دوسرے کی مدد کریں اور ایک دوسرے کو قوانین الٰہی سے آگاہ کریں۔

ہشام: وہ خدا کی حجت کیا ہے؟

مرد شامی: وہ حجت خدا، رسول خداؐ ہیں۔

ہشام: رسول خداؐ کے بعد حجت خدا کون ہے؟

مرد شامی: رسول خداؐ کے بعد حجت خدا قرآن و سنت ہے۔

ہشام: کیا قرآن و سنت آج کل کے اختلافات دور کرنے کے لئے فائدہ مند ہیں؟

مرد شامی: ہاں۔

ہشام: پس کیوں میرے اور تیرے درمیان اختلاف ہے جس کی وجہ سے تم شام سے یہاں تک آئے ہو؟ مرد شامی اس سوال کے سامنے خاموش رہا اور امام صادقؑ نے اس سے کہا کیوں جواب نہیں دیتے؟

مرد شامی: میں اگر ہشام کے جواب میں یہ کہوں کہ قرآن و سنت ہمارے درمیان اختلافات کو دور کرتے ہیں تو یہ غلط بات ہوگی کیونکہ قرآن و سنت کی عبارات مختلف ہیں، اگر یوں کہوں کہ ہمارا اختلاف فقط قرآن و سنت کو سمجھنے میں ہے جو ہمارے عقیدے کو ضرر نہیں پہنچاتا تو دوسری طرف ہم میں سے ہر ایک ادعاء حق کرتا ہے۔ اس اعتبار سے قرآن و سنت ہمارے رفع اختلاف کے لئے تو سود مند نہیں ہیں۔

امام صادقؑ: اب سوال کا جواب ذرا خود ہشام سے پوچھو، وہ خود تمہیں

اس کا تسلی بخش جواب دیں گے جن کا وجود علم و کمال سے سرشار ہے۔

مرد شامی: کیا خدا نے کسی شخص کو بشر کے پاس ان کے درمیان اتحاد کرانے کے لئے بھیجا ہے؟ تاکہ لوگوں کے درمیان حق و باطل میں فرق ہو جائے۔

ہشام: رسول خداؐ کے زمانے میں یا آج کے زمانے میں؟

مرد شامی: رسول خداؐ کے زمانے میں تو خود رسول خداؐ تھے آج کے دور میں وہ کون ہے؟

ہشام: امام صادقؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ ہیں جو حجت خدا ہیں اور ہمارے درمیان کے اختلاف کو دور کرنے والے ہیں، جو علم و نبوت کو میراث میں پانے والے ہیں، جو ان کو ان کے آباء واجداد سے ملے ہیں، جو ہمارے لئے زمین و آسمان کی خبریں دیتے ہیں۔

مرد شامی: میں کس طرح سمجھوں کہ یہ شخص وہی حجت خدا ہیں؟

ہشام: جو کچھ چاہتے ہو ان سے پوچھ لو تاکہ ان کے حق ہونے کے بارے میں تمہیں یقین حاصل ہو جائے۔

مرد شامی: اے ہشام! تم نے تو اس گفتگو سے میرے لئے اس کے سوا کوئی عذر نہیں چھوڑا کہ میں ان سے سوال کروں اور حقیقت کو پہنچوں۔

امام صادقؑ: کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارے سفر کے حالات بتاؤں کہ کس طرح سے تم شام سے یہاں آئے ہو؟ پھر امامؑ نے کچھ مقدار میں اس کے سفر کے حالات بیان کئے۔

مرد شامی امامؑ کے ان بیانات سے حیران رہ گیا، وہ حقیقت جان چکا تھا،

نور ایمان اس کے قلب میں اثر کر چکا تھا، خوشی سے کہنے لگا کہ آپ نے سچ کہا، اب میں خدائے وحدہٗ لاشریک پر ایمان لاتا ہوں۔

امام صادقؑ: اب جبکہ ایمان لائے ہو تو اسلام کا درجہ ایمان سے پہلے ہے کیونکہ اسلام ہی کے ذریعے لوگ ایک دوسرے کا ارث لے سکتے ہیں، آپس میں ازدواج کر سکتے ہیں، لیکن ثواب کا حاصل کرنا ایمان پر موقوف ہے تم پہلے مسلمان تھے مگر میری امامت کو قبول نہیں کرتے تھے، اب میری امامت قبول کرنے کے بعد تم نے اپنے اعمال کے ثواب کو بھی حاصل کر لیا۔

مرد شامی: آپ نے بالکل صحیح فرمایا اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا وحدہ لاشریک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں اور آپ رسول خداؐ کے جانشین ہیں۔

اب امام صادقؑ نے اپنے شاگردوں کے مناظرات کے سلسلے میں اپنے نظریات دینا شروع کیے "حمران" سے کہا: تم کیونکہ اپنی گفتگو کو احادیث سے ہم آہنگ کرتے ہو اس لئے آگے بڑھ جاتے ہو اور صحیح مطلب تک پہنچ جاتے ہو۔

ہشام بن سالم سے کہا: تم اگرچہ اپنی گفتگو میں احادیث کو لاتے ہو مگر ان کو صحیح طریقے سے جاری نہیں کر پاتے۔

مؤمن الطاق سے کہا: تم بہت زیادہ قیاس و تشبیہ کے ذریعے بحث کرتے ہو اور اصل موضوع بحث سے خارج ہو جاتے ہو اور باطل کے ذریعے باطل کو رد کرتے ہو تمہارا باطل زیادہ روشن ہے۔

قیس بن ماصر سے کہا: تم اس طرح سے گفتگو کرتے ہو کہ گویا حدیث

پیغمبر اکرمؐ سے نزدیک ہو مگر پھر دور ہو جاتے ہو اور حق کو باطل سے مخلوط کردیتے ہو جبکہ حق اگرچہ چھوٹا ہو انسان کو بہت سے باطل سے بے نیاز کردیتا ہے۔ تم اور مؤمن الطاق دونوں بحث کو کھینچ کرلے جاتے ہو اس جہت سے تم دونوں میں کافی مہارت ہے۔

یونس کہتے ہیں: "خدا کی قسم میں سمجھا کہ امام ہشام کے بارے میں بھی فرمائیں گے جو قیس کے بارے میں فرمایا تھا" لیکن امامؑ نے ہشام کی اچھے القاب کے ساتھ تعریف کی اور کہا: "یاھشام لاتکاذ تقع تلوبی رجلیك اذا هممت بالارض طوت" یعنی اے ہشام جب بھی تم اپنے آپ میں کامیابی کی نشانی کا احساس کرلیتے ہو تو بہت اچھے طریقے سے اپنے کو نجات دیتے ہو۔ پھر امامؑ نے ہشام سے کہا کہ تم جیسے ماہر خطیبوں کے لئے ضروری ہے کہ مناظرے کیا کرو اور یاد رکھو اپنی بحثوں میں لغزش نہ کھانا بے شک خدا کی مدد کے ساتھ ہماری شفاعت ایسے لوگوں کے لئے ہے جو اس طرح کے بحث و مناظرے کرتے ہیں۔

نتیجہ: امام صادقؑ ہشام بن حکم کے بارے میں اس طرح فرماتے ہیں کہ "ہشام حق کا دفاع کرنے والے، ہمارے اقوال دوسروں تک پہنچانے والے، ہماری حقیقت کو ثابت کرنے والے اور ہمارے دشمنوں کے بے ہودہ مطالب کو باطل کرنے والے ہیں۔ لہذا جو بھی ان کی پیروی کرے گویا اس نے ہماری پیروی کی اور جس نے ان کی مخالفت کی اس نے ہماری مخالفت کی۔" (الشافی صفحہ ۱۲۔ تنقیح المقال جلد ۳ صفحہ ۲۹۵)

(۲۳)

جاثلیق کا امام کاظمؑ کے دست مبارک پر قبول اسلام

شیخ صدوقؒ اور دوسرے علماء ہشام بن حکم سے روایت کرتے ہیں کہ جاثلیق (مسیحیوں کا ایک بڑا عالم دین و دانشمند) جس کا نام "بریہہ" تھا اس نے ستر سال تک مسیحی مذہب کے مطابق زندگی بسر کی لیکن وہ حق کی تلاش میں رہتا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی خدمت کے لئے ایک عورت بھی تھی، بریہہ نے مسیحیت کے ناقص دلائل کو اس عورت سے پوشیدہ رکھا تھا لیکن یہ عورت اس بات سے آگاہ ہوگئی۔ بریہہ جو حق کی تلاش میں لگا رہتا تھا علمائے اسلام سے معلومات حاصل کرتا رہتا تھا لیکن اس نے جس فرقہ کے بارے میں بھی تحقیق کی اسے حق نام کی کوئی بھی چیز دکھائی نہیں دی تو اس نے کہا اگر تمہارے رہبر برحق ہوتے تو یقیناً تمہارے ہاں حق ہوتا، یہاں تک کہ اس نے اوصاف شیعہ اور ہشام بن حکم کا نام سنا۔ یونس بن عبدالرحمٰن (جو امام صادقؑ کے شاگرد تھے) کہتے ہیں کہ مجھ سے ہشام نے نقل کیا کہ وہ باب الکرخ میں اپنی دکان میں بیٹھا ہوا تھا، کچھ لوگ اس سے قرآن سیکھ رہے تھے کہ اس دوران تقریباً سو افراد پر مشتمل مسیحیوں کا ایک گروہ جس میں بریہہ بھی شامل تھا چلا آرہا ہے۔ سب کے سب کالے لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، لمبی لمبی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے، بریہہ دوسرے لوگوں کے ساتھ میری دکان پر جمع ہوگئے۔ میں نے بریہہ کو ایک کرسی دی۔ وہ اس پر بیٹھ گیا اور اپنے عصاء کا سہارا لیتے ہوئے بولا: میں نے مسلمانوں میں کوئی ایسا فرد نہیں دیکھا جو علم کلام (عقائد) میں دسترس رکھتا ہو اور میں نے اس سے مسیحیت

کی حقانیت کے سلسلے میں مناظرہ کیا ہو اور وہ مجھے مطمئن کر سکا ہو۔ اب میں تمہارے پاس آیا ہوں تاکہ اسلام کی حقانیت کے بارے میں تم سے مناظرہ کروں۔
یونس بن عبدالرحمٰن نے ہشام اور بریہہ کے درمیان ہونے والے مناظرے کو بیان کرتے ہوئے ہشام کی کامیابی کا ذکر کیا ہے۔ کافی لمبی چوڑی تفصیل بیان کرنے کے بعد پھر کہتے ہیں کہ بریہہ کے ساتھی یہ کہتے ہوئے منتشر ہونے لگے کہ کاش ہم ہشام سے مناظرہ نہ کرتے اور خود بریہہ بھی اس مناظرے میں شکست کھانے کے بعد کافی غمگین ہوا۔ جب گھر پہنچا تو اس کی بیوی نے اس سے غمگین ہونے کی وجہ پوچھی تو بریہہ نے ہشام سے اپنے مناظرے اور ناکامی کو بیان کیا۔ بریہہ کی بیوی کہنے لگی وائے ہو تم پر، کیا تم حق پر ہونا چاہتے ہو یا باطل پر؟ بریہہ نے کہا: میں حق کے ساتھ جینا چاہتا ہوں اور حق پر مرنا چاہتا ہوں۔ بریہہ کی بیوی کہنے لگی تو انتظار کس چیز کا ہے جس طرف حق ہے اسی طرف ہو جاؤ اور اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ دو کیونکہ یہ ایک قسم کا شک ہے جو برا ہے اور اہل شک جہنم میں جلائے جائیں گے۔ بریہہ نے اپنی بیوی کی بات مانی اور ارادہ کیا کہ صبح ہشام کے پاس جائے گا۔ صبح جب وہ ہشام کے پاس گیا تو دیکھا کہ ہشام تنہا دکان پر بیٹھے ہیں۔ ہشام کو جا کر سلام کیا اور ان سے دریافت کیا کہ آپ کی نظر میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی بات کو حجت مانتے ہوئے اس کی پیروی کی جائے؟ ہشام نے کہا ہاں ہے۔ بریہہ نے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا۔ ہشام نے امام صادقؑ کے اوصاف بیان کئے۔ بریہہ کو امام صادقؑ سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ لہذا ہشام کے ساتھ بریہہ اور اس کی بیوی نے عراق سے مدینے کا سفر کیا۔ جب مدینے میں امام صادقؑ کے

گھر پہنچے تو دیکھا کہ گھر کے دالان میں امام صادقؑ کے ساتھ امام کاظمؑ بھی تشریف فرما ہیں۔ "مناقب المناقب" کی روایت کے مطابق ہشام نے امام جعفر صادقؑ اور امام کاظمؑ کو سلام کیا۔ بریہہ نے بھی دونوں کو سلام کیا اور اپنے آنے کی وجہ بیان کی۔ اس وقت امام کاظمؑ کمسن تھے اور شیخ صدوقؒ کی روایت کے مطابق ہشام نے خود ہی بریہہ کی داستان امام کاظمؑ سے بیان کی۔ اس طرح امام کاظمؑ اور بریہہ میں گفتگو شروع ہوئی:

امام کاظمؑ : تم کس حد تک اپنی کتاب کے بارے میں جانتے ہو؟

بریہہ : مجھے انجیل کے بارے میں کافی معلومات ہیں۔

امام کاظمؑ : تم کس حد تک اسکے باطنی معنی کی تاویل پر اعتماد رکھتے ہو؟

بریہہ : جس حد تک علم ہے اسی حد تک اعتماد بھی ہے۔

پھر امام کاظمؑ نے انجیل کی چند آیات کی تلاوت کی۔ بریہہ امامؑ کی قرأت سے متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت مسیحؑ بھی اسی طرح انجیل کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی تلاوت صالحین کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ پھر بریہہ امام کاظمؑ سے کہنے لگا: "ایاك کنت اطلب منذ خمسین سنة او مثلك" میں پچاس سال سے آپ یا آپ کے مثل افراد کی تلاش میں تھا۔ یہ کہہ کر بریہہ اسی وقت مسلمان ہو گیا اور اس کی بیوی بھی مسلمان ہو گئی۔ پھر ہشام، بریہہ اور اس کی بیوی کو امام صادقؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور بریہہ کے اسلام لانے کا ذکر کیا۔

امام صادقؑ نے فرمایا: "ذرية بعضها من بعض والله سميع عليم" (سورۃ آل عمران آیت ۳۴) بعض کو بعض کی ذریت سے ان کی پاکیزگی اور کمال کی

ما پر لیا گیا ہے۔ بیشک خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

بریہہ اور امام صادقؑ کے درمیان گفتگو:

بریہہ: میں آپ پر فدا ہوں، یہ توراۃ و انجیل اور آسمانی کتابیں آپ لوگوں تک کس طرح پہنچی ہیں؟

امام صادقؑ: یہ کتابیں ان سے ہمیں ورثے میں ملی ہیں۔ ہم انہیں کی طرح ان کتابوں کی تلاوت کرتے ہیں تاکہ لوگوں پر حجت تمام ہو اور کسی کے پاس کوئی بہانہ نہ رہے۔

اس وقت سے لیکر مرتے دم تک بریہہ امام صادقؑ کے تابعین و ناصرین میں رہے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو خود امام صادقؑ نے اپنے ہاتھوں سے اسے غسل دیا، قبر میں اتارا اور فرمایا: "ھذا من حواری المسیح علیہ السلام یعرف حق اللہ علیہ" یعنی یہ حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں میں سے تھا اور خدا کے حق کو پہچانتا تھا۔

اکثر دوسرے اصحابِ امام صادقؑ بریہہ جیسے مقام معنوی کی آرزو کیا کرتے تھے۔ (انوار البریہہ صفحہ ۱۸۹)

(۲۴)

امام کاظمؑ کے پاس ابو یوسف کا علاج

ایک دن مخالف اہلبیت عالم ابو یوسف اور خلیفہ مہدی عباسی، امام کاظمؑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے مہدی سے کہا کہ اگر اجازت ہو تو میں موسیٰ ابن

جعفرؑ سے کچھ سوالات کروں جس کے یہ جواب نہ دے سکیں۔

مہدی عباسی : ہاں اجازت ہے۔

ابو یوسف امام کاظمؑ سے بولا اگر اجازت ہو تو آپ سے کچھ سوالات کروں؟ امام کاظمؑ نے فرمایا: ہاں سوال کرو۔

ابو یوسف : آیا اس شخص کے لئے جو حالت احرام میں ہو سایہ تلے چلنا جائز ہے؟

امام کاظمؑ : جائز نہیں ہے۔

ابو یوسف : اگر محرم کہیں قیام کرے تو اس صورت میں اس کے لئے وہاں زیرِ سایہ چلنا جائز ہے یا نہیں؟

امام کاظمؑ : اب اس صورت میں اس کیلئے سائے تلے چلنا جائز ہے۔

ابو یوسف : ان دونوں سایہ میں کیا فرق ہے کہ پہلا جائز نہیں اور دوسرا جائز ہے؟

امام کاظمؑ : اس مسئلے کو اس طرح سمجھو کہ کیا عورت عادت ماہانہ میں چھوٹی ہوئی نماز کی قضا کرے گی؟

ابو یوسف : نہیں۔

امام کاظمؑ: اور ان ایام میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا ضروری ہے یا نہیں؟

ابو یوسف : ضروری ہے۔

امام کاظمؑ : اب اس میں ذرا بتاؤ کہ کیا فرق ہے کہ نماز کی قضا نہیں ہے لیکن روزہ کی قضا ہے۔

ابو یوسف : خدا کی طرف سے اسی طرح حکم آیا ہے۔

امام کاظمؑ : پس جو شخص حالت احرام میں ہے اس کے لئے بھی اسی طرح کا حکم آیا ہے مسائل شرعی کو قیاس نہیں کرنا چاہئے۔

ابو یوسف اس جواب کو سن کر ہی خاموش ہو گیا۔ مہدی عباسی اس سے کہنے لگا تم امامؑ کو شکست دینا چاہ رہے تھے مگر ایسا نہ ہو سکا۔

ابو یوسف کہنے لگا: "رمانی بحجر دامغ" یعنی امام موسیٰ ابن جعفرؑ نے تو مجھے سخت شکنجے دار پتھر کے ذریعے ہلاک کر ڈالا۔ (عیون اخبار الرضاؑ جلد اول صفحہ ۷۸)

(۲۵)

امام کاظمؑ کا ہارون سے مکالمہ

ہارون رشید — پانچویں عباسی خلیفہ نے ایک روز امامؑ سے اس طرح گفتگو شروع کی کہ آپ عام و خاصؒ کے درمیان نسبت کے قائل ہیں اور خود کو رسول خداؐ سے نسبت دیتے ہیں کہ آپؑ اولاد پیغمبر اکرمؐ ہیں جبکہ پیغمبرؐ کا کوئی بیٹا نہیں تھا تاکہ ان کی نسل چل سکتی اور آپ جانتے ہی ہیں کہ نسل بیٹے کے ذریعے چلتی ہے نہ کہ بیٹی کے ذریعے جب کہ آپ لوگ ان کی بیٹی کی اولاد ہیں۔ لہذا پیغمبرؐ کی اولاد نہیں ہیں۔

امام کاظمؑ : اگر پیغمبر اکرمؐ اس وقت ہوتے اور تجھ سے تیری بیٹی کا رشتہ مانگتے تو کیا تم ان کو مثبت جواب دیتے؟

ہارون : عجیب ہے میں ان کو مثبت جواب کیونکر نہ دیتا بلکہ اس خواستگاری کے ذریعے تو میں عرب و عجم میں افتخار محسوس کرتا۔

امام کاظمؑ : لیکن پیغمبر اکرمؐ نہ مجھ سے میری لڑکی مانگیں گے اور نہ میرے لئے جائز ہوگا کہ میں اپنی لڑکی ان کو دوں۔

ہارون : کیوں؟

امام کاظمؑ : اس لئے کہ میں ان کا نواسہ ہوں جب کہ تو ان کا نواسہ نہیں ہے۔

ہارون : احسن اے موسیٰ! یہی تو میرا سوال ہے کہ آپ کیوں خود کو ذریت پیغمبر اکرمؐ سے کہتے ہیں کیونکہ نسل بیٹے سے چلتی ہے نہ کہ بیٹی سے۔

امام کاظمؑ : ذرا مجھے اجازت دو گے کہ میں جواب دوں۔

ہارون : ہاں ہاں! آپ ضرور جواب دیں۔

امام کاظمؑ : خداوند عالم قرآن میں سورۃ انعام کی آیات ۸۴۔۸۵ میں ارشاد فرماتا ہے:

ومن ذریته داؤدؑ و سلیمانؑ وایوبؑ و یوسفؑ و موسٰیؑ و هارونؑ و كذالك نجزی المحسنین و زکریاؑ و یحیٰیؑ و عیسٰیؑ و الیاسؑ كل من الصالحین.

یعنی "داؤدؑ و سلیمانؑ و ایوبؑ و یوسفؑ و موسیٰؑ و ہارونؑ سب کے سب حضرت ابراہیمؑ کی ذریت سے ہیں اور ہم اپنے نیک بندوں کو جزا دیتے ہیں اسی طرح زکریاؑ و یحیٰؑ و عیسیٰؑ والیاسؑ سب کے سب صالحین میں سے تھے۔"

اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ حضرت عیسیٰؑ کا باپ کون تھا؟

ہارون : عیسیٰؑ کا تو کوئی باپ ہی نہیں تھا۔

امام کاظمؑ : لیکن اس کے باوجود خدا نے عیسیٰؑ کو ان کی ماں یعنی (مریمؑ) کی جانب سے ذریت پیغمبر ابراہیمؑ میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح ہماری ماں فاطمہ زہراؑ کی جانب سے ہمیں ذریت پیغمبر اکرمؐ میں شمار کیا ہے۔

امام کاظمؑ : کیا مزید دلیل دوں؟

ہارون : ہاں ضرور دیں۔

امام کاظمؑ : خداوند عالم سورۃ آل عمران آیت ۶۱ میں مباہلہ کے قصہ کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

فمن حاجك فيه من بعد ماجائك من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنائكم ونسائنا ونسائكم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل لعنة الله على الكاذبين.

یعنی "جب آپ پر علم (یعنی قرآن) آچکا اس کے بعد بھی اگر کوئی نصرانی عیسیٰؑ کے بارے میں حجت کریں تو ان سے کہو کہ اچھا اب ذرا میدان میں آجاؤ، ہم اپنے بیٹوں کو لاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو لاؤ، ہم اپنی عورتوں کو لائیں تم اپنی عورتوں کو لاؤ، ہم اپنی جانوں کو لائیں تم اپنی جانوں کو لاؤ، اس کے بعد سب مل کر خدا کی بارگاہ میں گڑگڑا کر جھوٹوں پر خدا کی لعنت کرتے ہیں۔"

پھر حضرتؑ نے فرمایا کسی نے بھی دعویٰ نہیں کیا کہ پیغمبر اکرمؐ نصاریٰ سے مباہلہ کے وقت سوائے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے کسی اور کو لے گئے ہوں۔ لہذا اس وقت اپنے نفوس کی جگہ علیؑ کو لے جانا اور "ابنائنا" کی جگہ حسنؑ و حسینؑ کو لے جانا بتاتا ہے کہ علیؑ نفس رسولؐ ہیں اور حسنؑ و حسینؑ کو خدا نے ان

کا فرزند قرار دیا ہے۔

ہارون امامؑ کی یہ محکم دلیل سن کر خاموش ہو گیا اور کہنے لگا: اے موسیٰؑ! آپ پر سلام ہو۔

(۲۶)
امام رضاؑ کا ابو قرہ سے مکالمہ

رضوان بن یحییٰ جو امام رضاؑ کے شاگرد تھے کہتے ہیں کہ ابو قرہ (جو مسیحی مذہب کا تھا) اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے امام رضاؑ کی خدمت میں لے جاؤں، میں نے امام رضاؑ سے اجازت لی اور آنحضرتؑ کی خدمت میں ابو قرہ کو لے کر آیا جب امام رضاؑ کی خدمت میں پہنچا تو آپؑ سے اس نے احکام دین حرام و حلال کے مسائل پوچھے۔ یہاں تک کہ جب سوالوں کا سلسلہ توحید تک پہنچا تو اس طرح گفتگو شروع ہوئی:

ابو قرہ: ہمارے لئے روایت نقل کی گئی ہے کہ خداوند عالم نے اپنے دیدار اور اپنے سخن کو پیغمبروں میں سے دو پیغمبروں کے درمیان تقسیم کر دیا ہے تاکہ ایک سے کلام کرے اور ایک کو دیدار کرائے۔ حضرت موسیٰؑ سے گفتگو کی اور حضرت محمدؐ کو اپنا دیدار کرایا۔ لہٰذا اس بنا پر خدا کا وجود دیکھنے کے قابل ہے۔

امام رضاؑ: اگر ایسا ہی تھا تو کیا انہی پیغمبر اسلامؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ تمام جن و انس کی آنکھیں خدا کو نہیں دیکھ سکتیں کیونکہ مخلوقات کی یہ وسیع آگاہیاں اس کے سمجھنے کا احاطہ ہرگز نہیں کر سکتیں کیونکہ خدا نہ کسی کی شبیہ ہے نہ ہمسر۔

ابو قرہ: یقیناً انہوں نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

امام رضاؑ: لہٰذا اس بنا پر یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک طرف پیغمبر اکرمؐ خدا کی طرف سے لوگوں کو خبر دیں اور ان سے کہیں کہ یہ آنکھیں خدا کو دیکھنے پر قادر نہیں ہیں اور مخلوقات کی وسعت آگاہی بھی اس کی ذات کو سمجھنے میں مدد نہیں دیتی، کیونکہ وہ کسی کا ہم شکل یا شبیہ نہیں ہے اور دوسری طرف یہی پیغمبر اکرمؐ کہیں کہ میں نے اپنی ان دو آنکھوں سے خدا کو دیکھا ہے یا میں نے اپنے علم سے اس کا احاطہ کر لیا ہے اور وہ انسان کی شکل کی طرح ہے اسے دیکھا جاسکتا ہے کیا تم لوگوں کو پیغمبر اکرمؐ کی طرف ایسی نسبتیں دیتے ہوئے شرم نہیں آتی؟

ابو قرہ: خداوند عالم خود سورۂ نجم کی آیت ۱۳ میں فرماتا ہے: "ولقد رآہ نزلۃ اخریٰ" یعنی پیغمبرؐ نے بار دیگر خدا کو دیکھا۔

امام رضاؑ: اسی مقام پر سورۂ نجم کی آیت ۱۱ بھی ہے کہ پیغمبرؐ نے جو دیکھا اس کو بیان کیا ہے: "ماکذب الفواد ماراٰی" یعنی ان کے قلب نے جو دیکھا وہ ہرگز جھوٹ بولنے والا نہیں ہے یعنی قلب پیغمبرؐ۔ جو کچھ ان کی آنکھوں نے دیکھا قلب پیغمبرؐ اس میں ہرگز جھوٹ بولنے والا نہیں ہے اور پھر اسی سورۂ نجم میں خدا اس چیز کو جس کو پیغمبرؐ نے دیکھا بیان کرتا ہے: "لقد راٰی من آیات ربہ الکبریٰ" (سورۂ نجم آیت ۱۸) یعنی انہوں نے اپنے پروردگار کی بعض بڑی نشانیوں کو دیکھا۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا پیغمبر اکرمؐ نے جو کچھ دیکھا وہ ذات خدا کے علاوہ کچھ اور تھا۔

مزید خداوند عالم سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۱ میں ارشاد فرماتا ہے: "ولا یحیطون بہ علما" یعنی کوئی علم بھی اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ لہٰذا جو خدا کو دیکھ

سکتا ہے وہ خدا کا احاطہ بھی کر سکتا ہے۔ جب کہ آیت مذکور اس کے دیکھنے کو منع کرتی ہے۔

ابو قرہ: تو کیا آپؑ ان روایات کو جو کہتی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے خدا کو دیکھا انکار کرتے ہیں؟

امام رضاؑ: ہاں! اگر روایات خلاف قرآن ہوں تو ان کو میں رد کروں گا کیونکہ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ وجود خدا کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، آنکھیں اس کو دیکھ نہیں سکتیں اور وہ کسی چیز کی شبیہ نہیں ہے۔(اصول کافی باب ابطال الرویہ جلد اول صفحہ ۹۵_۹۶)

صفوان کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابو قرہ نے میرے ذریعے امام رضاؑ سے وقت لیا اور حلال و حرام کے سوالات کے بعد کہنے لگا: کیا آپ اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ خدا محمول ہے؟

امام رضاؑ: ہر محمول یعنی (حمل شدہ) پر کسی دوسرے پر حمل کیا جاتا ہے اور خود محمول کے معنی نقص کے ہیں جو حامل پر تکیہ کئے ہوتا ہے جس طرح (زبر) مدح پر دلالت کرتا ہے اور (زیر) نقص پر دلالت کرتا ہے خدا کی طرف ایسی چیزوں کی نسبت دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ خدا حامل ہے یعنی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے جب کہ کلمہ محمول بغیر کسی پر تکیہ کئے ہوئے کوئی مفہوم نہیں رکھتا اس بنا پر خدا محمول نہیں ہوسکتا اور جو خدا اور اس کی عظمت پر ایمان رکھنے والے کسی سے بھی نہیں سنا گیا ہے کہ اس نے خدا کو لفظ محمول سے تعبیر کیا ہو۔

ابو قرہ: خداوند عالم سورۃ حاقہ کی آیت ۱۷ میں فرماتا ہے: "ویحمل

عرش ربك فوقهم يومئذ ثمانیہ" یعنی خداوند کے عرش کو اس دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے اور سورۃ غافر کی آیت ۷ میں بھی ارشاد ہوتا ہے: "الذین یحملون العرش" یعنی وہ لوگ جو عرش کو اٹھانے والے ہیں۔

امام رضاؑ: عرش خدا کا نام نہیں ہے بلکہ عرش خدا کے علم و قدرت کا نام ہے جس میں تمام چیزیں ہیں، اسی لئے خدا نے اس عرش کے حمل کی نسبت اپنے غیر یعنی فرشتوں کی طرف دی ہے۔

ابو قرہ: روایت میں آیا ہے کہ جب بھی خدا غضبناک ہوتا ہے تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کے غضب کی سنگینی کو محسوس کرتے ہیں اور سجدہ میں چلے جاتے ہیں اور جب خدا کا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور ان کی دشتیں ہلکی ہو جاتی ہیں تو وہ دوبارہ اپنی جگہ پر آجاتے ہیں، کیا آپ اس روایت کا انکار کرتے ہیں۔

امام رضاؑ نے اس روایت کی رد میں فرمایا: اے ابو قرہ مجھے ذرا یہ تو بتاؤ کہ جب خدا نے شیطان پر لعنت کی تھی اور اس پر غضبناک ہوا تھا کیا اس وقت سے اب تک خدا اس سے راضی ہو گیا ہے۔

ابو قرہ: ہرگز وہ اس سے راضی نہیں ہوا بلکہ شیطان اور اس کے دوستوں اور پیروکاروں پر غضبناک ہے۔

امام رضاؑ: تو خود تمہارے بقول عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کو ہمیشہ سجدہ میں ہونا چاہئے جبکہ اس طرح نہیں ہے لہذا عرش خدا کا نام نہیں ہے اور تم کس طرح جرأت کرتے ہو اور خدا کو مختلف تغیرات سے تعبیر کرتے ہو جبکہ وہ ان چیزوں سے منزہ ہے اور ان نسبتوں سے دور ہے اس کی ذات ثابت اور قابلِ تغیر

نہیں ہے۔ تمام موجودات اس کے قبضہ قدرت و تدبیر میں ہیں اور سب اس کے محتاج ہیں جبکہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۱۳۰)

(۲۷)

امام رضاؑ کا ایک منکر خدا سے مکالمہ

وجود خدا کے منکرین میں سے ایک منکر خدا امام رضاؑ کے پاس آیا اس وقت امام رضاؑ کے پاس لوگوں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی امامؑ اس منکر خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اگر حق تمہارے ساتھ ہوا (جبکہ ایسا نہیں ہے) تو اس صورت میں ہم اور تم برابر ہونگے لہذا ہمارے نماز، روزہ، زکوۃ اور ہمارا دین وغیرہ ہمیں نقصان نہیں پہنچائے گا اور اگر حق ہمارے ساتھ ہوا (یقیناً ایسا ہی ہے) تو اس صورت میں بھی ہم کامیاب ہیں اور تم نقصان اٹھانے اور ہلاک ہونے والے ہو۔

منکر خدا: مجھے بتائیں کہ خدا کس طرح کا ہے اور کہاں ہے؟

امام رضاؑ: وائے ہو تم پر جو خدا کو اس طرح کا توصیف کرتے ہو کیونکہ وہ کس طرح کا ہے کہاں ہے ہرگز درک نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کوئی بھی قوتِ حس اسے درک نہیں کرسکتی اور اس کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

منکر خدا: تو جب خدا کو کسی بھی حس سے درک نہیں کیا جاسکتا تو وہ کچھ بھی نہیں ہے؟

امام رضاؑ: وائے ہو تم پر کہ تمہارے قویٰ حسیہ اس کے درک کرنے سے عاجز ہیں۔ لہذا اس کا انکار کرتے ہو جبکہ ہماری قویٰ حسیہ بھی اس کو درک

کرنے سے عاجز ہیں مگر ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا پروردگار ہے جس کو کسی بھی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔

منکر خدا: اچھا ذرا یہ بتائیں کہ خدا کب سے ہے؟

امام رضاؑ: ذرا تم مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کس زمانے میں نہیں تھا تاکہ میں تمہیں بتاؤں کہ وہ کس زمانے میں تھا۔

منکر خدا: خدا کے وجود پر کیا دلیل ہے؟

امام رضاؑ: جب میں نے اپنے وجود پر نظر دوڑائی تو سوچا کہ یہ اپنے جسم کی طول و عرض اور اس کے فوائد و نقصان کے سلسلے میں مجھے ذرا بھی قدرت حاصل نہیں ہے کہ ان نقصانات کو دور کرسکوں لہذا میں نے یقین کرلیا کہ میرے اس وجود کا کوئی خالق ہے جو ان سب چیزوں پر قدرت رکھتا ہے۔ لہذا وجود صانع کا اعتراف کیا اسی طرح گردش سیارات، بادل اور ہوا کے چلنے اور چاند و سورج کے سیر کرنے اور ستاروں کی گردش سے بھی اندازہ کرلیا کہ کوئی حرکت دینے والا ان کو حرکت دے رہا ہے۔ لہذا یہ موجودات اپنے ایک صانع کی محتاج ہیں جس نے ان کو بنایا ہے۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۷۸)

(۲۸)

مشیت اور ارادہ کے معنی

یونس بن عبدالرحمٰن امام رضاؑ کے ایک شاگرد تھے اس زمانے میں قضا و قدر کی بحث کا بازار گرم تھا۔ یونس چاہتے تھے کہ قضا و قدر کے صحیح معنی کو خود امام

کی زبانی سنا جائے۔ لہذا امامؑ کی خدمت میں آئے اور اس بارے میں گفتگو کرنے کی گزارش کی۔ امام رضاؑ نے ان سے فرمایا: اے یونس "قدریہ" کے عقیدے کو تم ہرگز نہ لینا کیونکہ قدریہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو کہتے ہیں کہ: "خدا نے تمام کام لوگوں کے سپرد کردیے اور خود آزاد ہوگیا ہے۔"

یونس: خدا کی قسم میں "قدریہ" کے اقوال کو ہرگز قبول نہیں کرتا بلکہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی چیز بھی موجود نہیں ہوسکتی جب تک خدا اس کو نہ چاہے یا ارادہ نہ کرے۔

امام رضاؑ: اے یونس! ایسا نہیں ہے بلکہ خدا یہ چاہتا ہے کہ انسان بھی اپنے کاموں میں مختار رہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ مشیت الہی کے کیا معنی ہیں؟

یونس: نہیں۔

امام رضاؑ: مشیت الہی لوح محفوظ ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ اس کے ارادے کے کیا معنی ہیں؟

یونس: نہیں۔

امام رضاؑ: ارادہ کرنا یعنی جس چیز کو کرنا چاہتے ہو۔ کیا تم جانتے ہو کہ قدر کے کیا معنی ہیں؟

یونس: نہیں۔

امام رضاؑ: یعنی وہی اندازہ (حد بندی) کرتا ہے جس طرح مرنے کے وقت اس مرنے والے کی عمر کی مدت کو معین کیا جاتا ہے پھر آپ نے فرمایا قضا کا معنی محکم بنانا و عینیت بخشنا ہے۔

یونس: جواب امامؑ کے اس جواب سے قانع و مطمئن اور عاشق امامؑ ہو گئے تھے امامؑ کے سر کا بوسہ لیا اور کہنے لگے:

فتحت لی شیئا کنت عنه فی غفلة.

یعنی "آپ نے میرے لئے ان مشکل مطالب کی گرہ کھول دی ہے جن سے میں ناآگاہ تھا" (اصول کافی جلد اول صفحہ ۱۵۷)

(۲۹)

مامون کا بنی عباس سے شان امام جوادؑ میں مکالمہ

شیخ مفیدؒ اپنی کتاب الارشاد میں لکھتے ہیں کہ مامون — ساتواں خلیفہ عباسی تھا— عاشق امام جوادؑ تھا اور امامؑ کی عظمت اور علم و دانش کا قائل تھا کیونکہ وہ بچپن سے مشاہدہ کر رہا تھا کہ آپ کی نظر، علم، حکمت، ادب اور کمال اس حد تک پہنچی ہوئی تھی جن کو دوسرے ہم سن بچے درک کرنے سے عاجز تھے۔ اسی لئے اس نے اپنی بیٹی ام الفضل کو آپ کی ہمسری میں دیا۔ اور اس کو آپؑ کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ لہذا وہ امام جوادؑ کے سلسلے میں کافی تجلیل و احترام کا قائل تھا۔

حسن بن محمد بن سلیمان، ریان بن شبیب سے روایت کرتے ہیں کہ جب مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کو امامؑ کے عقد میں دینا چاہا اور اس بات کی اطلاع بنی عباس کو ہوئی تو یہ بات ان پر سخت گراں گزری۔ چنانچہ اس خوف سے کہ امام جوادؑ کو بھی وہ مقام حاصل نہ ہو جائے جو ان کے والد امام رضاؑ کو حاصل تھا۔ سب جمع ہو کر مامون کے پاس گئے اور کہنے لگے: اے مامون تمہیں خدا کی قسم دیتے

ہیں کہ اپنے ارادے سے جو امام جوادؑ کی ازدواج کے سلسلے میں کیا ہے باز رہو کیونکہ ہمیں خوف ہے کہ اس طرح تم وہ منصب جو خدا نے ہمیں دیا ہے خارج نہ کردو اور لباس عزت و شہرت کو ہمارے تن سے اتار دو کیونکہ تم ہمارے کینہ سے بخوبی واقف ہو جو بنی ہاشم سے ہے اور گزشتہ خلفاء کا سلوک جو ان لوگوں کے ساتھ روا رکھا گیا اس کو بھی خوب جانتے ہو۔ انہوں نے جو ان کے ساتھ کیا اس کا بھی تم کو علم ہے اس کے باوجود تم نے ان کے والد امام رضاؑ کے ساتھ جو کیا تھا ہم لوگ اسی پر پریشان تھے یہاں تک کہ خداوند عالم نے ہمارے غم و اندوہ کو ان کی جانب سے برطرف کیا۔

لہٰذا تم کو خدا کی قسم دیتے ہیں کہ ذرا سوچو اور ہمارے کینے کو جو ہمارے سینے میں ہے اور سینوں کے ختم ہونے والے اس غم و اندوہ کو دوبارہ روشن نہ کرو اور اپنی اس رائے کو جو ام الفضل کی شادی فرزند علی ابن موسیٰ رضاؑ کے سلسلے میں ہے تبدیل کردو کیونکہ تمہارے رشتہ دار جو بنی عباس سے ہیں وہ اس کے زیادہ لائق ہیں۔

مامون نے ان کے اس اعتراض کے جواب میں کہا تمہارے اور فرزندان ابوطالبؑ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ خود تمہاری وجہ سے ہے اگر تم لوگ ان کے ساتھ انصاف کرو تو وہ لوگ اس مقام خلافت کے زیادہ حقدار ہیں اور خلفاء گزشتہ کا کردار ان کے ساتھ جو بھی تھا وہ ان کے ساتھ صلہ رحم نہ تھا بلکہ قطع رحم تھا۔ میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں بھی ان لوگوں کی طرح کوئی ویسا ہی کام انجام دوں۔ خدا کی قسم میں نے جو کچھ ولی عہدی حضرت رضاؑ کے سلسلے میں کیا

اس پر ہرگز پشیمان نہیں ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ میں نے چاہا تھا کہ خلافت وہ لے لیں اور میں خلافت سے دور رہوں، مگر خود انہوں نے انکار کیا۔ لہذا تقدیر میں جو تھا وہی ہوا جو تم لوگوں نے بھی دیکھا۔

رہا یہ مسئلہ کہ میں نے حضرت جوادؑ کو اپنی دامادی کے لئے کیوں پسند کیا ہے، اس لئے کہ وہ بچپن ہی سے علم و دانش کی اس بلندی پر فائز ہیں جو بلندی دوسروں کو حاصل نہیں۔ البتہ ان کی یہ دانش حیرت انگیز ہے۔ مجھے خدا سے امید ہے کہ جو کچھ میں ان کے بارے میں جانتا ہوں تم لوگوں کو اس بارے میں آگاہ کرسکوں تاکہ تم لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ میں نے جو ان کے بارے میں رائے قائم کی ہے وہ صحیح ہے۔

وہ لوگ مامون کے جواب میں کہنے لگے: اگرچہ اس نوجوان کی رفتار و گفتار نے تمہیں حیرت میں ڈال دیا ہے اور تمہیں اپنا گرویدہ بنالیا ہے لیکن جو بھی ہو وہ ابھی بچے ہیں ان کے فہم و معرفت کم ہے لہذا انہیں ابھی مہلت دو تاکہ دانشمند بنیں اور علم دین میں فقیہ بنیں پھر جو مرضی میں آئے کرنا۔

مامون کہنے لگا: وائے ہو تمہارے حال پر میں اس جوان کو تم لوگوں سے زیادہ بہتر جانتا ہوں یہ جوان ایسے خاندان سے ہے جس کا علم و دانش خدا کی طرف سے ہے ان کا ظرفیت لامحدود ہے اور علم و الہامات ان کے اجداد سے ان تک منتقل ہوا ہے وہ علم و ادب میں دوسروں کے محتاج نہیں ہیں حتی کہ دوسرے بھی حد کمال تک پہنچنے میں ان کے محتاج ہیں اگر ان کو آزمانا چاہتے ہو تو آزمالو لیکن یاد رکھو کہ میں نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے اور مزید میری سچائی تم لوگوں پر ظاہر ہو جائے گی۔

ان لوگوں نے کہا: یہ تجویز اچھی ہے ہمیں خوشی ہوگی کہ ہم لوگ ان کو آزمائیں لہذا ہمیں اجازت دو کہ ایسے کو لائیں جو مسائل فقہی اور احکام اسلام ان سے پوچھ سکے اگر صحیح جوابات دیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا اور اس بچے کے بارے میں آپ کی دور اندیشی بھی معلوم ہو جائے گی اور اگر وہ جواب دینے سے عاجز و ناتواں رہے تو پھر ہماری ہی گفتگو میں مصلحت اور بھتری ہوگی۔

مامون نے کہا: جہاں چاہو ان کو میرے سامنے بلا کر امتحان لے لو۔

وہ لوگ مامون کے پاس سے چلے گئے اور آپس میں طے کیا کہ اس زمانے کا بڑا قاضی یحییٰ بن اکثم کو راضی کیا جائے کہ وہ امام جوادؑ سے ایسے سوالات کرے جس کے وہ جواب نہ دے سکیں۔ لہذا معترضین یحییٰ بن اکثم کے پاس آئے اور اس کو بہت سارا مال دینے کی خوشخبری دی تاکہ وہ امام جوادؑ سے مناظرے پر راضی ہو جائے۔ دوسری طرف مامون کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ مناظرے کا دن متعین کرو۔ مامون نے دن معین کر دیا۔

چنانچہ اس دن تمام بزرگ علماء اور خود مامون اور یحییٰ بن اکثم حاضر ہوئے، ایک اسٹیج بنایا گیا جس پر دو کشن لگائے گئے۔ امامؑ (جن کی عمر اس وقت ۹ سال سے کچھ ماہ زیادہ تھی) وارد مجلس ہوئے اور ان دو کشنوں کے درمیان بیٹھ گئے۔ یحییٰ بن اکثم بھی ان کے سامنے آکر بیٹھ گئے اور دوسرے افراد اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہے۔ مامون بھی اپنی مخصوص جگہ پر امام جوادؑ کے برابر میں بیٹھا۔

یحییٰ بن اکثم، مامون سے مخاطب ہوا: کیا اجازت ہے کہ حضرت جوادؑ سے کچھ سوال کریں؟ مامون کہنے لگا کہ خود ان سے اجازت لو۔ یحییٰ نے امامؑ کی طرف

رخ کر کے کہا: میں آپ کے قربان جاؤں اگر اجازت ہو تو کچھ سوالات کروں؟

امام جوادؑ: پوچھو۔

یحییٰ: وہ شخص جو حالت احرام میں شکار کرے اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

امام جوادؑ: اس نے یہ شکار حل (حرم سے باہر کی جگہ) میں کیا یا حرم میں؟ مسئلہ جانتا تھا یا نہیں؟ عمداً شکار کیا یا خطاءً؟ آزاد تھا یا غلام؟ شکاری چھوٹا تھا یا بڑا؟ پہلی دفعہ اس نے ایسا کیا یا پہلے بھی ایسا کر چکا تھا؟ وہ شکار پرندہ تھا یا کوئی اور جانور؟ وہ جانور چھوٹا تھا یا بڑا؟ وہ شخص اپنے اس کام پر نادم ہوا یا نہیں؟ دن میں شکار کیا یا رات میں؟ احرام عمرہ کا تھا یا حج کا؟ ان میں سے کونسی صورت تھی؟ کیونکہ ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ حکم ہے۔

یحییٰ: ان سوالات کے سامنے دنگ ہو کر رہ گیا، پشیمانی کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگے، اس کی زبان لڑکھڑانے لگی، اس طرح حاضرین اس کی یہ حالت امام جوادؑ کے سامنے دیکھ کر متحیر تھے۔

مامون نے کہا: میں خدا کا شکرگزار ہوں کہ جو کچھ میں نے سوچا تھا وہی ہوا۔

پھر اپنے خاندان کے افراد کی طرف رخ کر کے کہا: اب مطمئن ہو گئے یا نہیں؟ تم لوگ میری بات نہیں مان رہے تھے اور تم لوگوں کی ساری باتیں بے جا تھیں اور پھر مامون نے اپنی بیٹی کی شادی امام جوادؑ سے طے کر دی۔ (ترجمہ ارشاد مفید جلد ۲ صفحہ ۲۶۹)

(۳۰)

عراق کے فلسفی سے ایک مکالمہ

اسحاق کندی جو عراق کا ایک دانشمند اور فلسفی شمار ہوتا تھا اور کفر کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ جب اس نے قرآن کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ قرآن کی بعض آیات دوسری بعض آیتوں سے ظاہراً سازگار نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں تو اس نے چاہا کہ قرآن میں جو تناقض ہے اس سلسلے میں ایک کتاب لکھے اور اس نے یہ کام شروع بھی کر دیا۔ اس کا ایک شاگرد امام حسن عسکریؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا آپ کے پاس کوئی ایسا شخص ہے جو اپنے استدلال سے میرے استاد کندی کو اس کام سے روک سکے؟

امامؑ نے فرمایا میں تمہیں کچھ باتیں بتاتا ہوں اس کے سامنے جا کر اسی طرح دہرا دینا اس ترتیب سے کہ پہلے اس کے پاس جا کر اس کے اس کام میں اس کی مدد کرو جب اس سے زیادہ نزدیک ہو جاؤ اور وہ تم سے مانوس ہونے لگے تو اس سے کہو کہ میرے ذہن میں ایک سوال ہے جو آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں، وہ کہے گا پوچھو، تم اس سے کہنا کہ اگر قرآن کا نازل کرنے والا تمہارے پاس آئے اور کہے کہ تم قرآن قرآن کے جو معنی سمجھ رہے ہو وہ میری مراد نہیں ہے بلکہ فلاں معانی مراد ہے، تو استاد کندی کہے گا ہاں اس طرح کا امکان تو ہے، پھر اس سے کہنا کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کی ان آیات قرآنی سے مراد وہ معانی نہ ہوں جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ شاگرد اپنے استاد اسحاق کندی کے پاس گیا کچھ مدت اس کے ساتھ اس کتاب کی تالیف میں اس کی مدد کی پھر امام کے حکم کے مطابق اس سے کہا ممکن

ہے خدا کی مراد ان آیات قرآنی سے وہ نہ ہو جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ استاد نے کچھ دیر فکر کی اور کہا ذرا اپنا سوال پھر سے دہرانا شاگرد نے دوبارہ سوال دہرایا، تو استاد کہنے لگا ہاں ممکن ہے کہ خدا نے ان معنی ظاہری کے علاوہ کسی اور کا ارادہ کیا ہو۔ پھر شاگرد سے کہنے لگا یہ بات تمہیں کس نے سکھائی ہے؟ شاگرد کہنے لگا ایسے ہی میرے دل میں بات آئی جو میں نے آپ سے پوچھ لی۔ استاد کہنے لگا اس قسم کا بلند کلام تم سے بعید ہے اور تم ابھی ایسے بلند مقام تک نہیں پہنچے ہو۔ شاگرد کہنے لگا یہ بات امام حسن عسکریؑ سے سنی ہے۔ استاد نے کہا اب تم نے سچ کہا کیونکہ اس قسم کے مسائل سوائے اس خاندان کے کسی اور سے نہیں سنیں گے پھر استاد نے آگ منگوائی اور تمام وہ نسخے جو اس طرح قرآن کے تناقضات میں لکھے تھے جلا ڈالے۔ (انوار النعمانیہ صفحہ ۳۳۹)

علماء اسلام کے مناظرے و مکالمے

(۳۱)

ایک شیعہ خاتون کا سبط بنی جوزی سے مکالمہ

سبط بن جوزی جو اہلسنت کے بڑے عالم دین تھے اور انھوں نے متعدد کتابیں تالیف کیں تھیں مسجد بغداد میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے ایک دن انھوں نے "سلونی قبل من تفقدونی" کا دعویٰ کردیا (جس کا امام علیؑ کے علاوہ کوئی اہل نہیں ہے) اگرچہ اس وقت ان کے منبر کے اطراف میں بہت سے شیعہ و سنی مرد و عورت جمع تھے ناگاہ ایک خاتون جو محبہ علیؑ تھی اٹھی اور سوال کرلیا کہ کیا یہ روایت صحیح ہے جو نقل کی جاتی ہے کہ عثمان کو بعض مسلمانوں نے قتل کیا اور ان کا جنازہ تین دن تک پڑا رہا کوئی بھی نہیں گیا کہ ان کے جنازے کو اٹھا کر دفن کردے۔

سبط: ہاں یہ روایت صحیح ہے۔

خاتون: کیا یہ روایت بھی صحیح ہے کہ جب سلمان کا انتقال مدائین میں ہوا تو حضرت علیؑ مدینے (یا کوفے) سے مدائن گئے اور سلمان کو غسل و کفن دے کر دفن کیا اور پھر لوٹ آئے؟

سبط: ہاں یہ روایت بھی صحیح ہے۔

خاتون: تو حضرت علیؑ جو عثمان کے قتل کے وقت مدینے میں تھے کیوں نہیں گئے تاکہ انہیں غسل و کفن دے کر دفن کرتے تو اس صورت میں یا تو علیؑ خطاکار ہیں کہ وہ عثمان کے جنازے میں نہیں گئے یا عثمان مؤمن نہیں تھے کہ حضرت علیؑ ان کے غسل و کفن دفن سے دور رہے یہاں تک کہ تین دن کے بعد یہودیوں کے قبرستان میں ان کو خفیہ طور پر دفن کیا گیا۔ (طبری جلد ۹ صفحہ ۱۴۳)

سبط بن جوزی سوچنے لگے کہ کیا جواب دیں کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ کسی ایک کو بھی خطاکار قرار دیا تو گویا اپنے عقیدے کے خلاف کہا کیونکہ وہ دونوں کو خلیفہ برحق مانتے تھے لہذا کہنے لگے: اے خاتون اگر اپنے شوہر کی اجازت سے باہر آئی ہو اور نامحرموں کے درمیان مجھ سے گفتگو کر رہی ہو تو خدا کی لعنت ہو تمہارے شوہر پر۔ اگر بغیر اجازت کے آئی ہو تو خدا کی لعنت ہو تم پر۔

وہ خاتون برجستہ بولی: عائشہ جو جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے سامنے آئی تھیں کیا اپنے شوہر رسول خداؐ سے اجازت لے کر آئی تھیں یا بغیر اجازت کے آئی تھیں؟

سبط بن جوزی خاتون کے اس سوال کے سامنے بھی کچھ نہ کہہ سکے کیونکہ اگر کہتے ہیں کہ عائشہ بغیر اجازت سے آئی تھیں تو عائشہ کو خطاکار قرار دیتے ہیں

اور اگر کہتے ہیں کہ اجازت لے کر آئی تھیں تو حضرت علیؑ کو خطاکار قرار دیتے ہیں یہ دونوں باتیں ان کے عقیدے کے مخالف تھیں۔ لہذا شرمندگی کے عالم میں منبر سے نیچے اترے اور سیدھے اپنے گھر کو چلے گئے۔ (بحار جلد ۸ قدیم صفحہ ۱۸۳)

(۳۲)

ایک ڈھیلا تین اشکالوں کا جواب

بہلول بن عمرو کوفی جو انتہائی تیز و ہوشیار قسم کے انسان تھے انہوں نے امام صادقؑ و امام کاظمؑ کا زمانہ دیکھا تھا اور خود امام کے سچے پیروکاروں میں سے تھے انہوں نے صرف اس ارادے سے کہ ہارون رشید ان کو قاضی نہ بنائے اپنے آپ کو دیوانہ بنا لیا تھا وہ اہل مناظرہ تھے اور دقیق و عمیق استدلات کے ذریعے مخالفین کے انحرافی عقائد کو آشکار کیا کرتے تھے ان کا ایک مناظرہ یہ تھا کہ انہوں نے سنا کہ ابو حنیفہ (رئیس مذہب حنفی) نے اپنے درس میں کہا کہ امام صادقؑ نے تین ایسی باتیں کہی ہیں جن میں سے میں ایک کو بھی نہیں مانتا وہ تین باتیں یہ ہیں :

اول : کہ شیطان کو آگ کے ذریعے عذاب دیا جائے گا، یہ بات ان کی صحیح نہیں ہے کیونکہ شیطان جو آگ سے بنا ہے کیونکر آگ اسے اذیت دے گی؟

دوم : خدا کو دیکھا نہیں جاسکتا جبکہ ہر موجود چیز دیکھنے کے قابل ہے؟

سوم : لوگ جو بھی کام کرتے ہیں خود اپنے ارادے سے کرتے ہیں جبکہ آیات و روایات اس کے مخالف ہیں وہ بندوں کے کاموں کو خدا سے نسبت دیتی ہیں لہذا ہم اپنے کاموں میں مجبور ہیں نہ کہ مختار ہیں۔

بہلول نے ایک ڈھیلا اٹھا کر ابو حنیفہ کی پیشانی پر دے مارا۔ ابو حنیفہ نے ہارون کے پاس بہلول کی شکایت کی۔ ہارون نے حکم دیا کہ بہلول کو حاضر کیا جائے، لہذا ان کو حاضر کیا گیا اس مجلس میں بہلول نے ابو حنیفہ سے کہا: (۱) پہلے درد مجھے دکھاؤ اگر نہ دکھا سکے تو اپنے اس عقیدے کے پیش نظر جو کہتے ہو کہ ہر موجود چیز کو دیکھائی دینا چاہئے، یہ نظریہ غلط ہو جائے گا۔ (۲) تم کہتے ہو کہ ایک جنس کی دو چیزیں ایک دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں لہذا تم بھی مٹی سے پیدا کئے گئے ہو تو پھر اس مٹی کے ڈھیلے سے تم کو اذیت نہیں ہونی چاہئے۔ (۳) میں نے کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ خود تمہارے عقیدے کے مطابق بندہ جو کام کرے اس کا فاعل خدا ہے۔ لہذا خدا نے تمہیں مارا ہے میں نے نہیں مارا۔

ابو حنیفہ خاموش رہے اور شرمندہ ہو کر اس مجلس سے اٹھ کر چلے گئے کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ بہلول کی یہ ایک ضرب میرے غلط عقیدوں کا جواب ہے۔ (مجالس المؤمنین جلد صفحہ ۲۱۹ و بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۳۳۶)

(۳۳)

ہارون کے وزیر کو بہلول کا جواب

ایک دن وزیر نے ہارون رشید کے دربار میں بہلول سے کہا: تمہاری قسمت کتنی اچھی ہے کہ خلیفہ نے تمہیں کتوں اور سوروں کا بادشاہ بنایا ہے۔ بہلول نے بے دھڑک کہا: اب تمہیں اس بات کا علم ہو گیا ہے تو اب تم میری اطاعت سے ہرگز منہ نہ موڑنا۔ اس طرح سے بہلول نے وزیر کو کتوں اور سوروں سے

تشبیہ دی۔ حاضرین بہلول کی یہ بات سن کر ہنسنے لگے اور وزیر شرمندہ ہو گیا۔ (بحجہ الآمال جلد ۲ صفحہ ۳۴۷)

(۳۴)

ایک شیعہ کا "جبر کے قائل" کے استاد سے مکالمہ

ایک دن ضرار بن صبی جو اہل تسنن کے بڑے عالم دین اور اہل جبر کے رئیس تھے، یحییٰ بن خالد جو ہارون رشید کا وزیر تھا، کے پاس آئے۔ کچھ گفتگو کرنے کے بعد کہنے لگے: میں بحث و مناظرے کے لئے تیار ہوں جس کو چاہو لے آؤ۔

یحییٰ: کیا تم راضی ہو کہ ایک شیعہ سے مناظرہ کرو؟

ضرار: ہاں ہر شخص سے مناظرہ کرنے پر راضی ہوں۔

یحییٰ نے ہشام بن حکم (جو امام جعفر صادقؑ) کے شاگرد تھے ان کو پیغام بھیج کر بلوایا اور مناظرے کیلئے جگہ بھی تعین ہو گئی اور اس طرح مناظرہ شروع ہوا۔

ہشام: مسئلہ امامت میں کسی شخص کی صلاحیت رہبری کو ظاہر سے سمجھا جاسکتا ہے یا باطن سے؟

ضرار: ہم ظاہر سے سمجھتے ہیں کیونکہ لوگوں کے باطن کا علم حاصل کرنا سوائے عالم الغیب کے کسی کو ممکن نہیں ہے۔

ہشام: تم نے صحیح کہا۔ اب ذرا مجھے بتاؤ کس نے ظاہر میں شمشیر اٹھا کر رسول خداؐ کا دفاع کیا، حضرت علی نے یا ابو بکر نے؟ کون ایثار و فداکاری کرتے ہوئے میدانوں میں جاتے اور رسولؐ سے دشمنی و کینہ رکھنے والے دشمنوں کو تہہ

تیغ کر دیتے تھے اور جنگوں میں مسلمانوں میں سب سے اچھا کردار کس کا رہا؟

ضرار: علیؑ نے کئی جہاد کئے لیکن معنوی (باطنی) لحاظ سے ابوبکر زیادہ منزلت و مقام رکھتے تھے۔

ہشام: تم نے ابھی ابھی خود اپنے عقیدے ظاہری میں ظاہر کا لحاظ رکھتے ہوئے حضرت علیؑ کو منزل جہاد میں رہبری کے لئے لائق ہونے کا اقرار کر چکے ہو اور اب مسئلہ باطنی کو درمیان میں لا رہے ہو۔

ضرار: ظاہری لحاظ سے ہاں۔

ہشام: اگر کسی کا ظاہر و باطن دونوں کا پاک ہونا معلوم ہو جائے تو کیا اپنے صاحب کی برتری پر دلالت نہیں کرے گا؟

ضرار: بیشک اپنے صاحب کی برتری پر دلالت کرے گا۔

ہشام: کیا تمہیں معلوم ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کی یہ حدیث جو حضرت علیؑ کے بارے میں ہے اور تمام اسلامی گروہوں کے نزدیک مسلم و قابل قبول ہے، جو آپؐ نے فرمایا: "انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی نبی." یعنی اے علیؑ! تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

ضرار: ہاں اس حدیث کو مانتا ہوں۔ (اس بات کو ذہن نشین کرتے ہوئے کہ ضرار نے پہلے حقانیت باطن کو جاننے کا ذریعہ وحی الٰہی کو قرار دیا تھا اور پیغمبر اکرمؐ کی باتوں کو وحی کا سرچشمہ مانتے ہیں)۔

ہشام: کیا ممکن ہے کہ پیغمبر اکرمؐ علیؑ کی اس طرح سے تعریف کریں

فقط ظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے جبکہ پیغمبر اکرمؐ کے نزدیک علیؑ کا باطن واضح نہ ہو؟

ضرار: نہیں یہ ہرگز ممکن نہیں کیونکہ علیؑ ظاہر کے ساتھ باطنی لحاظ سے بھی اس تعریف کے حقدار تھے اور پیغمبر اکرمؐ نے بھی اسی چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے تعریف کی۔

ہشام: پس اپنے اس بیان کی بنا پر اعتراف کرتے ہو کہ علیؑ ظاہری و باطنی دونوں لحاظ سے برتری رکھتے تھے اسی وجہ سے وہ مقام امامت و امت کی رہبری کے سلسلے میں دوسروں سے زیادہ حقدار تھے۔(فصول المختار سید مرتضیٰ جلد اول صفحہ ۹ و ساموس الرجال جلد ۹ صفحہ ۳۴۲)

(۳۵)

فضال کا ابو حنیفہ سے مکالمہ

امام جعفر صادقؑ کے زمانے میں مذہب حنفی کے سربراہ ابو حنیفہ مسجد کوفہ میں اپنے شاگردوں کو درس دے رہے تھے کہ امام صادقؑ کے ایک ہوشیار شاگرد اپنے کسی دوست کے ساتھ گھومتے ہوئے وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ ابو حنیفہ کے گرد کچھ لوگ حلقہ کئے بیٹھے ہیں اور وہ ان کو درس دینے میں مصروف ہیں۔ فضال اپنے دوست سے کہنے لگے: "میں اس وقت تک اس جگہ سے نہیں جاؤں گا جب تک ابو حنیفہ کو اس بات پر آمادہ نہ کرلوں کہ وہ مذہب شیعہ اختیار کرلیں۔"

اس ارادے سے وہ ابو حنیفہ کے درس میں جاکر ان کے شاگردوں کے ہمراہ بیٹھ گئے اور اس طرح ابو حنیفہ سے سوالات کا سلسلہ شروع کیا:

فضال: اے سربراہ مذہب میرا ایک چھوٹا بھائی ہے جو لیکن مذہب شیعہ کا پیروکار ہے، میں نے کئی دلیلیں ابوبکرؓ کی علیؑ پر فضیلت رکھنے پر دیں تاکہ اسے اپنے مذہب "تسنن" کی طرف لے آؤں لیکن وہ میرے تمام دلائل کو رد کر دیتا ہے۔ لہذا اب میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ کوئی دلیل محکم ابوبکر و عمر کی علیؑ پر برتری کے بارے میں بتائیں تاکہ اپنے بھائی کو بتا کر قائل کرسکوں۔

ابوحنیفہ: جاؤ اپنے بھائی سے جاکر پوچھو کہ تم کیونکر علیؑ کو ابوبکرؓ و عمرؓ پر مقدم کرتے ہو جبکہ تمہیں معلوم ہے کہ ابوبکر و عمر پیغمبرؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور پیغمبر اکرمؐ، علیؑ کو جنگوں پر روانہ کیا کرتے تھے یہ خود اس بات پر دلیل ہے کہ پیغمبرؐ ان دونوں کو زیادہ چاہتے تھے اس لئے ان کی جان کی حفاظت کے طور پر ان کو اپنے پاس رکھتے تھے۔

فضال: اتفاقاً یہی سوال میں نے اپنے بھائی سے کیا تھا مگر اس نے جواب دیا کہ علیؑ قرآن کے مطابق دشمنوں سے جہاد و جنگ کی خاطر دوسروں پر برتری رکھتے ہیں کیونکہ قرآن کہتا ہے: "وفضل اللّٰہ المجاھدین علی القاعدین اجرا عظیما۔" (سورۂ نساء آیت ۹۷) خداوند عالم مجاہدین کو قاعدین (بیٹھنے والوں) پر فضیلت و برتری عطا کرنے والا ہے۔

ابوحنیفہ: اپنے بھائی سے پوچھنا کہ وہ کیونکر علیؑ کو ابوبکرؓ و عمرؓ پر برتری دیتا ہے جبکہ یہ دونوں قبر پیغمبرؐ کے کنارے دفن ہیں جبکہ علیؑ کی قبر پیغمبرؐ کی قبر سے میلوں دور ہے یہ افتخار ان کی برتری کے لئے کافی ہے۔

فضال: اتفاقاً یہی دلیل میں نے اپنے بھائی کو دی تھی مگر اس نے

جواب میں قرآن کی یہ آیت پڑھی: "لاتدخلو بیوت النبی الا ان یؤذن لکم." (سورۃ احزاب آیت ۵۳) یعنی نبیؐ کی اجازت کے بغیر ان کے گھر میں داخل نہ ہو، اور یہ بات روشن ہے کہ پیغمبرؐ کی قبر ان کے شخصی گھر میں ہے اور قطعاً نبیؐ نے انہیں اجازت نہیں دی تھی اور اسی طرح ان کے وارثین نے بھی اجازت نہیں دی تھی۔

ابو حنیفہ: اپنے بھائی سے کہو کہ عائشہؓ و حفصہؓ نے اپنے مہریہ کے طور پر اپنے شوہر پیغمبر اکرمؐ سے وہ زمین طلب کی تھی اور ان میں سے ہر ایک نے وہ زمین اپنے باپ کو بخش دی تھی۔

فضال: اتفاقاً میں نے بھی یہی جواب اپنے بھائی کو دیا تھا مگر اس نے مجھ سے کہا کہ کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی، جس میں خداوند عالم اپنے پیغمبرؐ سے ارشاد فرماتا ہے: "یا ایها النبی انا احللنا ازواجك التی آتیت اجورھن." (سورۃ احزاب آیت ۴۹) یعنی اے نبی ہم نے تمہاری بیویوں کو تم پر حلال کردیا ہے جن کا تم مہر دے چکے ہو۔ لہذا پیغمبر اکرمؐ اپنے زمانہ حیات ہی میں ان کا مہر ادا کرچکے تھے۔

ابو حنیفہ: تم اپنے بھائی سے کہو کہ عائشہؓ و حفصہؓ جو ابوبکرؓ و عمرؓ کی بیٹیاں اپنے حصے کا ارث اس گھر سے لیا تھا اور اس کو اپنے اپنے والد کو بخشا تھا اس بنا پر ان لوگوں کے جنازے وہاں دفن کیے گئے۔

فضال: اتفاقاً یہ دلیل بھی میں نے اپنے بھائی کو دی تھی مگر وہ جواب میں کہتا ہے کہ تم برادران اہل سنت اس بات کے معتقد ہو کہ پیغمبر اکرمؐ اپنے ورثہ

کے لئے کوئی چیز ارث میں چھوڑ کر نہیں گئے اسی لئے باغ فدک کو حضرت زہراؑ سے لے لیا اور اگر تمہاری بات قبول بھی کرلیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے میراث چھوڑی ہے تو پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کے وقت آپ کی نو زوجہ تھیں سب کا آٹھواں حصہ ہوگا اور اگر اس گھر کی زمین کا آٹھواں حصہ نو افراد میں تقسیم کریں تو ہر ایک کے حصے میں ایک بالش زمین آئے گی نہ کہ ایک انسان کی طول و قامت کے برابر۔

ابو حنیفہ یہ جواب بھی سن کر دنگ ہو کر رہ گئے اور غصہ کے عالم میں اپنے بھائیوں سے کہا: "اخرجوہ فانہ رافضی ولا اخ لہ۔" یعنی "اس کو مسجد سے نکال دو یہ خود رافضی ہے۔" (یعنی شیعہ ہے) اس کا کوئی بھائی وائی نہیں ہے۔(خزائن نراقی صفحہ ۱۰۹)

(۳۶)

ایک دلیر خاتون حجاج کے دربار میں

حجاج بن یوسف ثقفی جو تاریخ انسانیت میں ظالم ترین شخص گزرا ہے۔ جب پانچویں اموی خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا سربراہ منتخب ہوا تو اس نے بہت سے شیعہ بزرگان ــــ کمیل، قنبر اور سعید بن جبیر جیسے افراد ــــ کو قتل کیا ان سب شیعوں سے دشمنی کا نتیجہ اس کا بغض علیؑ تھا۔ ایک دن ایک خاتون جو شجاعت و صلاحیت سے بھرپور تھی حرہ کے نام سے مشہور تھی اور حضرت حلیمہ سعدیہ (جنہوں نے رسول خدا کو دودھ پلایا تھا) کی رشتہ دار تھی اور ان کی بیٹی کے عنوان سے لوگ انہیں پہچانتے تھے، وہ حضرت علیؑ کے طرفداروں میں سے

تھیں اور کافی دلیر خاتون تھی ان کی اچانک حجاج سے ملاقات ہوئی۔

حجاج نے سوال کیا تم حلیمہ سعدیہ کی بیٹی ہو؟

حرہ: "فراسہ من غیر مؤمن" اگرچہ اسکا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ یہ ایک غیر مؤمن کی ہوشیاری ہے (اور اس بات کا کنایہ ہے کہ ہاں میں حرہ ہوں لیکن یہ کہ تم جیسے بے ایمان فرد نے مجھے پہچان لیا یہ تمہاری ہوشیاری کی دلیل ہے)۔

حجاج: خدا تم کو یہاں لایا تاکہ تم میرے دام میں پھنس جاؤ میں نے سنا ہے کہ تم علیؑ کو ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں پر برتری دیتی ہو۔

حرہ: یہ بات جس نے تم سے نقل کی ہے جھوٹ کہا ہے اس لئے کہ میں علیؑ کو ہرگز ان جیسوں سے مقایسہ نہیں کرتی بلکہ میں علیؑ کو پیغمبروں مثلاً آدم، نوح، لوط، ابراہیم، موسیٰ، داؤد، سلیمان، عیسیٰ علیہم السلام سے بھی بالاتر سمجھتی ہوں۔

حجاج: وائے ہو تم پر کہ تم علیؑ کو صحابہ کے علاوہ ان آٹھ پیغبر جن میں اولوالعزم بھی ہیں ان پر بھی برتر جانتی ہو؟ اگر تم اپنے اس دعویٰ پر دلیل نہ لاسکیں تو گردن اڑوادوں گا۔

حرہ: یہ میں نہیں ہوں جو علیؑ کو پیغبرانؑ سے برتر جانتی ہوں بلکہ خداوند عالم نے خود قرآن میں علیؑ کو ان سب پر فوقیت بخشی ہے کیونکہ قرآن حضرت آدمؑ کے بارے میں فرماتا ہے: "وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ." (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۱) یعنی آدمؑ نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کر کے اس کی عطا سے محروم ہوگئے جبکہ قرآن حضرت علیؑ وان کی زوجہ و دو فرزندوں کے بارے میں فرماتا ہے: "سعیکم مشکورا." (سورۃ انسان آیت ۲۲) یعنی آپ لوگوں کی سعی و

کوشش قدردانی کے قابل ہے۔

حجاج: اے حرہ تم کو شاباش ہو اچھا یہ تو بتاؤ کہ حضرت علیؑ کو نوحؑ و لوطؑ پر کیونکر برتری دیتی ہو؟

حرہ: خدا نے علیؑ کو ان دونوں پر برتر جانا ہے کیونکہ خدا ان دونوں کے بارے میں فرماتا ہے: "ضرب اللہ مثلا للذین کفرو امرئة نوح و امرئة لوط کانتا تحت عبدین من عبادنا صالحین فخانتا هما فلم یغنیا من اللہ شیئا وقیل ادخلا النار مع الداخلین." (سورۃ تحریم آیت ۱۰) یعنی خدا نے کافروں کی عبرت کے لئے نوحؑ کی بیوی (واعلہ) اور لوطؑ کی بیوی (والہہ) کی مثال بیان کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے دو صالح بندوں کی بیویاں تھیں ان دونوں نے اپنے شوہروں سے دغا کی (گویا ان کے شوہر) خدا کے مقابلے میں ان کے کچھ کام نہ آئے اور ان دونوں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ تم دونوں جہنم میں جانے والوں کے ساتھ چلی جاؤ، جبکہ حضرت علیؑ کی زوجہ دختر پیغمبرؐ فاطمہؑ تھیں جن کی خوشنودی خدا کی خوشنودی تھی اور جن کی ناراضگی خدا کی ناراضگی تھی۔

حجاج: سبحان اللہ حرہ! اب ذرا یہ بتاؤ کہ حضرت علیؑ کو حضرت ابراہیمؑ پر کیونکر برتری دیتی ہو۔

حرہ: کیونکہ قرآن حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: "رب ارنی کیف تحی الموتی قال اولم تومن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی." (سورۃ بقرہ آیت ۲۶۰) یعنی خدایا ذرا مجھے دکھا کہ مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے، خدا نے کہا کیا تم ایمان نہیں لائے؟ ابراہیمؑ نے کہا کیوں نہیں صرف

قلبی اطمینان کے لئے چاہتا ہوں، لیکن میرا مولا علیؑ یقین کی اس منزل تک پہنچا ہوا تھا آپ کا ارشاد گرامی ہے: "لو کشف الغطاء ما ازددت یقینا." یعنی تمام پردے بھی اٹھا لئے جائیں تو میرے یقین میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اس قسم کی بات کسی نے آج تک نہیں کی اور نہ کہہ سکتا ہے۔

حجاج: اچھا علیؑ کو موسیٰؑ پر کس دلیل کے پیش نظر برتری دیتی ہو؟

حرہ: خداوند عالم حضرت موسیٰؑ کے بارے میں فرماتا ہے: "مخرج منها خائفا یترقب." (سورۂ قصص آیت ۲۱) یعنی موسیٰؑ فرعونیوں کے خوف سے شہر سے باہر چلے گئے، لیکن میرا مولا علیؑ شب ہجرت بستر رسولؐ پر آرام کی نیند سو کر شجاعت و ایثار کے لحاظ سے اس آیت کا مصداق قرار پایا: "ومن یشری نفسه ابتغاء مرضات الله." (سورۂ بقرہ آیت ۲۰۷) یعنی لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو اپنی فداکاری کے سبب اپنی جان کو مرضئ خدا کے سامنے بیچ دیتے ہیں۔

حجاج: حضرت داؤدؑ پر حضرت علیؑ کو کیونکر برتری دیتی ہو؟

حرہ: اس لئے کہ خداوند عالم حضرت داؤدؑ کے لئے ارشاد فرماتا ہے: "یاداؤد انا جعلناك خلیفة فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الهوی فیضلك عن سبیل الله." (سورۂ ص آیت ۲۶) یعنی اے داؤدؑ ہم نے تمہیں زمین میں اپنا نائب بنایا ہے تم لوگوں کے درمیان صحیح فیصلہ دیا کرو اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرنا ورنہ یہ پیروی تمہیں خدا کی راہ سے بہکا دے گی۔

حجاج: حضرت داؤدؑ کی قضاوت کس مسئلے میں تھی۔

حرہ: دو افراد کے مسئلے میں تھی جن میں سے ایک کسان تھا، دوسرا

چرواہا، چرواہے کے بھیڑ کسان کے باغ میں چلے گئے اور وہاں جاکر اس کی زراعت کو تباہ کردیا، یہ دونوں افراد حضرت داؤدؑ کے پاس فیصلے کے لئے آئے، دونوں نے اپنا مسئلہ حضرت داؤدؑ کے سامنے بیان کیا، حضرت داؤدؑ نے فیصلہ دیا کہ چرواہا اپنے بھیڑ بیچ کر کسان کو اس کا خسارا دے۔ کسان اس پیسے کو لے کر باغ کو دوبارہ سے تروتازہ بنائے۔ حضرت سلیمانؑ جو حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے اپنے باپ سے کہنے لگے: "بابا! بلکہ ان جانوروں کا دودھ اور پشم بھی اس کسان کو دیا جائے۔ اس طرح کسان کے خسارے کا جبران کیا جاسکتا ہے۔" خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے: "ففهمنا سليمان." (سورۃ انبیاء آیت ۷۹) یعنی ہم نے حکم واقعی سے سلیمانؑ کو سمجھایا، لیکن میرا مولاؑ فرمایا کرتا تھا: "سلوني قبل ان تفقدوني" یعنی مجھ سے پوچھو قبل اس کے تم مجھے اپنے درمیان نہ پاؤ۔ توریت والوں کو توریت سے انجیل والوں کو انجیل سے زبور والوں کو زبور سے اور قرآن والوں کو قرآن سے جواب دوں گا۔ جیسا کہ حضرت علیؑ جب جنگ خیبر کی فتح کے بعد نبی اکرمؐ کے پاس گئے آپؐ نے حاضرین سے فرمایا: "افضلكم واعلمكم واقضاكم علي" یعنی علیؑ تم سب سے افضل، تم سب سے زیادہ علم کا مالک، تم سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

حجاج: اے حرہ تم پر آفرین ہو! اچھا یہ تو بتاؤ کہ حضرت علیؑ کو حضرت سلیمانؑ پر کیونکر برتری دیتی ہو؟

حرہ: خداوندعالم قرآن مجید میں حضرت سلیمانؑ کی زبانی نقل کرتا ہے: "رب اغفرلي وهب لي ملكا لا ينبغي لاحد من بعدي." (سورۃ صٓ آیت ۳۵) یعنی سلیمانؑ فرماتے ہیں کہ اے میرے پروردگار مجھے بخش دے اور مجھے ایسی

حکومت عطا کر جس کا میرے بعد کوئی سزاوار نہ ہو اور دوسری طرف میرے مولا علیؑ دنیا کے بارے میں فرماتے ہیں: "طلقت یا دنیا ثلاثا لا حاجة لی فیک" یعنی اے دنیا تجھے میں نے تین دفعہ طلاق دی جس کے بعد رجوع کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی وقت خداوند عالم نے یہ آیت نازل کی: "تلك الدار الآخرة نجعلها للذین لایریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقین." (سورۃ قصص آیت ۸۳) یعنی آخرت کا گھر تو ہم انہیں لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو روئے زمین پر نہ سرکشی کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد اور پھر نیک انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

حجاج: اچھا حضرت علیؑ کو حضرت عیسیٰؑ پر کیونکر فضیلت دیتی ہو؟

حرہ: کیونکہ خداوند عالم قرآن میں حضرت عیسیٰؑ سے فرماتا ہے:

"واذ قال اللّٰه یا عیسی بن مریم ءَانت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللّٰه قال سبحانك مایکون لی ان اقول مالیس لی بحق ان کنت قلته فقد علمته تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسك انك انت علام الغیوب ما قلت لھم الاما امرتنی به." (سورۃ مائدہ آیت ۱۱۶ اور ۱۱۷)

"اور وہ وقت بھی یاد کرو جب قیامت کے دن عیسیٰ سے خدا فرمائے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰؑ کیا تم نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھ کو اور میری ماں کو خدا بنالو؟ عیسیٰؑ عرض کریں گے تو بلند و بالا ہے میری کیا مجال جو میں یوں کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں ہے اور اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھ کو تو ضرور معلوم ہوگا کیونکہ تو میرے دل کی سب باتیں جانتا ہے۔ ہاں البتہ میں تیرے

جی کی بات نہیں جانتا کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تو ہی غیب کی باتیں خوب جانتا ہے۔"

لہذا عیسیٰ کی پرستش کرنے والوں کا عذاب اس ترتیب سے قیامت تک موخر ہو گیا جبکہ میرے مولا علیؑ کو جب فرقہ "نصیریہ" غلو کرنے والے گروہ نے خدا جانا تو علیؑ نے ان کو ان کی اس بات پر قتل کر کے ان کے عذاب کو قیامت تک بھی تاخیر نہیں ہونے دیا۔

حجاج: حرہ تجھے صد آفرین ہو کہ جو دعوئی کیا تھا اس پر پوری اتری اور اگر تم یہ جوابات نہ دے پاتیں تو میں تمہاری گردن ضرور اڑا دیتا۔ پھر حجاج نے حرہ کو انعامات دے کر بڑی عزت کے ساتھ رخصت کیا۔ (فضائل ابن شاذان صفحہ ۱۲۲۔ بحار جلد ۴ صفحہ ۱۳۶)

(۳۷)

ابوالہذیل سے مکالمہ

ابوالہذیل عراق کے اہل سنت کا معروف عالم دین (مکالمہ ۳۶ میں اس کی گفتگو مزید آئے گی) ایک سفر کے دوران جب سوریہ کے ایک شہر رقہ میں پہنچا تو اس نے سنا کہ یہاں ایک دیوانہ[1] ہے لیکن ہے بڑا خوش کلام۔ ابوالہذیل اس سے ملنے اس کے گھر گیا، دیکھا ایک بوڑھا شخص ہے مگر بڑے جمال اور خوش قامت اپنی جگہ پر بیٹھا اپنے بالوں کو کنگھا کر رہا ہے۔ ہذیل نے اس کو سلام کیا اس نے

۱۔ اگرچہ یہ ایک صحیح وسالم دانشمند مگر تھا اپنے کو دیوانہ نما بنایا ہوا تھا۔

جواب دیا اور اس ناشناس اور ابوالھذیل کے درمیان اس طرح گفتگو شروع ہوئی:

اجنبی دانشمند: کہاں کے رہنے والے ہو؟

ابوالھذیل: اہل عراق ہوں۔

اجنبی دانشمند: تو اہل تجربہ و اہل ہنر ہو گے۔ ذرا یہ بتاؤ عراق میں کس جگہ رہتے ہو؟

ابوالھذیل: بصرہ میں۔

اجنبی دانشمند: پھر تو اہل علم و اہل تجربہ ہو گے۔ تمہارا کیا نام ہے؟

ابوالھذیل: میں ابوالھذیل علاف ہوں۔

اجنبی دانشمند: اوہ! مشہور متکلم۔

ابوالھذیل: جی ہاں۔

اجنبی دانشمند اپنی جگہ سے اٹھے اور ابوالھذیل کو اپنے برابر میں بٹھایا گفتگو کے بعد اس سے کہا: امامت کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟

ابوالھذیل: آپ کی مراد کونسی امامت ہے؟

اجنبی دانشمند: میرا مقصد یہ ہے کہ رحلت پیغمبرؐ کے بعد بعنوان جانشین پیغمبرؐ تم کس کو مقدم جانتے ہو؟

ابوالھذیل: اسی کو جس کو پیغمبرؐ نے مقدم کیا ہے۔

اجنبی دانشمند: وہ کون ہے؟

ابوالھذیل: وہ ابوبکرؓ ہیں۔

اجنبی دانشمند: ان کو کس بنا پر مقدم جانتے ہو؟

ابوالہذیل: کیونکہ رسول خداؐ کا فرمان ہے کہ تم میں جو سب سے بہترین و برتر فرد ہے اس کو مقدم رکھو اور اپنا رہبر قرار دو۔ لہذا تمام لوگ ابوبکرؓ کے مقدم ہونے پر راضی تھے۔

اجنبی دانشمند: اے ابوالہذیل! یہاں پر تم نے غلطی کی ہے اور یہ جو تم نے رسول خداؐ کا فرمان ابوبکرؓ کی حمایت میں ذکر کیا اس پر میرا اعتراض یہ ہے کہ ابوبکر نے خود منبر پر جاکر کہا تھا کہ: "ولیتکم ولست بخیر کم." یعنی اگرچہ میں نے تم لوگوں کی رہبری لی ہے مگر تم میں بہترین شخص نہیں ہوں۔ (الغدیر جلد ۲ صفحہ ۳۴۷)

لہذ اگر لوگوں نے ابوبکرؓ کے جھوٹ کو بھی برتر جانتے ہوئے اپنا رہبر بنایا ہے تو خود رسول خداؐ کے فرمان کی مخالفت کی ہے اور اگر خود ابوبکرؓ نے جھوٹ بولا ہے یہ کہہ کر کہ "میں تمہارے درمیان کوئی برتری نہیں رکھتا" تو یہ صحیح نہیں ہے کہ ایسے جھوٹ بولنے والے افراد منبر رسولؐ پر جائیں اور یہ جو تم نے کہا کہ تمام لوگ ابوبکر کی رہبری پر راضی تھے یہ تم نے کس طرح کہا جبکہ انصار میں سے اکثر افراد جو مدینہ میں تھے کہتے تھے: "منا امیر و منکم امیر" یعنی ایک سربراہ ہم انصار میں سے ہو اور ایک سربراہ تم مہاجرین میں سے، اور جب مہاجرین میں سے زبیر نے کہا کہ میں علیؑ کے علاوہ کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کروں گا تو اس کی شمشیر کو توڑ دیا گیا۔ ابوسفیان حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا اگر آپ چاہتے ہیں تو ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں اس طرح ابوبکرؓ کی بیعت کے وقت اختلاف کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سب ابوبکرؓ کی رہبری پر بھی راضی نہیں

تھے۔ اے ہذیل اب میں تم سے کچھ سوال پوچھنا چاہتا ہوں لہذا ان سوالوں کے ذرا مجھے جواب دیدو۔

سوال ۱: کیا ایسا نہیں ہے کہ ابوبکر نے منبر پر جا کر یوں کہا ہو: "ان لی شیطانا یعترینی فاذا رایتمونی مغضباً فاحذرونی." یعنی بے شک میرے وجود میں شیطان ہے جو مجھے غافل گیر کئے رہتا ہے لہذا جب بھی مجھے غصے میں پانا مجھ سے دور ہو جانا لہذا اس بنا پر تم لوگ کیوں کر اسے رہبر مانتے ہو؟

سوال ۲: ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ اگر تم خود معتقد ہو کہ پیغمبرؐ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، لیکن ابوبکر نے عمر کو اپنا جانشین بنایا اور عمر نے کسی کو جانشین نہیں بنایا ان لوگوں کے کردار میں کیا تناقض ہے، اس کا جواب کیا ہے؟

سوال ۳: مجھے ذرا یہ بتاؤ کہ عمر نے جب اپنی بعد والی خلافت میں چھ افراد کی شوریٰ بنائی اور کہا یہ سب اہلبیت ہیں تو بعد میں یہ کیوں کہا کہ اگر ان میں سے دو افراد چار افراد کی مخالفت کریں تو ان دو افراد کو قتل کر دینا اور اگر تین افراد دوسرے تین افراد کی مخالفت کریں تو ان تین میں اگر عبدالرحمٰن بن عوف ہے تو ان کو قتل کر دینا، کیا اس قسم کا حکم دینا ان کی دیانت پر دلالت کرتا ہے کہ اہل بہشت کے قتل کا فتویٰ دیں؟

سوال ۴: اے ابو الہذیل! تم ابن عباس و عمر کی ملاقات اور ان کی گفتگو کے بارے میں کیا سمجھتے اور کیا کہتے ہو۔ جب عمر ابن خطاب ٹھوکر کھانے کی وجہ سے شدید بیمار ہو گئے اور عبداللہ ابن عباس ان کے پاس گئے تو دیکھا بڑے بیتاب ہیں، پوچھا کیوں بیتاب ہو؟ کہنے لگے میری یہ بیتابی اپنے لئے نہیں ہے بلکہ اس

لئے ہے کہ میرے بعد کون مقام رہبری کو سنبھالے گا۔ پھر ان کے اور ابن عباس کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:

ابن عباس: طلحہ بن عبداللہ کو رہبر بنادو۔

عمر: وہ بڑا خود غرض انسان ہے پیغمبر اکرمؐ اسے اس حوالے سے پہچانتے تھے، میں ایسے شخص کو ہرگز رہبری نہیں دوں گا۔

ابن عباس: زبیر بن عوام کو لوگوں کا رہبر بنادو۔

عمر: وہ ایک بخیل انسان ہے میں مسلمین کی رہبری ایسے بخیل شخص کو ہرگز نہیں دوں گا۔

ابن عباس: سعد ابن ابی وقاص کو لوگو کا رہبر بنادو۔

عمر: سعد کا شمشیر و گھوڑے سے سروکار ہے۔ یعنی فوجی آدمی ہے۔ ایسا شخص رہبری کے لئے مناسب نہیں ہے۔

ابن عباس: عبدالرحمٰن بن عوف کو رہبر بنادو۔

عمر: وہ تو اپنے گھر کو چلانے سے عاجز ہے۔

ابن عباس: اپنے بیٹے عبداللہ کو رہبر بنادو۔

عمر: نہیں خدا کی قسم ایسا مرد جو اپنی بیوی کو طلاق دینے سے عاجز ہو ہرگز مقام رہبری کے لائق نہیں ہے۔

ابن عباس: تو عثمان کو رہبر بنادو۔

عمر: تین مرتبہ کہا خدا کی قسم اگر عثمان کو رہبر بناؤں تو طائفہ بنی معیط جو بنی امیہ کی نسل سے ہیں مسلمانوں پر مسلط ہو جائیں گے اور عثمان کو قتل

کر ڈالیں گے۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ پھر میں خاموش ہو گیا، اور عمر اور حضرت علیؑ کے درمیان عداوت کی وجہ سے امیر المؤمنینؑ کا نام نہیں لیا۔ لیکن خود عمر نے مجھ سے کہا: اے ابن عباس! اپنے دوست علیؑ کا نام نہیں لیا؟

میں نے کہا: تو علیؑ کو لوگوں کا رہبر بنا دو۔

عمر نے کہا: خدا کی قسم میں پریشان و بیتاب نہیں ہوں مگر صرف اس لئے کہ جس کا حق تھا ہم نے اس سے اس کا حق لے لیا: "واللہ لئن ولیتہ لیحملنہم علی المحجہ العظمی وان یطیعوہ یدخلہم الجنۃ." یعنی خدا کی قسم اگر علیؑ کو لوگوں کا رہبر بنا دوں تو یقیناً وہ لوگوں کو سعادت کے بلند درجہ تک پہنچا دیں گے۔ اگر لوگ ان کی پیروی کریں تو وہ ان لوگوں کو بہشت تک پہنچا دیں گے۔ عمر نے اگرچہ یہ سب باتیں کیں مگر پھر بھی اپنے بعد کے لئے خلافت کو اس چھ نفری شوریٰ کے سپرد کی۔ اس کے پروردگار کی نسبت وائے ہو اس پر۔

ابوالہذیل: کہتے ہیں کہ وہ اجنبی دانشمند جب یہ سب باتیں تمام کر چکا تو پھر سے اس پر دیوانگی طاری ہو گئی (یعنی تقیتاً اپنے کو دیوانہ بنا لیا) جب یہ ماجرا مامون (ساتویں خلیفہ اموی) کو جا کر بتایا تو مامون نے اسے بلوا کر اپنے پاس رکھا، اس کا علاج کرا لیا اور اپنے امور میں اپنا ہمدم قرار دیا۔ حتیٰ کہ خود مامون اس کی منطقی باتوں سے شیعہ ہو گیا۔ (احتجاج طبرسی جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۴)

(۳۸)

مامون کا علماء سے مکالمہ

ایک دفعہ مامون (ساتواں خلیفہ عباسی) کے دربار میں اہلسنت کے بزرگ علماء کی جمعیت بیٹھی ہوئی تھی اس میں کافی طویل مناظرہ شروع ہوگیا۔

ایک سنی عالم دین کہنے لگے: پیغمبر اکرمؐ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ابوبکر و عمر کے شان میں فرمایا: "ابوبکر و عمر سید اکهول اهل الجنه" یعنی ابوبکر و عمر جنت میں بوڑھوں کے سردار ہیں۔

مامون نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ بہشت میں کوئی بوڑھا نہیں جائے گا۔ کیونکہ ایک روایت ہے کہ ایک دن ایک بوڑھی عورت پیغمبر اکرمؐ کے پاس آئی آپؐ نے اس سے کہا کہ "بوڑھے جنت میں نہیں جائیں گے۔" وہ عورت رونے لگی۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ خداوند عالم فرماتا ہے: "انا انشانا هم انشاء فجعلنا هن ابکارا عربا اترابا۔" (سورۃ واقعہ آیت ۳۵ تا ۳۷) یعنی ان کو وہ حوریں ملیں گی جن کو ہم نے نت نیا پیدا کیا ہے تو ہم نے انہیں کنواریاں پیاری پیاری ہمجولیاں بنایا ہے۔

اب اگر تم کہو کہ ابوبکر و عمر جوان ہو کر بہشت میں جائیں گے تو اس روایت رسول خداؐ کو کیا کرو گے جس میں رسول خداؐ نے فرمایا: "ان الحسن والحسین سید اشباب اهل الجنة الاولین و لآخرین و ابوهما خیر منهما۔" یعنی حسنؑ و حسینؑ دونوں اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والد محترم ان سے بہتر ہیں۔ (بحار جلد ۴۹ صفحہ ۱۹۳)

(۳۹)

ابودلف کا اپنے بیٹے کو پیغمبرؐ کے قول پر اشکال کا جواب

قاسم بن عیسیٰ عجلی جو "ابودلف" کے نام سے مشہور تھے، جوان، سخی اور امام علیؑ کے سچے پیروکاروں میں سے تھے۔ وہ اپنے خاندان کے سرپرست اور شاعر بھی تھے ان کا انتقال ۲۲۰ ھ ق میں ہوا۔ (سفینۃ البحار جلد اول صفحہ ۴۶۲)

ان کا ایک بیٹا جس کا نام "دلف" تھا وہ اپنے باپ کے برعکس بدزبان و بدطینت تھا۔ ایک روز اس کے دوستوں کے درمیان پیغمبرؐ کی اس روایت پر بحث ہونے لگی جو علیؑ کی شان میں تھی کہ: "**لا یحبك الا مؤمن تقی ولا یبغضك الا ولد زینة او حیضة.**" یعنی اے علیؑ! تم سے کوئی محبت نہیں کرے گا مگر جو مؤمن و متقی ہو اور تم سے کوئی بغض نہیں رکھے گا مگر وہ جس کی پیدائش زنا سے ہوئی ہو یا اس کا نطفہ حیض کی حالت میں رحم مادر میں قرار پایا ہو۔

دلف جو اس موضوع ہی کا منکر تھا، اپنے دوستوں سے کہنے لگا: تمہارا نظریہ میرے باپ ابودلف کے بارے میں کیا ہے؟ کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سے زنا کیا ہو؟

اس کے دوست کہنے لگے: ہرگز ہم امیر ابودلف کے بارے میں ایسا نہیں سوچ سکتے ہیں۔

دلف کہنے لگا: "خدا کی قسم میں حضرت علیؑ سے شدید ترین دشمنی رکھتا ہوں جب کہ نہ میں زنا زادہ ہوں اور نہ ولد حیض ہوں۔"

اسی ہنگام میں اس کے والد ابودلف گھر سے باہر آئے۔ جب بیٹے کو کچھ

لوگوں کے ساتھ بحث کرتے ہوئے دیکھا تو وجہ پوچھی اور جب وہ موضوع سے باخبر ہوئے تو کہنے لگے: خدا کی قسم یہ دلف زنازادہ بھی ہے اور ولد حیض بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ ایک دفعہ میں بیمار اپنے بھائی کے گھر لیٹا ہوا تھا کہ ایک کنیز اس گھر میں داخل ہوئی میرے نفس امارہ نے مجھے اس سے ہمبستری پر آمادہ کیا۔ اگرچہ وہ کنیز کہتی رہی کہ میں حالت حیض میں ہوں تب بھی میں نے اس سے ہمبستری کرلی جس سے یہ دلف پیدا ہوا ہے۔ لہذا یہ حرام زادہ ہے۔ (کشف الیقین صفحہ ۱۲۶ بحار جلد ۳۹ صفحہ ۲۸۷)

دلف کے دوست و حاضرین سب دلف کی حضرت علیؑ سے دشمنی کی وجہ سمجھ گئے کہ جس کی بنیاد ہی خراب ہو اس کی آخرت بھی خراب ہے۔

(۴۰)

ابوہریرہ کو ایک غیور جوان کا جواب

معاویہ نے کچھ جھوٹے صحابہ و تابعین کو پیسوں سے خریدا ہوا تھا تاکہ ان کے ذریعے امام علیؑ کی مخالفت میں جعلی حدیثیں نقل کروائے۔ ابوہریرہ، عمرو بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ جیسے صحابہ اور عروۃ ابن زبیر جیسے تابعین۔

ابوہریرہ، حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد کوفے آکر معاویہ کی حمایت میں حضرت علیؑ کے خلاف احادیث گھڑتا تھا کہ پیغمبرؐ نے یوں فرمایا، مسجد کوفہ میں بیٹھ کر لوگوں کو گمراہ کیا کرتا تھا۔

ایک رات کوفے کا ایک غیور و آگاہ جوان بھی اس محفل میں بیٹھا تھا۔

ابوہریرہ کی بے بنیاد باتیں سن کر یہ جوان بولا: اے ابوہریرہ تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ذرا یہ بتاؤ تم نے رسول خداؐ سے حضرت علیؑ کے بارے میں یہ دعا سنی ہے: "اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ" یعنی خدایا! جو علیؑ کو دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ، جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ۔

ابوہریرہ نے جب دیکھا کہ اس سچی حدیث سے انکار نہیں کر سکتا تو کہنے لگا: "اللھم نعم" یعنی خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ "ہاں سنی ہے۔"

وہ غیور جوان بولا: لہذا میں بھی خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ تم دشمن علیؑ سے دوستی اور علیؑ کے دوستوں سے دشمنی رکھتے ہو۔ لہذا رسول خداؐ کی تضدین میں تم بھی شامل ہو۔ یہ کہہ کر وہ جوان اس جلسہ سے اٹھ کر چلا گیا۔ (شرح نہج البلاغہ ابن حدید جلد ۴ صفحہ ۶۳)

(۴۱)

نوجوان کا تہمتوں کا جواب

ایک دوست نے کہا کہ میں سعودی عرب کی ایک مسجد میں تھا کہ ایک شخص جو سواریہ کا رہنے والا تھا میرے پاس آیا اور کہنے لگا تم شیعہ لوگ نماز کے بعد یہ تین مرتبہ کیوں کہتے ہو: "خانَ الامین، خانَ الامین، خانَ الامین" یعنی جبرئیل امین نے خیانت کی۔

مجھے یہ سن کر تعجب ہوا اور اس سے کہا میں دو رکعت پڑھتا ہوں ذرا دیکھنا کس طرح پڑھتا ہوں۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ میں نے دو رکعت نماز کامل پڑھی،

اس کے آخر کی تین تکبیر مستحبی بھی پڑھیں، اس کے بعد اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: کہو کیسا دیکھا؟

وہ کہنے لگا: تم تو ایک عجم ہو لیکن ہم عربوں سے بہتر تم نے نماز پڑھی ہے لیکن تم نے "خانَ الامین" کیوں نہیں کہا؟

میں نے کہا: اس طرح کے الزامات وتہمتیں تم سادہ لوح افراد کے اذہان میں استعمار وشیاطین ڈالتے ہیں جو مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کیلئے ایجاد کرتے ہیں۔

مزید وضاحت: یہ کہ ان کا مطلب "خانَ الامین" سے یہ ہے کہ نعوذباللہ شیعہ معتقد ہیں کہ جبرئیل امینؑ جو فرشتہ وحی ہیں، انہیں یہ حکم ملا تھا کہ قرآن کو حضرت علیؑ کے پاس لائیں، مگر انہوں نے خیانت کی اور قرآن پیغمبر اسلامؐ کے پاس لے گئے۔ اس لئے شیعہ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ "خانَ الامین" کہتے ہیں۔ یعنی جبرئیلؑ نے خیانت کی ہے۔ لہذا اس قسم کے الزامات بعض اہلسنت کے معروف افراد نے دیئے ہیں جس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ڈاکٹر سید محمد تیجانی نے وضاحت کے ساتھ اپنی کتاب "پھر میں ہدایت پا گیا" میں صفحہ ۴۵ پر تحریر کیا ہے۔

(۴۲)
ایک شیعہ کے محکم دلائل

ایک عالم دین کا بیان ہے کہ میں مدینہ میں نبیؐ کی قبر کے کنارے کھڑا تھا کہ دیکھا کہ ایک شیعہ ایرانی آیا اور وہ ضریح مقدس رسول خداؐ کو چومنے لگا۔ مسجد کا امام جماعت اسے ڈانٹنے لگا کہ ان بے جان اور بے شعور پتھر، دیوار اور دروازوں

کو کیوں چومتے ہو، یہ تو پتھر اور لوہے کے ہیں۔

اس مسجد کے امام جماعت کے اس چیخنے چلانے سے میرا دل اس ایرانی کے لئے دکھا۔ میں آگے بڑھا اور اس امام جماعت سے کہا: جناب ان درو دیواروں کا چومنا رسول خداؐ سے محبت کی دلیل ہے جس طرح باپ اپنے بچے کو محبت میں چومتا ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شرک نہیں ہے۔

امام جماعت کہنے لگا: نہیں یہ شرک ہے۔

میں نے کہا: کیا تم نے سورۃ یوسف کی آیت ۹۶ نہیں پڑھی جس میں خداوند عالم فرماتا ہے: "فلما ان جاء البشیر القاہ علی وجھہ فارتد بصیرا." یعنی جب خبر دینے والے نے یعقوبؑ کو یوسفؑ کی خبر دی اور یوسفؑ کے لباس کو یعقوبؑ کی آنکھوں پر ملا تو ان کی بصارت لوٹ آئی۔ لہذا میرا آپ سے یہ سوال ہے کہ یہ کیسا لباس تھا جو حضرت یعقوبؑ کی بینائی لوٹ آنے کا سبب بنا؟ کیا اس کے علاوہ اور کوئی بات تھی کہ وہ حضرت یوسفؑ کے جسم سے مس کیا ہوا تھا؟

اس وہابی امام جماعت سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ پھر میں نے کہا: تم نے سورۃ یوسف کی آیت ۹۴ میں پڑھا ہوگا: جب حضرت یعقوبؑ قافلے میں مصر سے ۸۰ کلومیٹر کے فاصلے پر تھے تو کہنے لگے: "انی لاجد ریح یوسف" یعنی میں یوسفؑ کی خوشبو کو محسوس کر رہا ہوں۔ لہذا اولیاء کے یہ آثار معنوی ہیں جو شرک نہیں ہیں بلکہ عین توحید ہیں۔

مزید وضاحت: اولیائے خدا کی قبور کی نزدیک سے زیارت کے وقت؟ ہمارا قلبی و معنوی احساس بڑھ جاتا ہے اور ہم انہیں خدا کی بارگاہ میں واسطہ قرار

دیتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ ہم تو مستقیما خدا کے سامنے جانے کے قابل نہیں ہیں لہذا ان صاحبان کو واسطہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ قرآن میں اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے: "قالوا یاابانا استغفرلنا ذنوبنا انا کنا خاطئین." (سورۃ یوسف آیت ۹۷) یعنی حضرت یعقوبؑ کے بیٹے کہنے لگے: اے بابا! خدا سے ہمارے گناہ کی مغفرت کی دعا مانگیں، بیشک ہم نے خطا کی ہے۔ لہذا اولیائے خدا سے توسل جائز ہے۔ جو لوگ ان توسلات کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں وہ قرآن سے ناآشنا ہیں اور اپنے غلط تعصب کی بنا پر اس قسم کے فتوے دیتے ہیں۔ خداوند عالم سورۃ مائدہ کی آیت ۳۴ میں فرماتا ہے: "یاایھا اللذین آمنوا اتقواللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ." یعنی اے صاحبان ایمان! خدا سے ڈرو اور خدا کے لئے وسیلہ بناؤ۔ یہ آیت فقط ادائے واجبات و ترک محرمات ہی کو وسیلہ قرار نہیں دیتی بلکہ واضح کرتی ہے کہ مستحبات بشمول انبیاء و اولیاء سے توسل بھی وسیلہ ہے۔ روایت ہے کہ منصور دوانیقی (دوسرا خلیفہ عباسی) نے مفتی اعظم (مالک بن انس) جو مذہب مالکی کے سربراہ تھے ان سے پوچھا: حرم پیغمبرؐ میں روبقبلہ ہو کر دعا مانگوں یا پیغمبرؐ کی ضریح کی طرف رخ کر کے دعا مانگوں؟ مالک نے جواب میں کہا: "لم تصرف وجھک عنه وھو وسیلتك ووسیلة ابیك آدمؑ الی اللہ یوم القیامه بل استقبله واستشفع به فیشفعك اللہ قال اللہ تعالی . ولو انھم اذظلمو انفسھم." یعنی کیوں پیغمبرؐ کی طرف سے رخ موڑتے ہو جبکہ وہ تمہارے اور تمہارے باپ آدمؑ کے لئے روز قیامت وسیلہ ہیں، ان کی طرف رخ کرو ان کو اپنا شفیع قرار دو کیونکہ خدا ان کی شفاعت کو قبول کرنے والا ہے اور خود خداوند عالم فرماتا ہے: "ولو انھم اذظلموا

جاؤك . فاستغفرو الله واستغفر لهم الرسول لوجدو الله توابا رحيما." (سورۃ نساء آیت ۶۴) یعنی اے رسولؐ! ان لوگوں نے نافرمانی کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر یہ تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور اے رسولؐ تم بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بیشک یہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ شیعہ سنی دونوں سے نقل ہے کہ حضرت آدمؑ نے توبہ کے وقت خانہ خدا کے سامنے پیغمبر اسلامؐ کو واسطہ قرار دیتے ہوئے یہ دعا کی تھی: "اللھم اسئلك بحق محمد الا غفرت لی." یعنی خدا تجھے محمدؐ کے حق کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے معاف کردے۔ (درمنثور جلد اول صفحہ ۵۹ و مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۶۱۵ و مجمع البیان جلد اول صفحہ ۸۹) اس موضوع پر کہ اولیائے خدا کی قبور کا چومنا یا ان کو وسیلہ قرار دینا شرک نہیں ہے اہلسنت کی کتابوں سے تین روایتیں نقل کی جاتی ہیں:

پہلی روایت: ایک شخص پیغمبر اسلامؐ کے پاس آیا اور سوال کیا: یارسول اللہؐ! میں نے قسم کھائی ہے کہ بہشت کے دروازے اور حورالعین کی پیشانی کو چوموں گا، اب میں کیا کروں؟ پیغمبر اکرمؐ نے جواب دیا: ماں کے قدم اور باپ کی پیشانی کو چوم لو۔ یعنی اگر ایسا کرو گے تو اپنی آرزو کو پہنچ سکتے ہو۔ اس نے کہا: اگر ماں باپ مرچکے ہوں تو؟ پیغمبر اکرمؐ نے کہا: ان کی قبور کو چومو۔ (الاعلام قطب الدین حنفی صفحہ ۲۴)

دوسری روایت: جب حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ سے ملنے شام سے مکہ گئے تو بیٹا گھر پر موجود نہ تھا چنانچہ وہ شام کو واپس آگئے۔ جب حضرت اسماعیلؑ سفر سے لوٹے تو زوجہ اسماعیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کے آنے کی خبر دی تو

وہ دوڑے اور اپنے والد کے پیروں کے نشان ڈھونڈے اور والد کے احترام میں اس جگہ پر بوسہ دینے لگے۔ (الاعلام قطب الدین حنفی صفحہ ۲۴)

تیسری روایت: سفیان ثوری جو (اہلسنت کے صوفی مسلک سے تعلق رکھتا تھا) امام صادقؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا: لوگ کعبے کے پردے کو کیوں چومتے ہیں؟ جبکہ وہ پرانے کپڑے کا پردہ ہے جو لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ امام صادقؑ نے اس کے جواب میں فرمایا: یہ اس شخص کی سی مثال ہے جو دوسرے کا حق ضائع کرتا ہے اور پھر اس کے دامن کو پکڑ کر معافی مانگتا ہے تاکہ وہ اسے بخش دے۔ (انوار البہیہ شرح حال امام صادقؑ)

(۴۳)

ایک مجتہد کا سعودی پولیس سے مباحثہ

حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید عبداللہ شیرازی قدس سرہ اپنی مشہور کتاب "الاحتجاجات العشرة" کے احتجاج ششم میں لکھتے ہیں کہ ایک دن میں روضہ رسولؐ پر حاضری دینے گیا تو دیکھا کہ حوزہ علمیہ قم کا ایک طالب علم ضریح پیغمبرؐ کو بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھا اور وہاں کے سیکورٹی گارڈ (شرطہ) سے چھپتے ہوئے ضریح مقدس کو چومنے لگا۔ جب شرطہ نے دیکھا تو غصہ سے بھرا میرے پاس آیا اور کہنے لگا: جناب عالی! آپ اپنے لوگوں کو ضریح کو چومنے سے منع کیوں نہیں کرتے، یہ پتھر کے دروازے اور اینٹوں کی دیواریں ہیں جن کو چومنا شرک ہے۔ لہٰذا ان کو منع کریں کہ یہ ایسا نہ کیا کریں۔

میں نے کہا: تم خانہ کعبہ کے کونے پر لگے حجراسود کو چومتے ہو؟

شرطہ: ہاں۔

میں نے کہا: جب روضہ رسولؐ کے اس پتھر کو چومنا شرک ہے تو حجراسود کو چومنا بھی شرک ہے۔

شرطہ: اس کو پیغمبر اکرمؐ نے چوما ہے۔

میں نے کہا: جب کسی چیز کو تبرکاً چومنا شرک ہے تو بالکل فرق نہیں ہے چاہے پیغمبر ہو یا کوئی اور۔

شرطہ: پیغمبر اکرمؐ نے حجراسود کو اس لئے چوما کہ وہ جنت سے آیا تھا۔

میں نے کہا: اچھا۔ چونکہ وہ پتھر جنت سے آیا ہے اس لئے آپ اسے چومتے ہیں اور دوسری طرف پیغمبرؐ نے چونکہ اس کو چومنے کا حکم دیا ہے اس لئے چومتے ہیں۔

شرطہ: ہاں! اسی لئے چومتے ہیں۔

میں نے کہا: یعنی جنتی چیزیں بذات خود محترم نہیں ہیں مگر وجود پیغمبرؐ کی وجہ سے قابل احترام ہو گئی ہیں۔

شرطہ: ہاں۔

میں نے کہا: تو جب جنت یا اس کی چیزیں وجود پیغمبرؐ کی وجہ سے قابل احترام ہو سکتی ہیں اور انہیں تبرکاً چوما جا سکتا ہے تو یہ قبر نبیؐ کے اطراف میں لگا ہوا لوہا بھی قبر نبیؐ سے نزدیک ہونے کی وجہ سے احترام کا حامل ہے۔ لہٰذا اسے بھی بعنوان تبرک چومنا جائز ہے۔

مزید وضاحت: یہ کہ قرآن کی جلد جو کسی جانور کے چمڑے سے بنی ہو جو جنگل میں چرتا ہے اس کی اس کھال کی خاص اہمیت نہیں ہوتی مگر جب اسی کھال سے قرآن کی جلد مڑھوی جائے تو اگرچہ اس چمڑے کو جلد بننے سے پہلے نجس کرنا حرام نہیں تھا مگر اب اسے نجس کرنا بھی حرام ہو جائے گا اور اس کی اہمیت بھی پہلے سے بڑھ جائے گی اسی لئے اسے چومنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ کسی نے اسے شرک یا حرام نہیں کہا۔ پیغمبر اکرمؐ، ائمہ اطہارؑ اور دیگر اولیائے خدا کی ضریح کو چومنا بھی اسی طرح ہے۔ اس میں شرک اور بدعت نہیں ہے۔ جیسا کہ تاریخ میں لیلیٰ و مجنوں گزرے ہیں کہ ایک دفعہ لیلیٰ کے محلے سے ایک کتا مجنوں کے محلے میں گیا، مجنوں نے جیسے ہی اس کتے کو دیکھا اس کے پاس گیا اور اسے اٹھا کر پیار کرنے لگا۔ کسی نے آکر اس سے کہا: "لیس علی المجنون حرج" کیونکہ تم دیوانے ہو اس لئے کتے کو پیار کرنے سے دریغ نہیں کر رہے ہو۔ مجنوں نے جواب میں کہا: "لیس علی الاعمی حرج" کیونکہ تم اندھے ہو اس لئے میرے اس پیار کرنے کو سمجھ نہیں سکتے اور پھر مجنوں نے یہ اشعار کہے:

امر علی الدیار دیار لیلی   اقبل والجدار و ذالجدار

وما حب الدیار شغفن قلبی   ولکن حب من سکن الدیار

یعنی جب میں لیلیٰ کے گھر کے پاس سے گزروں گا تو اس کی ایک ایک دیوار کو چوموں گا اور یہ چومنا اس گھر سے محبت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ لیلیٰ اس میں رہتی ہے۔ (کشکول شیخ بہائی جلد اول صفحہ ۹۱)

علی بن میثم کے چند مکالمے

ایک شیعہ برجستہ عالم دین جو تاریخ شیعہ کے متکلم (یعنی علم کلام میں ماہر) بھی تھے علی بن اسماعیل بن شعیب بن میثم جو میثم تمار کے نواسے تھے اور علی بن میثم کے نام سے مشہور تھے امام رضا کے اصحاب خاص میں ان کا شمار ہوتا تھا اور مخالفین سے بحث و مناظرہ کرنے میں ان کو کافی مہارت حاصل تھی۔ لہذا بطور نمونہ ہم یہاں ان کے کچھ مناظروں کو ذکر کرتے ہیں۔

(۴۴)
علی بن میثم کا ایک مسیحی سے مکالمہ

علی بن میثم: تم لوگ صلیب کو اپنی گردنوں میں کیوں آویزاں کرتے ہو؟
مسیحی: اس لئے کہ یہ اس سولی کی شبیہ ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔

علی بن میثم: کیا حضرت عیسیٰؑ کو بھی یہ بات پسند ہوگی کہ وہ اس قسم کی چیز گردن میں آویزاں کریں؟

مسیحی: نہیں۔

علی بن میثم: کیوں؟

مسیحی: اس لئے کہ وہ چیز جس پر انہیں سولی دی گئی ہو وہ کس طرح چاہیں گے کہ اس کو گلے میں لٹکائیں۔

علی بن میثم: ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ کیا حضرت عیسیٰؑ گدھے پر سوار ہو کر اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرنے جایا کرتے تھے؟

مسیحی: ہاں۔

علی بن میثم: کیا حضرت عیسیٰؑ یہ چاہتے تھے کہ وہ گدھا زندہ رہے تاکہ وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں۔

مسیح: ہاں۔

علی بن میثم: عجیب بات ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جس چیز کی بقا چاہتے تھے اسے تو تم نے ترک کر دیا ہے اور جس چیز کو وہ پسند نہیں کرتے تھے اسے گردن میں لٹکائے پھرتے ہو۔

لہذا سزاوار تو یہ تھا کہ اس گدھے کو جس کے باقی رہنے کو حضرت عیسیٰؑ پسند کرتے تھے اس کی تصویر گردن میں لٹکاتے نہ کہ اس صلیب کی تصویر کہ جس کو وہ ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ (الفصول المختار سید مرتضیٰ جلد اول صفحہ ۳۱)

(۴۵)

علی بن میثم کا منکر خدا سے مکالمہ

ایک دن علی بن میثم، حسن بن سہل (جو ماموں کا وزیر تھا) کے پاس گئے تو دیکھا ایک منکر خدا وزیر کے پاس بیٹھا ہوا ہے اور وزیر اس کا احترام کر رہا ہے اور وہ منکر خدا سب کے سامنے گستاخی کرتے ہوئے اپنے مذہب کی حقانیت بیان کر رہا ہے۔

علی بن میثم نے اپنے مناظرے کو اس طرح شروع کیا:

اے حسن بن سہل! آج میں نے تمہارے گھر کے باہر ایک عجیب و غریب چیز دیکھی۔

وزیر: کیا چیز؟

علی بن میثم: میں نے دیکھا ایک کشتی بغیر ناخدا کے چلی جا رہی ہے۔

اسی وقت منکر خدا جو بیٹھا ہوا تھا بولا: اے وزیر یہ شخص "علی بن میثم" دیوانہ ہے جبھی ایسی باتیں کر رہا ہے۔

علی بن میثم: نہیں میں نے صحیح بات کی ہے میں دیوانہ نہیں ہوں۔

منکر خدا: کشتی جو جمادات سے ہے عقل و جان نہیں رکھتی کس طرح بغیر ناخدا اور رہنما کے چلی جا رہی تھی۔

علی بن میثم: میری بات تعجب آور ہے یا تمہاری جو کہتے ہو کہ یہ دریا بے کراں جس میں عقل و جان رکھنے والی بھی ہیں بغیر پیدا کرنے والے و رہنما کے تلاطم میں ہے، یہ مختلف قسم کی سبزیاں جو زمین سے اگتی ہیں اور یہ بارش وغیرہ جو آسمان سے برستی ہے تیرے بقول ان کا کوئی خالق و مدبر نہیں ہے جبکہ خود تعجب

کر رہے ہو کہ ایک کشتی بغیر ناخدا کے کیسے حرکت کر سکتی ہے۔

وہ منکر خدا جواب نہ دے سکا اور شرمندہ ہوگیا۔ سمجھ گیا کہ یہ کشتی کی مثال مجھے قائل کرنے کے لئے پیش کی گئی تھی۔ (فصول المختار سید مرتضیٰ صفحہ ۴۴)

(۴۶)

علی بن میثم کا ابوالہذیل سے مکالمہ

جیسا کہ پہلے ابوالہذیل کا نام گزر چکا ہے کہ یہ اہلسنت کے بہت بڑے عالم دین اور بڑی شخصیت شمار ہوتے تھے۔ قرن سوم کے آغاز میں ۲۳۰ھ ق بغداد میں پیدا ہوئے سو سال کی عمر پا کر ۲۳۵ھ ق بغداد ہی میں انتقال ہوا۔

ایک دن علی بن میثم نے ابوالہذیل سے پوچھا: کیا ایسا نہیں ہے کہ ابلیس انسانوں کو ہر قسم کی نیکی سے روکتا اور ہر قسم کی برائی پر ابھارتا ہے؟

ابوالہذیل: ہاں ایسا ہی ہے۔

علی بن میثم: کیا یہ ممکن ہے کہ ابلیس جس نیکی کو نہ جانتا ہو اس سے روکے اور جس برے فعل کو نہ جانتا ہو اس پر آمادہ کرے؟

ابوالہذیل: نہیں بلکہ وہ جانتا ہے۔

علی بن میثم: پس یہ بات تو ثابت ہوئی کہ ابلیس تمام نیکی و بدی کو جانتا ہے۔

ابوالہذیل: ہاں۔

علی بن میثم: تو پھر ذرا مجھے یہ بتاؤ پیغمبر اکرمؐ کے بعد تمہارا امام کون

ہے؟ اور کیا وہ تمام نیکی وبدی کو جانتا ہے یا نہیں؟

ابوالہذیل: نہیں وہ تمام نیکی وبدی کو نہیں جانتے۔

علی بن میثم: لہذا اس طرح تو ابلیس تمہارے امام سے زیادہ دانا تھا۔

ابوالہذیل سے کوئی جواب نہ بن پڑا اور شرمندہ ہو کر رہ گئے۔ (الفصول المختار سید مرتضیٰ جلد اول صفحہ ۵ وبحار جلد ۱۰ صفحہ ۳۷۰)

ایک دن ابوالہذیل نے علی بن میثم سے سوال کیا کہ آپ کے پاس حضرت علیؑ کی امامت اور بعد رسول خداؐ ابوبکر پر ان کی برتری پر کیا دلیل ہے؟

علی بن میثم: تمام مسلمین کا اجماع واتفاق رائے ہے کہ علیؑ ہی رسول خداؐ کے بعد عالم ومؤمن کامل تھے۔ لیکن اس وقت اس قسم کا ادعا ابوبکر کے لئے نہیں تھا۔

ابوالہذیل: کون کہتا ہے کہ رسول خداؐ کی رحلت کے بعد ابوبکر کے مؤمن وعالم ہونے پر اجماع نہیں تھا؟

علی بن میثم: میں اور مجھ سے پہلے والے اور عصر حاضر کے تمام لوگ یہی کہتے ہیں۔

ابوالہذیل: لہذا تم اور تمہارے افراد سب کے سب گمراہی وسرگردانی میں ہیں۔

علی بن میثم: اس قسم کا جواب تو صرف گالی اور لڑائی والا ہے۔ تم بجائے منطقی جواب دینے کے اس طرح کے جواب دے کر ہمیں گمراہ سمجھتے ہو۔ لہذا یاد رکھو پھر پتھر کا جواب پتھر ہوتا ہے۔

(۴۷)

عمر بن عبدالعزیز کا امت پر حضرت علیؑ کی برتری کا اعلان کرنا

عمر بن عبدالعزیز (آٹھواں خلیفہ اموی) کی خلافت کے زمانے میں ایک سنی شخص قسم کھاتے ہوئے کہنے لگا: "ان علیا خیر هذه الامة والا امراتی طالق ثلاثا." علیؑ امت میں سب سے بہترین فرد ہیں ورنہ گویا میری زوجہ تین طلاق شدہ ہے کیونکہ وہ معتقد تھا کہ علیؑ، پیغمبر اکرمؐ کے بعد امت مسلمہ میں سب سے بہترین فرد ہیں لہذا اس کی یہ طلاق باطل تھی۔ (اس بات کی طرف متوجہ رہتے ہوئے کہ اہلسنت کے عقیدہ کے مطابق ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں ہو سکتی ہیں)

اس شخص کا خسر جو حضرت علیؑ کو تمام مسلمانوں پر برتر نہیں مانتا تھا اس نے کہا: یہ طلاق ہو گئی اور میں اب اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جا رہا ہوں۔ لہذا خسر و داماد کا نزاع ہونے لگا۔

داماد کہتا تھا کہ طلاق کی شرط یہ ہے کہ علیؑ سب پر برتر نہ ہوں، جبکہ یہ بات سب کے نزدیک روشن ہے کہ حضرت علیؑ مسلمین میں سب سے برتر ہیں۔ لہذا شرط باطل ہو گئی تو طلاق بھی باطل ہو گئی۔

جب ان دونوں کا یہ نزاع بڑھا اور کچھ لوگ خسر کی طرف داری کرنے لگے اور کچھ لوگ داماد کی تو یہ مسئلہ عمر بن عبدالعزیز کو لکھا گیا کہ وہ اس قضیہ کو حل کرے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ایک مجلس تشکیل دی جس میں بنی ہاشم و بنی امیہ اور بزرگان قریش کو مدعو کیا گیا ان سے اس مسئلے کو حل کرنے کا کہا گیا۔ جب گفتگو شروع ہوئی اور بنی امیہ سے کوئی جواب بن نہ پڑا اور وہ ایک طرف ہو گئے تو

بنی ہاشم کا ایک فرد اٹھا اور کہنے لگا کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ بیشک علیؑ امت کے تمام افراد پر برتر ہیں اور کیونکہ طلاق مشروط ہے عدم برتری علیؑ پر جبکہ وہ برتر ہیں۔ لہذا طلاق اصلاً واقع ہی نہیں ہوئی۔

اس ہاشمی مرد نے اپنی بات کی مزید وضاحت میں عمر بن عبدالعزیز سے کہا: تم کو خدا کی قسم ذرا یہ بتاؤ کہ کیا یہ روایت پیغمبرؐ سے نہیں سنی کہ ایک روز آپؐ اپنی بیٹی فاطمہؑ کے گھر ان کی عیادت کو گئے اور ان سے فرمایا: بیٹی تمہارا کونسی چیز کھانے کو دل چاہ رہا ہے؟ فاطمہؑ نے عرض کی: بابا جانؐ! انگور کھانے کو دل چاہتا ہے۔ اگرچہ انگور کا موسم نہیں تھا اور علیؑ بھی سفر پر گئے ہوئے تھے۔ پیغمبرؐ نے اس طرح دعا کی: "اللهم آتنا به مع افضل امتی عندك منزلة." یعنی خدایا! انگوروں کو اس کے پاس بھیج جو تیری بارگاہ امت میں سب سے بہتر ہے۔ اسی وقت حضرت علیؑ پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا اور گھر میں داخل ہوئے، ان کے ہاتھ میں ایک گچھا تھا جسے اپنی عبا کے دامن سے ڈھانکے ہوئے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: یا علیؑ یہ کیا ہے؟ علیؑ نے فرمایا: یارسول اللہؐ! انگور ہیں جو فاطمہؑ کیلئے لایا ہوں کیونکہ انہیں انگور پسند ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "اللہ اکبر" خدایا! جس طرح تو نے مجھے خوش کیا اس جہت سے کہ علیؑ کو امت میں سب سے بہترین شخص قرار دیا اسی طرح ان انگوروں کے ذریعے میری بیٹی فاطمہؑ کو شفا دے۔ پھر آپؐ نے انگور حضرت فاطمہؑ کو دیتے ہوئے کہا: بیٹی خدا کا نام لیکر کھاؤ۔ حضرت فاطمہؑ نے انگور کھائے۔ پیغمبرؐ ابھی خانہ فاطمہؑ ہی میں تھے کہ فاطمہؑ نے صحتیابی پائی۔

عمر بن عبدالعزیز نے اس مرد ہاشمی سے کہا: تم نے سچ کہا اور میں بھی

گواہی دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث سنی ہے اور مانتا بھی ہوں۔ پھر اس نے اس عورت کے شوہر سے کہا کہ اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑو اور لے جاؤ وہ تمہاری بیوی ہے۔ اگر اس کے باپ نے کوئی دخل اندازی کی تو اس صورت میں زخمی کر دینا۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید احقاق الحق جلد ۴ صفحہ ۲۹۲ تا صفحہ ۲۹۵)

اس طرح اس بھری مجلس میں عمر بن عبدالعزیز نے علی الاعلان حضرت علی کا تمام امت پر برتر ہونے کا اعلان کیا اور اسی بنا پر اس طلاق کو باطل قرار دیتے ہوئے نکاح کے باقی رہنے کا فتویٰ دیا۔

(۴۸)

شیخ بہائی کا ایک مخالف سے مباحثہ

محمد بن حسین بن عبدالصمد جو شیخ بہائی کے نام سے مشہور تھے اور علماء معروف و ملت تشیع کے لئے فخر کے باعث تھے جنھوں نے ۱۰۳۱ھ ق میں اس دنیائے فانی کو مشہد مقدس میں خدا حافظ کہا اور جوار امام رضا میں دفن ہیں۔

ایک روز دوران سفر ان کی ملاقات ایک سنی عالم دین سے ہوئی انہوں نے خود کو اس کے سامنے شافعی مذہب کا ظاہر کیا وہ عالم جو علماء شافعی میں سے تھا جب اس نے جانا کہ یہ شیخ بہائی بھی شافعی ہیں اور مرکز تشیع یعنی ایران سے آرہے ہیں تو اس نے شیخ بہائی سے پوچھا: کیا شیعوں کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت پر کوئی دلیل ہے؟ شیخ بہائی نے جواب دیا: ہاں! بعض اوقات ایران میں شیعوں سے سامنا ہوا تو میں نے اندازہ لگایا کہ ان کے پاس اپنے دعووں پر محکم استدلال ہیں۔

سنی شافعی: اگر ہو سکے تو ان استدلات میں سے کوئی ایک نقل کریں۔
شیخ بہائی: مثلاً وہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں (جو اہلسنت کی معتبر کتب میں سے ایک کتاب ہے) پیغمبر اکرمؐ سے روایت نقل ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"فاطمه بضعة منى من اذاها فقد آذاني ومن اغضبها فقد اغضبني."

یعنی فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو اذیت دی مجھے اذیت دی، جس نے اس کو غضبناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ (صحیح بخاری، دارالجلیل بیروت جلد ۷ صفحہ ۴۷)

اور اسی کتاب میں چار ورق بعد روایت نقل ہے کہ:

"خرجت فاطمة من الدنيا وهي غاضبة عليهما."

یعنی فاطمہؑ مرتے وقت ان (عمر و ابوبکر) سے ناراض گئی ہیں۔ (صحیح بخاری، دارالجلیل بیروت جلد ۷ و دیگر فضائل خمسہ من الصحاح الستہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۰)

اب ذرا آپ بتائیں کہ ان دونوں روایتوں کا اہلسنت کے اعتبار سے طریقہ جمع کیا ہوگا؟ وہ سنی شافعی فکر کرنے لگے اور سوچنے لگے کہ اگر یوں کہوں کہ ان دو روایتوں کا طریقہ جمع یہ ہے کہ یہ دونوں عادل نہیں تھی تو گویا یہ دونوں رہبری کے لائق نہیں تھے۔ لہذا کچھ سوچنے کے بعد کہنے لگا بعض اوقات شیعہ جھوٹ بولتے ہیں ممکن ہے اس میں بھی انہوں نے جھوٹ بولا ہو لہذا مجھے ایک رات کی مہلت دو کہ میں صحیح بخاری کا مطالعہ کر کے آؤں اور ان دونوں روایتوں کا سچ و جھوٹ معلوم کرلوں اور سچ ہونے کی صورت میں اس کا جواب تلاش کروں۔
شیخ بہائی: (دوسرے دن جب اس سنی شافعی کو دیکھا تو اس سے پوچھا)

کیا ہوا آپ نے تحقیق کرلی؟ وہ کہنے لگا ہاں میں نے تحقیق کرلی بالکل جو میں نے کہا تھا وہی ہے کہ شیعہ جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ میں صحیح بخاری کا مطالعہ کیا تو اگرچہ اس میں یہ دونوں روایتیں تھیں مگر ان دونوں روایتوں کے درمیان شیعوں نے جو چار صفحے کا فاصلہ بتایا تھا وہ پانچ صفحے سے بھی زیادہ ہے۔ واقعاً عجیب جواب ہے کیونکہ مقصد ان دو روایتوں کا اس کتاب میں ہونا ہے چاہے پانچ ورق کے فاصلے پر یہ روایتیں ذکر ہوئی ہوں یا ۵۰ ورق کے بعد ذکر ہوئی ہو کیا فرق پڑتا ہے۔

(۴۹)
علامہ حلی کا سید موصلی سے مباحثہ

آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ایران کا بادشاہ "شاہ خدابندہ" جو سنی المذہب تھا ۷۰۹ھ میں علامہ حلی کے ساتھ قوی ولطیف مناظروں کے بعد شیعہ ہوگیا اور تشیع کو ایران کا سرکاری مذہب قرار دیدیا۔ ایک روایت کے مطابق کچھ علمائے اہلسنت شاہ خدابندہ کے دربار میں حاضر تھے۔ علامہ حلی بھی شاہ کی دعوت پر اس مجلس میں تشریف لائے۔ پھر سنی شیعہ علماء کے مابین مناظرہ ہوا جو درج ذیل ہے:

سید موصلی: آپ پیغمبرؐ کے سوا دوسرے اولیاء اور صالحین پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔ آپ کے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟

علامہ حلی: "وبشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون۔ اولئك عليهم صلوٰة من ربهم ورحمة." (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۵ تا ۱۵۷) یعنی وہ لوگ جو خدا کی راہ میں استقامت سے کام لیتے ہیں جب بھی ان پر

کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا ہی کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ جائیں گے، ان لوگوں پر خداوند عالم کی طرف سے درود و سلام اور رحمت ہوتی ہے۔

سید موصلی: پیغمبرؐ کے علاوہ اماموں پر کونسی مصیبت پڑی ہے جو وہ درود و سلام کے مستحق قرار پائیں گے؟

علامہ حلی نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: سخت ترین مصائب جو ان پر پڑے اس سے تم جیسے افراد وجود میں آئے جو منافقوں کو آل رسولؐ پر مقدم کرتے ہیں۔ حاضرین علامہ حلی کی بذلہ سنجی پر ہنسنے لگے۔ (بہجۃ الآمال جلد ۳ صفحہ ۲۳۴)

(۵۰)

شیعہ عالم کا سربراہ تنظیم امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے مباحثہ

ایک شیعہ عالم دین مدینہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے دفتر میں گئے تو ان کے اور اس دفتر کے سربراہ کے درمیان اس طرح مناظرہ شروع ہوا:

سربراہ: رسول اللہؐ اب دنیا سے جا چکے ہیں۔ اور جو مردہ ہو چکا ہو وہ فائدہ و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لہذا آپ لوگ اب پیغمبرؐ سے کیا مانگتے ہیں؟

شیعہ عالم دین: رسول خداؐ اگرچہ اس دنیا سے پردہ فرما چکے ہیں مگر وہ زندہ ہیں کیونکہ قرآن فرماتا ہے:

"ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون." (سورۃ آل عمران آیت ۱۶۳)

"جو لوگ خدا کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے خدا سے رزق پاتے ہیں۔"

اسی طرح دوسری روایات بھی ہیں جو پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد بھی احترام پیغمبرؐ پر دلالت کرتی ہیں جس طرح ان کی زندگی میں ان کا احترام کیا جاتا تھا۔

سرپدلو: یہ موت و حیات جو قرآن اور روایات میں ہے وہ نہیں ہے جس میں ہم اس وقت ہیں۔

شیعہ عالم دین: تمہارے لئے کیا حرج ہے کہ ہماری اس بات کو مان لو کہ پیغمبر اکرمؐ رحلت کے بعد بھی ہمارے لئے اسی طرح سے ہیں جس طرح عالم حیات میں تھے۔ اذن خدا سے اب بھی ہم پر وہی لطف و کرم کرتے ہیں۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے باپ جب سے اس دنیا سے گئے تو کیا آپ ان کی قبر پر نہیں گئے اور کیا ان کی مغفرت کے لئے دعا نہیں مانگی؟

سرپدلو: کیوں نہیں؟

شیعہ عالم دین: ہم کیونکہ زمانہ پیغمبرؐ میں نہیں تھے اور اگر ہوتے تو ان کی زیارت کرتے اور اب جب ان کی قبر پر آئے ہیں تو ان کی زیارت کرتے ہیں۔

مزید روشن عبارت: اس قبر کا رسول خداؐ کے جسم اطہر سے مس ہونا اسے مبارک قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس کی خاک کو اگر ہم تبرک قرار دیتے ہیں تو یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے کہ میں اپنے استاد کی پیروں کی خاک اپنی آنکھوں کا سرمہ قرار دیتا ہوں۔

ع سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

مؤلف فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے جب امام خمینیؒ قید میں تھے استاد جو ان سے بہت انسیت رکھتے تھے کہنے لگے میری آرزو ہے کہ اپنے عمامہ کی تحت الحنک کو امام خمینیؒ کی نعلین کی خاک سے مس کروں اور اسی خاک آلود تحت الحنک کے ساتھ نماز ادا کروں۔ اس طرح کے اظہار خیال عواطف قلبی و شدت محبت کو بیان کرتے ہیں۔ یہ کسی قسم کا کوئی شرک نہیں ہے۔ قرآن بھی اس مسئلے کو صراحت سے بیان کرتا ہے کہ اولیاء خدا کو واسطہ بنانا نتیجہ بخش و فائدہ مند ہوتا ہے جیسا کہ سورۃ نساء کی آیت ۶۴ میں ارشاد ہوتا ہے:

"ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيماً."

"جب وہ جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم (یعنی گناہ) کیا آپؐ کے پاس آئیں اور خدا سے طلب استغفار کریں اور رسولؐ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کریں تو یقیناً وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پائیں گے۔"

(۵۱)
علامہ امینی کا تسلی بخش جواب

علامہ امینیؒ جو اپنے زمانے کے بزرگ عالم دین اور صاحب کتاب الغدیر بھی ہیں اپنے کسی سفر کے دوران کسی مجلس میں شرکت کی۔ ان میں ایک سنی عالم ان سے کہتے ہیں کہ آپ شیعہ لوگ حضرت علیؑ کے سلسلے میں غلو کیوں کرتے ہیں۔ مثلاً ان کو ("یداللہ" و "عین اللہ") (یعنی خدا کا ہاتھ، خدا کی آنکھ) سے کیوں

تعبیر کرتے ہیں کسی صحابہ کی اس حد تک توصیف بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔

علامہ نے بے دھڑک کہا: اگر عمر بن خطاب نے حضرت علیؑ کو اس خطاب سے پکارا ہو تو آپ کیا کہیں گے؟

سنی عالم: عمر بن خطاب کا قول ہمارے لئے حجت ہے۔

علامہ نے اسی مجلس میں اہلسنت ہی کی کسی اصلی کتاب کو منگوا کر ان کا صفحہ پلٹ کر اس سنی عالم کے سامنے رکھ دی کہ یہ دیکھئے۔ حدیث ہے کہ: "ایک شخص طواف کعبہ میں مصروف تھا اور اسی عالم میں اس نے ایک نامحرم عورت کی طرف نامناسب نگاہ کی۔ حضرت علیؑ نے اس کو اس حال میں دیکھ لیا اور وہیں ایک ہاتھ اس کے منہ پر مارا وہ شخص اسی طرح چہرے پر ہاتھ رکھے عمر بن خطاب کے پاس شکایت کرنے آیا اور قصہ بیان کیا۔ عمر بن خطاب نے اس کو جواب میں کہا: (قد رای عین اللہ وضرب یداللہ.) تمہیں انہوں نے خدا کی آنکھ سے دیکھا اور دست خدا نے مارا۔ یعنی علیؑ کی آنکھ جو دیکھتی ہے اس میں خطا نہیں کرتی کیونکہ ان کی آنکھ اعتقاد خدا سے لبریز ہے جو غلطی نہیں کرتی۔ اسی طرح علیؑ کا ہاتھ رضائے خدا کے علاوہ حرکت نہیں کرتا۔

سوال کرنے والے نے جب اس حدیث کو دیکھا تو مطمئن ہوگیا۔

مزید وضاحت: اس قسم کی تعبیریں حضرت مسیحؑ کے لئے بھی ہیں مثلاً روح اللہ، جو ان کے احترام و تجلیل میں کہا جاتا ہے نہ یہ کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ خدا کی روح یا ہاتھ یا آنکھ ہیں اور خدا یہ چیزیں رکھتا ہو۔

(۵۲)

کیا مٹی اور پتھر پر سجدہ شرک ہے

ایک مرجع تقلید (آیت اللہ العظمٰی آقائے خوئیؒ) ایک دن مسجد نبویؐ میں نماز صبح ادا کر رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہو کر روضہ نبیؐ کے نزدیک تلاوت قرآن میں مصروف ہو گئے۔

ان کا بیان ہے کہ میں بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا کہ ایک بندہ مؤمن آکر نماز میں مصروف ہو گیا۔ نماز کے دوران اس نے اپنی جیب سے سجدہ گاہ نکالی تاکہ اس پر سجدہ کرے، میں نے دیکھا دو افراد جو بظاہر مصری تھے آپس میں کہنے لگے اس کو دیکھو یہ پتھر پر سجدہ کرنا چاہتا ہے۔ جیسے ہی وہ شیعہ مؤمن سجدے میں مہر رکھ کر سجدہ کرنا چاہتا تھا کہ ان میں سے ایک اٹھا اور غصہ سے اس شیعہ کے سجدہ سے سجدہ گاہ چھیننے کے لئے لپکا کہ میں نے غصہ میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ کیوں اس مرد مسلمان کی نماز باطل کرتے ہو؟ وہ کہنے لگا: اس مقدس جگہ پر یہ پتھر پر سجدہ کرنا چاہتا ہے۔

میں نے کہا: اس کے پتھر پر سجدہ کرنے میں کیا حرج ہے۔ میں بھی پتھر پر سجدہ کرتا ہوں۔

وہ کہنے لگا: پتھر پر سجدہ کیوں کرتے ہو؟

میں نے کہا: وہ شیعہ و مذہب جعفری کا پیروکار ہے میں بھی مذہب جعفری کا معتقد ہوں، کیا تم لوگ جعفر بن محمدؐ امام صادقؑ کو جانتے ہو؟

وہ کہنے لگے: ہاں۔

میں نے کہا: کیا وہ رسولؐ کے اہلبیتؑ سے ہیں؟

وہ کہنے لگے: ہاں۔

میں نے کہا: وہ ہمارے مذہب کے سربراہ و امام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ زمین یا اجزاء زمین پر سجدہ کرو کسی اور چیز پر سجدہ جائز نہیں ہے۔

وہ سنی: تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا دین ایک ہے نماز ایک ہے۔

میں نے کہا: اگر دین و نماز ایک ہی ہے تو تم اہلسنت نماز کو حالت قیام میں مختلف طریقوں سے کیوں پڑھتے ہو، تم لوگوں میں سے بعض مذہب مالکی والے ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں، تم میں سے بعض ہاتھ سینے پر رکھتے ہیں، جبکہ دین سب کا ایک ہے اور رسول خدا جو نماز پڑھتے تھے وہ ایک ہی طرح کی تھی۔ لہذا تم لوگ اس سوال کے جواب میں کہو گے کہ ابوحنیفہ یا شافعی یا مالکی یا احمد بن حنبل نے اسی طرح کا حکم دیا ہے۔

وہ کہنے لگے: ہاں انہوں نے ہی ہمیں اس طرح کا حکم دیا ہے۔

میں نے کہا: تو جعفر بن محمد امام صادقؑ جو ہمارے مذہب کے سربراہ ہیں اور ابھی تمہارے اعتراف کے مطابق کہ خاندان رسالتؐ سے ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ: (اهل البیت ادری بما فی البیت) یعنی گھر والے جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اس سے زیادہ آگاہ ہوتے ہیں اور اقرباء رسولؐ دوسروں سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ لہذا امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ اجزاء زمین پر سجدہ کرو روئی یا ریشم پر سجدہ جائز نہیں ہے۔ لہذا ہمارا تمہارا اختلاف فروع میں ہے اصول میں نہیں ہے۔ لہذا اس میں کوئی شرک کا پہلو ہرگز نہیں نکلتا۔ لہذا جب بات یہاں تک پہنچی تو جو اہلسنت

وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور ہمارے مذاکرے کو سن رہے تھے ان سب نے میری تصدیق کی۔ پھر میں نے دوبارہ اس شخص سے جو شیعہ نمازی کے آگے سے سجدہ گاہ کو اٹھانا چاہتا تھا کہا: تمہیں رسول خدا سے حیاء نہیں آتی کہ جو ان کی قبر کے نزدیک ان کے خاندان کے مذہب کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے اس کی نماز باطل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ ان خاندان اہلبیت کے بارے میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھر کم تطھیرا۔ (سورۃ احزاب آیت ۳۳) یعنی بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہلبیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔ یہ سن کر باقی اطراف والے اس شخص کی مذمت کرنے لگے اور کہنے لگے یہ بے چارا مسلمان جو اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے اس کو کیوں اذیت دینا چاہتے ہو؟ یہ سن کر وہ دونوں مصری جلدی سے اٹھے اور مجھ سے معذرت کرتے ہوئے چلے گئے۔

تشریح: حقیقتاً ان علماء وہابی کا کام کتنا عجیب ہے کہ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ تربت حسینی یا پتھر یا لکڑی وغیرہ پر سجدہ کرنا شرک ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ تم لوگ چٹائی و فرش وغیرہ پر سجدہ کو شرک نہیں مانتے اور وہ سجدہ گاہ جو مٹی یا لکڑی سے بنی ہوتی ہے اس پر سجدہ کو شرک مانتے ہو؟ کیا سجدہ گاہ پر سجدہ کرنا اسی کی عبادت کرنا ہے جبکہ تم لوگ دیکھتے اور سنتے ہو کہ شیعہ لوگ نماز میں تین مرتبہ سبحان اللہ کا ورد کرتے ہیں یعنی وہ ذات ہر عیب و شرک سے منزہ ہے۔ یا یوں کہتے ہیں سبحان ربی الاعلی وبحمدہ یعنی میرا پروردگار ہر عیب سے پاک ہے، بزرگ ہے اور تمام حمد و ستائش اسی کے لئے

ہے۔ تم لوگوں کی تو زبان بھی عربی ہے عربی الفاظ کی خصوصیات کو بہتر جانتے ہو کہ ان دونوں لفظوں میں بہت فرق ہے۔ السجود علیہ یعنی اس پر سجدہ اور السجود علیہ یعنی اس کے لئے سجدہ۔ لہٰذا اگر کسی چیز پر سجدہ کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس چیز کی پرستش کرتے ہیں بلکہ اس حال میں انتہائی خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت انجام دیتے ہیں۔ کیا تم لوگوں نے دیکھا ہے کہ بت پرستوں نے کبھی بتوں پر سجدہ کی غرض سے پیشانی رکھی ہو بلکہ بت کو اپنے سامنے رکھ کر زمین پر سجدہ کرتے ہیں۔ اس سے بالکل واضح ہے کہ وہ بتوں کی پرستش کرتے ہیں نہ کہ زمین کی یا اس چیز کی جس پر پیشانی رکھتے ہیں۔

نتیجہ : لہٰذا اس جہت سے خاک یا زمین پر سجدہ کرنا گویا اس کے لئے سجدہ نہیں ہے بلکہ سجدہ دراصل خدا کے لئے ہے۔ اس فرق کے ساتھ جو ہمارے سربراہ مذہب امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ اجزاء زمین مثلاً مٹی کی سجدہ گاہ یا لکڑی کی سجدہ گاہ پر سجدہ کرو جبکہ اہلسنت کے علماء ابوحنیفہ و شافعی وغیرہ کہتے ہیں کہ جس پر نماز پڑھ رہے ہو اسی پر سجدہ کرو۔

اس جگہ اہلسنت شیعوں سے سوال کرتے ہیں کہ مہر پر سجدہ کیوں کرتے ہو ہماری طرح فرش پر کیوں نہیں کرتے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے شیعہ کہتے ہیں کہ رسول خداؐ کی سجدہ گاہ فرش نہیں تھا بلکہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھ تمام مسلمان خاک پر سجدہ کرتے تھے۔ لہٰذا ہم بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے خاک پر سجدہ کرتے ہیں۔ (التاج الجامع جلد۲ صفحہ ۱۹۲ و احادیث صحاح ستہ جلد ۱۱ ابواب سجود)۔

ہاں بعض روایات کے مطابق ضرورت کے وقت مثلاً شدید گرمی وغیرہ

کے وقت لباس پر بھی سجدہ کی اجازت دی گئی ہے جیسا کہ انس بن مالک سے نقل ہے کہ: "کنا نصلی مع النبیؐ فیضع احدنا طرف الثوب من شدۃ الحر فی مکان السجود." یعنی ہم پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو ہم میں سے بعض شدید گرمی کی وجہ سے سجدہ گاہ کی جگہ اپنی پیشانی سجدہ کے وقت اپنے لباس کے ایک کونے پر رکھتے تھے۔ (التاج الجامع جلد ۲ صفحہ ۱۹۲ و احادیث صحاح ستہ جلد ۱۱ ابواب کتود)۔ اسی طرح کی دوسری روایات سے استفادہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت کپڑے پر بھی سجدہ ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں پیغمبرؐ بھی کپڑے پر سجدہ کرتے تھے یا نہیں اس پر یہ روایات دلالت نہیں کرتی۔

دوسرا مطلب: اگر اجزاء زمین پر سجدہ کرنا شرک ہو تو کہنا پڑے گا کہ فرشتوں کا سجدہ جو حکم خدا سے حضرت آدمؑ کے سامنے تھا وہ بھی شرک تھا یا خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا (نعوذ باللہ) شرک ہے بلکہ شرک ان دو صورتوں میں تو زیادہ شدید ہوگا کیونکہ فرشتوں نے خود حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا تھا نہ کہ آدمؑ پر سجدہ کیا تھا۔

اسی طرح تمام مسلمان کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں نہ کہ خود کعبہ پر، جبکہ کسی مسلمان نے بھی آدمؑ کو سجدہ کرنے اور کعبہ کی طرف رخ کر کے سجدہ کرنے کو کبھی شرک نہیں کہا کیونکہ حقیقتِ سجدہ یہ ہے کہ نہایت تواضع کے ساتھ خدا کے سامنے اس کے فرمان کے مطابق ہو۔ لہذا کعبہ کی طرف سجدہ کرنا حکم خدا پر عمل کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ہے۔

اسی طرح آدمؑ کو سجدہ کرنا اولاً تو حکم خدا تھا، ثانیاً یہ شکر الٰہی تھا۔ اسی

طرح خاک و پتھر و لکڑی پر سجدہ کرنا دراصل سجدہ خدا کے لئے ہے اور یہ سجدہ اسکی چیزوں پر ہے جو زمین سے ہیں اور یہ حکم ہمارے رہنما و پیشوا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دیا ہے۔ لہٰذا اجزاء زمین پر سجدہ کرنا شرک نہیں ہے۔

(۵۳)

شیعہ عالم کا رہنما تنظیم امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے مباحثہ

ایک شیعہ عالم مدینہ میں تنظیم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے دفتر کسی کام سے گئے۔ وہاں ان سے اور اس تنظیم کے رہنما کے درمیان شیعوں کے متعلق اس طرح سے گفتگو شروع ہوئی۔

رہنما: آپ لوگ قبر نبیؐ کے نزدیک نماز زیارت کیوں پڑھتے ہیں جبکہ نماز غیر خدا کے لئے شرک ہے؟

شیعہ عالم: ہم پیغمبرؐ کے لئے نماز نہیں پڑھتے بلکہ نماز خدا کے لئے پڑھتے ہیں اور اس کا ثواب رسول خداؐ کی بارگاہ میں نثار کرتے ہیں۔

رہنما: قبر کے کنارے نماز پڑھنا شرک ہے۔

شیعہ عالم: اگر نماز قبر کے کنارے پڑھنا شرک ہے تو کعبہ کے کنارے بھی نماز پڑھنا شرک ہونا چاہئے کیونکہ حجر اسماعیل میں حضرت ہاجرہ و حضرت اسماعیل کی قبر ہے اور بعض دیگر پیغمبروں کی قبریں بھی ہیں کیونکہ یہ بات تو شیعہ سنی سب نقل کرتے ہیں کہ وہاں بہت سے انبیاء مدفن ہیں لہٰذا بقول تم لوگوں کے حجر اسماعیل میں بھی نماز پڑھنا شرک ہے جبکہ تمہارے ہی مذہب کے

رہنماؤں نے مثلاً (حنفی و مالکی و شافعی و حنبلی) سب نے حجر اسماعیل میں نمازیں پڑھی ہیں۔ لہذا اس بنا پر قبرستان میں نماز پڑھنا شرک نہیں ہے۔(مناظرات فی الحرمین الشریفین سید علی بطحائی۔ مناظرہ پنجم)

ایک دوسرا وہابی: خود رسول خداؐ نے قبرستان میں نماز پڑھنے سے منع کیا ہے۔

شیعہ عالم: تم پیغمبر اکرمؐ کی طرف جھوٹی حدیث منسوب کر رہے ہو چونکہ اگر رسول خداؐ قبرستان میں نماز پڑھنے کو منع کرتے یا حرام جانتے تو یہ ہزاروں لاکھوں حجاج و زوار کیونکر پیغمبر اکرمؐ کی مخالفت کرتے اور یہ فعل حرام خود مسجد نبویؐ میں جس میں رسول خداؐ و عمر و ابوبکر کی قبریں ہیں مرتکب ہوتے؟ جبکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ پیغمبرؐ سے بعض روایات نقل ہوئی ہیں کہ آپؐ اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ قبرستان میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

منجملہ ان روایات میں سے وہ روایت جو صحیح بخاری کی جلد ۳ صفحہ ۳۶ پر رسول خداؐ سے نقل ہوئی ہے کہ آپؐ نے عید قربان کے دن قبرستان بقیع میں دو رکعت نماز پڑھی، نماز کے بعد آپؐ نے فرمایا: آج کے دن کی پہلی عبادت یہ دو رکعت نماز ہے، پھر جا کر قربانی کرینگے، جس نے بھی ایسا کیا اس نے میری سنت کی پیروی کی۔

اس روایت کے مطابق رسول خداؐ نے قبرستان میں نماز پڑھی لیکن تم لوگ قبرستان میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہو اور کہتے ہو کہ اسلام نے اس کو منع کیا ہے اگر اسلام سے مراد شریعت محمدیؐ ہے تو صاحب شریعت نے قبرستان میں نماز پڑھی ہے کیونکہ رسولؐ کے زمانہ سے اب تک بقیع قبرستان ہے قبور کے کنارے نماز پڑھنا جائز ہے لیکن تم لوگ پیغمبرؐ کی مخالفت کرتے ہوئے اطراف قبور میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہو۔

(۵۴)

اس بارے میں ایک غم انگیز داستان

ڈاکٹر سید محمد تیجانی جو سنی عالم دین تھے اور اب شیعہ ہو چکے ہیں، لکھتے ہیں کہ میں مدینہ میں بقیع کی زیارت کے لئے گیا ہوا تھا اور اہلبیتؑ پر صلوٰتیں پڑھ رہا تھا کہ دیکھتا ہوں کہ میرے قریب ایک بوڑھا شخص کھڑا رو رہا ہے۔ میں اس کے رونے سے سمجھ گیا کہ وہ شیعہ ہے، وہ روبقبلہ ہوا اور نماز پڑھنے لگا، اچانک ایک سعودی شرطہ غصہ سے بھرا اس کے نزدیک آیا گویا دور سے وہ اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ ضعیف سجدہ میں گیا اس شرطہ نے ایسی لات ماری کہ وہ ضعیف الٹا زمین پر جاگرا، اسے کافی دیر تک ہوش نہیں آیا۔ لیکن یہ شرطہ اسے اسی طرح مارتا رہا۔

مجھے اس ضعیف کے حال پر رحم آیا میں نے خیال کیا شاید وہ مر گیا ہے، میری غیرت کو جوش آیا میں نے اس شرطہ سے کہا: اس بے چارے کو حالت نماز میں کیوں مار رہے ہو؟

شرطہ مجھ سے کہنے لگا: تم خاموش رہو، مداخلت نہ کرو، ورنہ تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کروں گا۔

وہاں دیگر زوار بھی تھے جو کہہ رہے تھے کہ یہ اس کی سزا ہے یہ کیوں قبرستان میں نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نے غصہ میں کہا: کس نے قبرستان میں نماز پڑھنے کو حرام قرار دیا ہے اور پھر کافی طویل گفتگو کے بعد کہا کہ اگر قبرستان میں نماز پڑھنے کو حرام بھی مانا جائے تو کیا اس طرح سے ظلم و ستم کر کے روکا جاتا ہے

یا پیار و محبت سے سمجھایا جاتا ہے۔ ابھی میں تمہیں ایک صحرا نشین شخص کی داستان سناتا ہوں۔ پیغمبرؐ کے زمانے میں ایک بے شرم و حیاء صحرا نشین نے آکر پیغمبرؐ کے سامنے مسجد میں پیشاب کردیا۔ ایک صحابی اٹھے کہ اس کی گردن اڑادیں۔ پیغمبرؐ نے بڑے غصے میں انہیں روکا اور کہا: اس کو اذیت نہ دو، جاؤ پانی لاؤ اور اس جگہ کو پاک کردو، لوگوں کے امور کو آسان کرنے کے لئے پیدا کئے گئے ہو نہ کہ لوگوں کو اذیتیں دینے کے لئے۔ اصحاب نے پیغمبرؐ کے فرمان پر عمل کیا اور پھر پیغمبرؐ نے اس صحرا نشین کو آواز دے کر بلایا اور اپنے پاس بٹھاتے ہوئے اسے خوش آمدید کہا اور پھر بڑے پیار و محبت سے اس سے کہا بندہ خدا یہ خدا کا گھر ہے اس کو نجس نہیں کرتے، وہ صحرا نشین رسول خداؐ کی محبت آمیز باتوں سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد جب بھی وہ مسجد میں آتا پاک و صاف کپڑے پہن کر آتا تھا۔ کیا نگہبان حرمین کا حجاز میں اس طرح کا رویہ ایک بوڑھے ضعیف شخص کے ساتھ صحیح ہے کیوں سیرت رسولؐ کو اپنا طریقہ حیات قرار نہیں دیتے؟ (کتاب "پھر میں ہدایت پاگیا" صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۳)

(۵۵)

فاطمہ زہراؑ کی مظلومیت کیوں؟

ایک وہابی شیعہ عالم دین سے کہتا ہے کہ تم لوگ قبر (فاطمہ زہراؑ) کے پاس یہ کیوں کہتے ہو کہ: السلام علیك ایتها المظلومة یعنی ہمارا سلام ہو آپ پر اے مظلومہ بی بی۔ کس نے دختر رسولؐ فاطمہ زہراؑ پر ظلم و ستم کیا ہے؟

شیعہ عالم: اس ظلم و ستم پر فاطمہؑ کی غم انگیز داستان خود تمہاری کتابوں میں لکھی ہے۔

وہابی: کونسی کتاب میں؟

شیعہ عالم: الامامۃ السیاسہ جو ابن قتیبہ دینوری کی لکھی ہوئی ہے اس کے تیرہویں صفحے پر لکھی ہے۔

وہابی: اس قسم کی کوئی کتاب ہمارے پاس نہیں ہے۔

شیعہ عالم: میں یہ کتاب بازار سے تمہارے لئے خرید کر لاتا ہوں۔

وہابی نے میری بات مانی، میں گیا اور کتاب خرید کر اس کے پاس لایا اور اس کی جلد اول کے صفحہ ۱۹ کو کھولا اور اس نے کہا لو یہ پڑھو: لکھا تھا کہ جب ابوبکر کے زمانہ خلافت میں علیؑ و بعض دیگر لوگ جو ابوبکر کی بیعت نہیں کرنا چاہتے تھے سب حضرت علیؑ کے گھر میں جمع تھے، ابوبکر نے عمر بن خطاب کو بلایا اور ان لوگوں سے بیعت لینے کو حضرت علیؑ کے گھر روانہ کیا، عمر در حضرت علیؑ پر آکر بلند آواز سے کہتے ہیں کہ جو بھی اندر ہے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے باہر آجائے جب کوئی باہر نہیں آیا تو عمر نے لکڑیاں منگوائیں اور کہنے لگے خدا کی قسم اگر تم لوگ باہر نہیں آئے تو اس گھر کو تم لوگوں سمیت جلا کر خاک کردوں گا۔ کسی نے عمر سے کہا: اے عمر اس گھر میں دختر رسولؐ فاطمہؑ بھی ہیں وہ کہنے لگے: میرے لئے کوئی فرق نہیں۔ چاہے فاطمہؑ ہی کیوں نہ ہوں۔ مجبوراً بعض لوگ تو خوف سے باہر آگئے مگر حضرت علیؑ نہیں آئے۔ اسی روایت کے ذیل میں لکھا ہے کہ جب ابوبکر بستر مرگ پر تھے تو کہتے تھے کہ کاش میں علیؑ کے گھر کے در پر نہ جاتا چاہے

وہ مجھ سے اعلان جنگ ہی کیوں نہ کرتے۔

اس مقام پر شیعہ عالم نے اس وہابی سے کہا: ذرا ابوبکر کی بات پر توجہ تو کرو کہ کس طرح وہ موت کے وقت افسوس اور پشیمانی کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہابی جو اس استدلال کے سامنے لاجواب ہو کر رہ گیا تھا کہنے لگا: اس کتاب کا مصنف ابن قتیبہ شیعیت کی طرف مائل تھا۔ (مناظرات الحرمین الشریفین مناظرہ نمبر۹)

شیعہ عالم: اگر ابن قتیبہ مذہب تشیّع کی طرف مائل تھا تو کتاب مسلم و صحیح بخاری کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جن میں دو روایتیں ہیں کہ حضرت فاطمہؑ اپنی زندگی کے آخری مراحل میں ابوبکر سے ناراض اس دنیا سے گئی ہیں۔ "فهجرته فاطمه ولم تكلمه في ذالك حتى ماتت." اس بارے میں صحیح مسلم کی جلد ۵ کے صفحہ ۱۵۳ چھاپ مصر اور صحیح بخاری کی جلد ۵ صفحہ ۱۷۷ چھاپ الشعب کے باب "غزوۂ خیبر" میں رجوع کریں۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۶ صفحہ ۴۶)

(۵۶)

تربت امام حسینؑ پر سجدہ کرنا

ایک سنی عالم دین جو دانش گاہ الازہر سے فارغ التحصیل تھے، بنام (شیخ محمد مرعی انطاکی) جو سوریہ کے رہنے والے تھے انہوں نے مذہب تشیع کے سلسلے میں تحقیقات کرنے کے بعد ایک کتاب لکھی "لماذا اخترت مذهب الشيعه" یعنی کیوں میں نے مذہب تشیع کو اختیار کیا۔ اس میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سنی عالم دین سے تربت حسینی و خاک پر سجدہ کرنے کے سلسلے میں اس طرح مناظرہ ہوا:

محمد مرعی: میں اپنے گھر میں تھا کہ میرے کچھ سنی دوست جو دانش گاہ الازہر میں میرے ہم کلامی تھے مجھ سے ملنے آئے۔ اس ملاقات میں اس طرح بحث شروع ہوئی:

سنی دوست: شیعہ لوگ تربت حسینی پر سجدہ کرتے ہیں۔ لہذا اس فعل کی بنا پر وہ لوگ مشرک ہیں۔

محمد مرعی: تربت پر سجدہ کرنا شرک نہیں ہے کیونکہ تربت پر سجدہ خدا کے لئے کرتے ہیں نہ کہ تربت کے لئے۔ اگر بقول تمہارے فرضی محال کی بنا پر کہ اس تربت میں کوئی ایسی چیز ہے جس کی خاطر وہ لوگ اس پر سجدہ کرتے ہیں نہ یہ کہ اس کے اوپر سجدہ کرتے ہیں تو یقیناً اس طرح کا فعل شرک ہے لیکن شیعہ اپنے معبود جو خدا ہے اس کے لئے سجدہ کرتے ہیں یعنی نہایت تواضع کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں خدا کے لئے اس تربت پر پیشانی رکھتے ہیں۔

مزید روشن عبارت: یعنی حقیقت سجدہ خدا کے سامنے نہایت خضوع و خشوع ہے نہ کہ مہر کے سامنے۔

حاضرین میں سے ایک شخص جس کا نام حمید تھا بولا: احسن ہو تم پر تم نے اچھا تجزیہ و تحلیل کیا لیکن یہ سوال ہمارے لئے باقی رہ جاتا ہے کہ تم شیعہ لوگ تربت حسینی ہی پر سجدہ کو کیوں ترجیح دیتے ہو؟ جس طرح تربت پر سجدہ کرتے ہو دوسری چیزوں پر سجدہ کیوں نہیں کرتے؟

محمد مرعی: ہم جو خاک پر سجدہ کرتے وہ پیغمبر اکرمؐ کی اس حدیث کی بنیاد پر کرتے ہیں جو تمام مسلمین کی متفق علیہ حدیث ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً." یعنی خدا نے زمین کو میرے لئے سجدہ گاہ اور پاکیزہ قرار دیا ہے لہذا اس پر تمام مسلمین کا اتفاق ہے کہ سجدہ خالص مٹی پر جائز ہے اس لئے ہم لوگ خاک پر سجدہ کرتے ہیں۔

حمید: کس طرح مسلمین اس مسئلے پر اتفاق نظر رکھتے ہیں؟

محمد مرعی: جب رسول خداؐ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی وہاں پہنچتے ہی آپؐ نے وہاں ایک مسجد بنانے کا حکم دیا کیا اس مسجد کا فرش تھا؟

حمید: نہیں۔

محمد مرعی: پس پیغمبر اکرمؐ اور دیگر مسلمین نے کس چیز پر سجدہ کیا؟

حمید: اسی خاک کی زمین پر سجدہ کیا۔

محمد مرعی: رحلت رسولؐ کے بعد اور زمانہ خلافت ابوبکر و عثمان و عمر میں مسلمان کس چیز پر سجدہ کرتے تھے؟ کیا اس وقت مسجدوں کے فرش تھے؟

حمید: اس وقت فرش نہیں تھے وہ لوگ اسی مسجد کی خاک پر سجدہ کرتے تھے۔

محمد مرعی: لہذا تم اپنے اس بیان سے اعتراف کرتے ہو کہ پیغمبر اکرمؐ نے اپنی تمام نمازوں میں زمین پر سجدہ کیا اسی طرح دیگر مسلمانوں نے بھی اس زمانے اور اس کے بعد والے زمانوں میں خاک پر سجدہ کرتے رہے لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاک پر سجدہ صحیح ہے۔

حمید: میرا اشکال شیعوں کی اس بات پر ہے کہ وہ لوگ کیوں صرف خاک ہی پر سجدہ کرتے ہیں اور وہ خاک بھی جو زمین کربلا سے لی گئی ہو اور اس سے

مہر بنائی گئی ہو اس کو اپنی جیب میں رکھ کر چلتے ہیں جہاں نماز پڑھتے اس کو رکھ کر اس پر سجدہ کرتے ہیں؟

محمد مرعی: اولاً تو شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ زمین کی ہر قسم کی چیز خواہ وہ خاک ہو یا پتھر سجدہ جائز ہے اور ثانیاً یہ کہ سجدہ کے لئے شرط ہے کہ سجدہ کی جگہ پاک ہو۔ لہذا نجس یا آلودہ زمین پر سجدہ صحیح نہیں ہے اسی لئے پاکیزہ خاک کی ایک سجدہ گاہ جس کو مہر کہتے ہیں تیار کرتے ہیں اور اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں تاکہ اس سجدہ گاہ پر جو خالص خاک سے تیار کی گئی ہے اطمینان قلبی کے ساتھ اس پر سجدہ کریں کیونکہ شیعہ جس زمین یا خاک کے پاک ہونے کا اطمینان نہ ہو اس پر سجدہ نہیں کرتے۔

حمید: اگر شیعوں کا مقصد خالص خاک پر سجدہ کرنا ہے تو کیوں صرف خاک اپنے ساتھ نہیں رکھتے بلکہ اس سے مہر بناتے ہیں اور اپنے پاس رکھتے ہیں۔

محمد مرعی: کیونکہ مٹی کو ساتھ رکھنے سے لباس خاک آلود ہوتا ہے اور کیونکہ مٹی کو کہیں بھی کسی چیز میں رکھیں وہ خاک آلود ہو جاتی ہے اسی لئے مٹی میں پانی ملا کر اس سے مہر بناتے ہیں اور اپنے ساتھ رکھتے ہیں جو نہ باعث زحمت ہے اور نہ اس سے لباس و ہاتھ پیر آلودہ ہوتے ہیں۔

حمید: تم لوگ زمین کی چیزوں کے علاوہ قالین، دری اور فرش پر سجدہ کیوں نہیں کرتے؟

محمد مرعی: یہ بات تو میں نے پہلے کہی کہ سجدہ کی غرض خدا کے سامنے انتہائی خضوع و خشوع کرنا ہے چاہے خود خاک پر ہو یا اس سے بنی ہوئی

مہر پر ہو اس سے خدا کے سامنے زیادہ خضوع ہوتا ہے کیونکہ خاک سب سے پست ترین چیز ہے اور انسان کا سب سے عظیم ترین عضو اس کی پیشانی ہے۔ لہذا جب انسان اپنی عظیم ترین چیز کو پست ترین چیز خاک پر حالت سجدہ میں رکھتا ہے تاکہ نہایت خضوع کے ساتھ خدا کی عبادت کرے اسی لئے مستحب ہے کہ سجدہ کی جگہ ہاتھ پیروں سے ذرا نیچی ہو تاکہ زیادہ خضوع کو بیان کرے اسی طرح مستحب ہے کہ سجدہ میں ناک کی نوک بھی خاک پر لگے تاکہ زیادہ خضوع حاصل ہو۔ لہذا خشک شدہ خاک یعنی مہر پر سجدہ کرنا دوسری چیزوں کی نسبت بہتر ہے جن پر سجدہ جائز ہو کیونکہ اگر انسان حالت سجدہ میں اپنی پیشانی قالین یا سونا چاندی یا اس قسم کی دوسری چیزوں پر رکھے وہ خضوع حاصل نہیں ہوتا اور ہو سکتا ہے کہ اس طرح سے سجدہ کرنا خدا کے سامنے بندے کی پستی و تذلیل پر بھی دلالت نہ کرے۔ لہذا اس وضاحت کے بعد آپ بتائیں کہ کیا وہ لوگ جو خدا کے سامنے خضوع و خشوع کے ساتھ مہر پر سجدہ کرتے ہیں کافر و مشرک ہیں یا قالین و رنگ برنگی کپڑوں پر سجدہ کرنا جس سے تواضع نہیں رہتی، یہ تقرب خدا ہے؟ جو کوئی بھی اس طرح کا قصور کرے وہ تصور باطل و بے اساس ہے؟

حمید: تو وہ کلمات کیا ہیں جو اس مہر پر لکھے ہوتے ہیں جس پر شیعہ سجدہ کرتے ہیں؟

محمد مرعی: اولاً تو سب مہروں پر لکھا ہوا نہیں ہوتا جن پر سجدہ کیا جاتا ہے۔ ثانیاً ان میں سے بعض پر یہ لکھا ہوتا ہے: (سبحان ربی الاعلی وبحمدہ. یعنی جو خود ذکر سجدہ کی طرف اشارہ ہے اور بعض پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ تربت زمین

کربلا سے لی گئی ہے تم کو خدا کی قسم ذرا یہ بتاؤ کہ یہ لکھا ہونا موجب شرک ہے؟ کیا یہ سب لکھا ہونا اس خاک کے صحیح سجدہ سے خارج کر دیتا ہے؟

حمید: نہیں یہ ہرگز موجب شرک یا اس پر سجدہ کے جائز ہونے میں مانع نہیں ہے لیکن ایک سوال اور میرے ذہن میں آتا ہے کہ تربت کربلا میں کیا خصوصیت ہے جو اکثر شیعہ اس پر سجدہ کو زیادہ باعث ثواب سمجھتے ہیں؟

محمد مرعی: اس کا راز یہ ہے کہ ہمارے اماموں سے بعض روایات نقل ہوئی ہیں کہ جس میں آیا ہے کہ سجدہ کرنا تربت امام حسینؑ پر دوسری تربتوں سے زیادہ اہمیت و ثواب ہے۔ امام صادقؑ کا ارشاد ہے: "السجود علی تربة الحسین یخرق الحجب السبع." یعنی تربت حسینی پر سجدہ کرنا سات پردوں کو دور کر دیتا ہے۔(بحار جلد ۸۵ صفحہ ۱۵۳) یعنی نماز کی قبولیت کا باعث ہوتا ہے اور اس کی آسمان کی طرف بلندی کا باعث ہوتا ہے اور ایک دوسری روایت ہے کہ آپ صرف تربت حسینی پر سجدہ کرتے تھے اپنے کو خدا کے سامنے چھوٹا و ذلیل ظاہر کرنے کی خاطر۔(بحار جلد ۸۵ صفحہ ۱۵۸ و ارشاد القلوب صفحہ ۱۴۱)

لہذا اس تربت حسینی کو ایک قسم کی برتری حاصل ہے جو دوسری تربتوں میں نہیں ہے۔

حمید: کیا تربت حسینی پر نماز موجب قبول نماز ہوتی ہے چاہے نماز باطل ہی کیوں نہ ہو؟

محمد مرعی: مذہب شیعہ میں ہے کہ اگر نماز کی صحت کی شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی فاسد ہے تو نماز باطل ہے اور ایسی نماز قبول نہیں ہوگی لیکن

جو نماز تمام شرائط صحت پر مشتمل ہو اگر اس کا سجدہ تربت حسینی پر ہو تو قبول ہونے کے علاوہ زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

حمید : کیا زمین کربلا تمام زمینوں حتی کہ مکہ و مدینہ کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتی ہے جو تمام تربت حسینی پر سجدہ دوسری تربتوں کی نسبت افضل ہے؟

محمد مرعی : اس میں کیا عیب ہے کہ اگر خدا اس طرح کی خصوصیت زمین کربلا کو عطا کردے۔

حمید : زمین مکہ جو حضرت آدمؑ کے زمانے سے لیکر اب تک کعبہ کی جگہ بنی ہوئی ہے اور زمین مدینہ جو جسد پیغمبرؐ کو اٹھائے ہوئے ہے کیا ان کا مقام زمین کربلا سے کمتر ہے ویسے یہ عجیب ہے کیا حسینؑ اپنے جد پیغمبرؐ سے بڑھ گئے ہیں؟

محمد مرعی : ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ عظمت و شرافت حسینؑ اپنے جد رسول اکرمؐ کی عظمت مقام و شرافت کے سبب سے ہے لیکن خاک کربلا کو جو سب زمینوں پر برتری حاصل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے جد کی راہ میں اس زمین پر شہادت پیش کی ہے اور مقام حسینؑ مقام رسالت کا ایک جز ہے لیکن اس جہت سے کہ آپ اور آپ کے اصحاب و انصار نے خدا کی راہ میں اسلام کو زندہ کرنے و ارکان دین کو استوار کرنے اور ان کے تحفظ کرنے میں اپنی جانوں کو نثار کر کے شہادت حاصل کی خداوند عالم نے اسی وجہ سے امام حسینؑ کو تین خصوصیتیں عطا کی ہیں۔ پہلی یہ کہ دوسرے ائمہؑ آپ کی نسل سے قرار پائے۔ دوسری یہ کہ ان کی تربت میں شفا ہے۔ تیسری یہ کہ ان کے روضہ اقدس پر کوئی جاکر دعا کرے تو مستجاب ہوتی ہے۔ کیا تربت حسینی کو اس طرح کی خصوصیت عطا

کرنے میں کوئی اعتراض ہے؟ کیا یہ کہنے سے کہ زمین کربلا، ارض مدینہ سے افضل ہے یہ معنی نکلتے ہیں کہ حسینؑ پیغمبرؐ پر برتری رکھتے ہیں جیسا کہ آپ لوگ ہم پر اشکال کرتے ہیں۔ حالانکہ مطلب اس کے برعکس ہے۔ یعنی تربت حسینی کا احترام خود امام حسینؑ کا احترام ہے اور امام حسینؑ کا احترام ان کے جد رسول خداؐ اور خدا کا احترام ہے۔ جب میری بات اس حد تک پہنچی تو ایک دوست جو میری باتوں سے قانع ہو چکا تھا خوشی کے عالم میں اپنی جگہ سے اٹھا اور مجھ سے شیعوں کی کتابوں کی درخواست کی اور مجھ سے کہنے لگا: تمہاری باتیں بہت اچھی تھیں میں تو اب تک سمجھتا تھا کہ شاید شیعہ لوگ امام حسینؑ کو رسول خداؐ سے بڑا مانتے ہیں۔ اب میرے سامنے حقیقت واضح ہو گئی ہے اور تمہاری شیرین گفتگو کا شکریہ اور آج سے میں خود تربت کربلا کی ایک مہر اپنے ساتھ رکھوں گا اور اس پر نماز پڑھا کروں گا۔ (کتاب لماذا اخترت مذھب التشیع محمد مرعی انطاکی صفحہ ۳۴۱ الی صفحہ ۳۴۸)

(۵۷)

اگر پیغمبر اسلامؐ کے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو کون ہوتا؟

ایران کے ایک آیت اللہ العظمیٰ سید عبداللہ شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مکہ میں باب السلام کے سامنے کتاب فروش کے پاس کھڑا ہوا تھا کہ ایک سنی عالم دین آئے اور مجھے سلام کر کے مجھ سے اس طرح گفتگو شروع کی:

سنی عالم: آپ لوگ پیغمبر اکرمؐ کی اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں: "لو کان نبی غیری لکان عمر." یعنی اگر میرے بعد کوئی پیغمبر ہوتا تو وہ

عمر بن خطاب ہوتا۔

میں نے کہا: پیغمبرؐ نے اس قسم کی حدیث ہرگز نہیں کہی ہے بلکہ یہ حدیث جعلی و جھوٹ ہے۔

سنی عالم: دلیل کیا ہے؟

میں نے کہا: تم لوگ حدیث منزلہ کے بارے میں کیا کہتے ہو اور اس حدیث کے ہمارے اور تمہارے درمیان قطعی ہونے کے بارے میں کیا کہتے ہو جو رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں ارشاد فرمائی: "یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی." یعنی اے علیؑ! تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ (صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۲۳۵، صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۸۵، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۹۸)

سنی عالم: ہاں یہ حدیث ہم لوگوں کے نزدیک مسلم وقطعی ہے۔

میں نے کہا: لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر پیغمبر اکرمؐ کے بعد کوئی نبیؐ ہوتا تو وہ حتماً علیؑ ہی ہوتے۔ لہٰذا اس حدیث کی بنا پر وہ حدیث جو تم نے ابھی نقل کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ اگر میر بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا جھوٹی و جعلی ہے۔

وہ اس جواب کے سامنے حیرت زدہ ہو کر رہ گیا اور کچھ نہ کہہ سکا۔ (الاحتجاجات العشرة صفحہ ۱۶)

(۵۸)

مسئلہ متعہ

مرحوم ایت اللہ سید عبداللہ شیرازی فرماتے ہیں کہ اس سنی عالم نے مجھے سے سوال کیا کہ آپ لوگ متعہ کو جائز جانتے ہیں؟

میں نے کہا: ہاں۔

سنی عالم: کیا دلیل ہے؟

میں نے کہا: عمر بن خطاب کے اس قول کی بنا پر جو انہوں نے کہا کہ: "متعتان محللتان فی زمن رسول اللّٰہ وانا احرمھما." یعنی دو متعہ حج تمتع و ازدواج موقت جو پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں حلال تھے لیکن میں ان دو کو حرام کرتا ہوں اور بعض دیگر مقامات پر عمر یوں کہتے ہیں: "متعتان کانتا علی عھد رسول اللّٰہ وانا انھی عنھما واعاقب علیھما متعۃ اللحج و متعۃ النساء." (تفسیر فخر رازی ذیل سورۃ نساء آیت ۲۴) یعنی دو متعہ جو عہد رسولؐ میں حلال تھے میں ان سے منع کرتا ہوں اور ان پر عمل کرنے والوں کو سزا دوں گا وہ دو متعہ ہیں: حج تمتع اور عورتوں سے متعہ۔ لہذا خود عمر کی یہ بات قطع نظر قران و روایات کے جو ان کے جواز پر دلالت کرتی ہے کہ متعہ زمانہ رسولؐ میں حلال تھا لیکن عمر نے اس کو حرام کیا ہے۔ لہذا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ عمر نے کس دلیل کے تحت متعہ کو حرام قرار دیا؟ کیا (نعوذباللہ) وہ رسول خداؐ کے بعد پیغمبر ہوگئے تھے کہ خدا نے انہیں پیغام بھیجا کہ جو انہوں نے متعہ کو حرام کردیا؟ یا عمر پر کوئی وحی نازل ہوئی تھی پھر کیوں انہوں نے متعہ کو حرام قرار دیا تھا جبکہ "حلال محمد حلال الی

یوم القیامة و حرامه حرام الی یوم القیامة" یعنی حلال محمدؐ تا روز قیامت حلال ہے اور حرام محمدؐ تاروز قیامت حرام ہے۔ کیا عمر کے اس طرح کے تغیرات بدعت نہیں ہیں جبکہ رسول خداؐ نے بھی فرمایا کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور گمراہی آتش دوزخ میں جلنے کا سبب بنے گی۔ لہذا مسلمان کس بنا پر عمر کی ان بدعتوں پر عمل کرتے ہیں اور رسول خداؐ کی سنت سے دوری کرتے ہیں؟ (الاحتجاجات العشرہ صفحہ ۷)

وہ سنی عالم میری ان باتوں کے سامنے بے جواب ہو کر رہ گیا۔ مؤلف کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں کافی بحثیں ہیں جس کی تفصیل بحث فقہ میں ہے جیسا کہ سورۃ نساء کی آیت ۲۴ خود جواز متعہ پر دلالت کرتی ہے۔ ہم یہاں پر فقط امام علیؑ کی اس روایت کے بیان پر اکتفا کریں گے کہ: "ان المتعة رحمة رحم الله بها عباده ولولا نهی عمر ما زنی الا شقی." یعنی متعہ ایک قسم کی رحمت ہے جسکے ذریعے خداوند عالم نے بندوں پر لطف و کرم کیا ہے اگر عمر نے اس کو منع نہ کیا ہوتا تو سوائے شقی افراد کے کوئی زنا نہ کرتا۔ (تفسیر ثعلبی و تفسیر طبری ذیل سورۃ نساء آیت ۲۴)

(۵۹)
شیعہ عالم کا مسیحی عالم سے مباحثہ

قرآن مجید کے سورۃ عبس کی پہلی آیت میں پڑھتے ہیں کہ: "عبس وتولی. ان جاءه الاعمی." یعنی اس نے منہ بسور لیا اور پیٹھ پھیر لی کہ اس کے پاس ایک نابینا آگیا۔ لہذا خود اہل تسنن کی کتابوں میں اس آیت کی شان نزول کے سلسلے میں نقل ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کچھ سرداران قریش

کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھے تاکہ ان کو دعوت اسلام دیں اسی دوران ایک مؤمن فقیر بنام عبداللہ مکتوم پیغمبرؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا اے خدا کے رسولؐ مجھے آیات قرآنی سکھائیں تو پیغمبر اکرمؐ اس پر ناراض ہوئے تو خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو اس کام پر سرزنش کی جب کہ روایات شیعہ کے مطابق یہ آیات عثمان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس پر خدا کی طرف سے سرزنش ہوئی ہے کیونکہ اس نے اس نابینا فقیر سے بے اعتنائی کی تھی۔ (تفسیر برہان و نور الثقلین وغیرہ) اب وہ مناظرہ جو شیعہ عالم و مسیحی عالم کے درمیان ہوا ملاحظہ کریں:

مسیحی عالم: حضرت عیسیٰؑ تمہارے پیغمبرؐ سے بہتر تھے اس لئے کہ تمہارے رسولؐ نعوذباللہ کچھ بداخلاق تھے، نابیناؤں سے منہ پھیر لیتے تھے جیسا کہ تمہارے قرآن کے سورۃ عبس میں ذکر ہے جبکہ ہمارے پیغمبر عیسیٰؑ اس قدر خوش اخلاق تھے کہ جہاں بھی نابینا یا کسی بھی بیماری میں کسی کو مبتلا پاتے تو نہ یہ کہ اس کی طرف سے منہ پھیر لیتے تھے بلکہ اس کو شفا دیتے تھے۔

شیعہ عالم: ہم شیعہ معتقد ہیں کہ یہ آیت بداخلاق عثمان کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ تو کافروں تک سے خوش اخلاقی سے پیش آتے تھے تو مؤمنین سے تو بدرجہ اولی اخلاق سے پیش آتے تھے۔ چنانچہ اسی قرآن میں جس کا تم نے نام لیا ہے خداوند عالم پیغمبرؐ کی شان میں فرماتا ہے: "انك لعلى خلق عظيم." یعنی بیشک اے رسولؐ آپ ہی اخلاق عظیم پر فائز ہیں اور دوسری جگہ قرآن میں ارشاد خداوندی ہوتا ہے: "وما ارسلنك الا رحمة للعالمين" یعنی اے رسولؐ! ہم نے آپ کو لوگوں میں نہیں بھیجا مگر یہ کہ عالمین کیلئے رحمت قرار دیا ہے۔

مسیحی عالم: میں نے یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی ہے بلکہ ایک مسلم خطیب سے بغداد کی مسجد میں سنی ہے۔

شیعہ عالم: وہی جو میں نے کہا کہ ہم شیعوں کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ سورۃ عبس کی یہ ابتدائی دو آیتیں عثمان سے مربوط ہیں۔ بعض بنی امیہ کے راویوں نے جو عثمان کی حفاظت کرتے تھے اس کی نسبت پیغمبرؐ کی طرف دی ہے۔

بہ عبارت دیگر: سورۃ عبس کی آیات میں اس چیز کی تصریح بھی نہیں ہے کہ وہ نابینا شخص کون تھا مگر سورۃ قلم کی آیت ۴ اور سورۃ انبیاء کی آیت ۱۰۷ میں اس کا ذکر ہے کہ یہ آیات پیغمبرؐ کے بارے میں نہیں تھیں۔ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ یہ سورۃ عبس کی دو آیتیں اس وقت نازل ہوئیں جب بنی امیہ میں سے ایک شخص پیغمبرؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور وہ نابینا شخص جس کا نام "ابن ام مکتوم" تھا جن کو دیکھ کر وہ صحابی منہ پھیر کر اس کی طرف پشت کر کے بیٹھ گیا تھا۔ اب تو اس مسیحی عالم سے کچھ نہیں کہا جاسکا اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ (مجمع البیان جلد ۱۰ صفحہ ۴۳۷)

(۶۰)

شیخ مفید کا قاضی عبدالجبار سے مکالمہ

ایک شیعہ بزرگ عالم محمد بن محمد بن نعمان جو شیخ مفید کے نام سے مشہور تھے ۱۱ ذی القعدہ سال ۳۳۶ یا ۳۳۸ کو سویقہ نامی دیہات جو شمال بغداد سے دس فرسخ کے فاصلے پر ہے ولادت ہوئی اپنے والد جو معلم تھے بغداد آئے اور تحصیل علم کی یہاں تک کہ مذہب تشیع کے بڑے عالم دین اور تمام اسلامی فرقوں کے معتمد

علیہ قرار پائے، علامہ حلی شیخ مفید کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مفید مذہب تشیع کے رہبر و استاد تھے کیونکہ جو بھی ان کے بعد آیا ان کے علم سے فیضیاب ہوتا رہا۔(رجال نجاشی صفحہ ۳۱۱) ابن کثیر شامی اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں کہتے ہیں کہ شیخ مفید شیعیت کا دفاع کرنے والے مصنف تھے ان کی مجلس و دروس میں مختلف مذاہب کے علماء شرکت کیا کرتے تھے۔(البدایہ والنہایہ جلد ۱۲ صفحہ ۱۵) شیخ مفید نے دو سو سے زیادہ مختلف فنون میں کتابیں تالیف کی ہیں نجاشی جو نسب شناس معروف ہیں وہ شیخ مفید کی تالیفات ۱۷۰ سے زیادہ کے نام لیتے ہیں۔(مقدمہ اوائل المقالات تبریز سال ۱۳۷۱ھ)

شیخ مفید نے شب جمعہ ماہ رمضان ۳ سال ۴۱۳ھ بغداد میں اس دنیا کو خدا حافظ کہا آپ کی قبر کاظمین میں امام جواد کے جوار میں ہے شیخ مفید فن مناظرہ میں کافی ذہین و قوی تھے ان کے محکم و مستدل مناظرات میں سے یہاں ایک مناظرہ نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ بقول بعض لوگوں کے کہ اسی مناظرے کے بعد سے آپ کو شیخ مفید کا لقب ملا۔ شیخ مفید کے زمانے میں ایک بڑا سنی عالم دین بغداد میں درس دیا کرتا تھا جس کا نام قاضی عبدالجبار تھا۔ ایک دن وہ اپنے شاگردوں کو درس دے رہا تھا اس کے درس میں شیعہ و سنی سب شاگرد حاضر تھے۔ اس دن شیخ مفید بھی اس کے درس میں جا کر بیٹھ گئے۔ قاضی جس نے آج تک شیخ مفید کو نہیں دیکھا تھا، مگر ان کے اوصاف سنے تھے، کچھ لمحات گزرنے کے بعد شیخ مفید قاضی سے کہتے ہیں کہ اجازت ہے کہ ان شاگردوں کے سامنے آپ سے کچھ سوالات کرلوں؟

قاضی : پوچھو۔

شیخ مفید : یہ حدیث جو شیعہ پیغمبر اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؐ نے صحرا غدیر میں علیؑ کے بارے میں فرمایا کہ : "من کنت مولا فھذا و حلی مولاہ" یعنی میں جس کا مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ کیا صحیح ہے یا شیعوں نے جعلی بنائی ہے؟

قاضی : یہ روایت صحیح ہے۔

شیخ مفید : لفظ مولا سے اس روایت میں کیا مراد ہے؟

قاضی : سردار و مولا و آقا۔

شیخ مفید : اگر ایسا ہے تو پیغمبرؐ کے قول کے مطابق حضرت علیؑ سب کے آقا و مولا ہیں تو پھر سنی و شیعوں کے درمیان اختلاف و دشمنیاں کیوں ہیں؟

قاضی : اے برادر یہ حدیث غدیر بطور روایت و مطلب نقل ہوئی ہے جب کہ خلافت ابوبکر (درایت) و ایک امر مسلم ہے اور ایک عاقل انسان روایت کی خاطر درایت کو ترک نہیں کیا کرتا۔

شیخ مفید : آپ پیغمبرؐ کی اس حدیث جو علیؑ کی شان میں کہی کیا کہتے ہیں : (یاعلی حربك حربی وسلمك سلمی) یعنی اے علی تمہاری جنگ میری جنگ ہے اور تمہاری صلح میری صلح ہے۔

قاضی : یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ مفید : لہذا اس بنا پر جنھوں نے جنگ جمل تیار کی تھی مانند طلحہ زبیر و عائشہ وغیرہ اور علیؑ کے ساتھ لڑے تھے لہذا اس حدیث کے مطابق جس کی

خود آپ نے ابھی تصدیق کی ہے گویا خود رسول خداؐ سے جنگ کرنا نہیں ہے اور رسول خداؐ سے تو جنگ کرنے والے کافر ہیں۔

قاضی: برادر عزیز طلحہ و زبیر وغیرہ نے توبہ کرلی تھی۔

شیخ مفید: جنگ جمل تو درایت و قطعی ہے مگر ان کا توبہ کرنا روایت ہے جو صرف سنی گئی ہے اور ابھی آپ کے قول کے مطابق درایت کو روایت کے پیچھے نہیں چھوڑا جاسکتا اور مرد عاقل روایت کے پیچھے درایت کو نہیں چھوڑتا۔

قاضی: کافی دیر تک سوچتا رہا جب کوئی جواب نہ بن سکا تو کہنے لگا تم کون ہو؟

شیخ مفید: میں آپ کا خادم محمد بن محمد بن نعمان ہوں۔

قاضی: اسی وقت منبر سے نیچے اترا اور شیخ مفید کا ہاتھ پکڑا اور اپنی جگہ پر بٹھاتے ہوئے کہا: انت المفید حقا. یعنی تم مفید ہو سب کے لئے۔ باقی دیگر علماء جو اس درس میں بیٹھے ہوئے تھے قاضی کی اس حرکت پر کافی ناراض ہوئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ قاضی نے ان سب سے کہا میں تو اس شیخ مفید کے جوابات میں بے جواب ہو کر رہ گیا ہوں لہذا اگر تم میں سے کسی کے پاس ان کا جواب ہے تو دے دو۔ کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں اٹھا اس طرح شیخ وہ مناظرہ جیت گئے اور اس درس میں لوگوں کی زبانوں پر آپ کے لقب مفید کا ورد ہونے لگا۔ (مجالس المؤمنین جلد اول صفحہ ۲۰۰۔۲۰۲ مجلس پنجم)

(٦١)

شیخ مفید کا عمر بن خطاب سے مکالمہ

ہم قرآن کے سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۴۰ میں پڑھتے ہیں: "الا تنصروہ فقد نصرہ اللّٰہ اذا اخرجہ الذین کفر وثانی اثنین اذ ھما فی الغاء اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللّٰہ معنا فانزل اللّٰہ سکینہ علیہ وایدہ بجنودلم تروھا."

یعنی اگر تم لوگ اس رسولؐ کی مدد نہیں کروگے تو کوئی پرواہ نہیں خدا مددگار ہے۔ اس نے تو اپنے رسولؐ کی اس وقت بھی مدد کی جب اس کو کفار مکہ نے گھر سے باہر نکال دیا تھا، اس وقت صرف دو آدمی تھے، جب وہ دونوں غار ثور میں تھے اور رسولؐ اپنے دوسرے ساتھی کو اس کی گریہ و زاری پر سمجھا رہے تھے کہ گھبراؤ نہیں خدا یقیناً ہمارے ساتھ ہے تو خدا نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی اور فرشتوں کے ایسے لشکر سے ان کی مدد کی جن کو تم لوگوں نے دیکھا تک نہیں تھا۔"

علماء اہل تسنن اس آیت کو فضائل ابوبکر کے معروف دلائل میں نقل کرتے ہیں اور ابوبکر کو غار کا دوست کے نام سے پکارتے ہیں اور اس کی خلافت کی تائید کے لئے اس کو پیش کرتے ہیں شعراء ان کو اسی عنوان سے یاد کرتے ہوئے ان کی تعریف کرتے ہیں مثلاً سعدی کہتا ہے:

اے یار غار سید و صدیق و راہبر
مجموعہ فضائل و گنجینہ صفا
مردان قدم بہ صحبت یاراں نہادہ اند
لیکن نہ چنان کہ تو درکام اژدہا

(بوستان سعدی)

علامہ طبرسی کتاب احتجاج و کراجکی کنزالفوائد میں شیخ ابو علی حسن بن محمد رقی نقل کرتے ہیں کہ شیخ مفید فرماتے ہیں کہ میں نے یک دن خواب میں دیکھا کہ کہیں جارہاہوں ناگاہ میری نظر لوگوں کی ایک جمعیت پر پڑی جو ایک شخص کے گرد جمع تھے وہ شخص لوگوں کے لئے قصے نقل کرتا تھا میں نے لوگوں سے پوچھا وہ شخص کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ عمر بن خطاب ہے۔ میں عمر کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک شخص عمر سے بات کررہا ہے مگر میں ان کی گفتگو نہیں سمجھ سکا۔ میں ان کی بات کاٹتے ہوئے بولا: ابوبکر کی برتری پر اس آیت: "اذھما فی الغار" میں کیا دلیل ہے؟ اس آیت میں چھ نکتے ہیں جو ابوبکر کی فضیلت کو بیان کرتے ہیں: نکتہ اول: یہ کہ اس آیت میں پیغمبر اکرمؐ کے بعد ابوبکر کو دوسرا (ثانی اثنین) پکارا گیا ہے۔ نکتہ دوم: یہ کہ اس آیت میں رسولؐ و ابوبکر کو ایک ساتھ جو ان کی دوستی کی دلیل ہے "واذھما فی الغار." نکتہ سوم: یہ کہ اس آیت میں ابوبکر کو پیغمبرؐ کا رفیق کے نام سے پکارا گیا ہے جو ابوبکر کی بلندی کی دلیل ہے "اذیقول لصاحب." نکتہ چہارم: یہ کہ خداوند عالم نے ابوبکر کے لئے "لاتحزن" کی آیت نازل کی یعنی غمگین نہ ہو۔ نکتہ پنجم: یہ کہ پیغمبر اکرمؐ نے ابوبکر کو خبر دی کہ خدا ہم دونو کا یار و مددگار ہے بطور مساوی "ان اللہ معنا." نکتہ ششم: خداوند عالم نے اس آیت کے ذریعے سکون و آرام کی خبر دی کیونکہ پیغمبرؐ کو تو آرام و سکون کی ضرورت نہیں ان کو تو پہلے ہی سے حاصل تھی "فانزل اللہ سکینتہ علیہ"۔

لہذا اس آیت کے یہ چھ نکتہ تھے جو ابوبکر کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں جن کو تم ہرگز رد نہیں کرسکتے۔

شیخ مفید کہتے ہیں میں نے کہا کہ بیشک تم نے ابوبکرؓ سے رفاقت کا حق ادا کردیا لیکن میں انشاء اللہ خدا کی مدد سے ان تمام چھ نکتوں کے جوابات دوں گا اس تیز ہوا کی طرح جو طوفانی دن میں خاک کو اڑایا کرتی ہے اور وہ جواب یہ ہیں۔

نکتہ اول کا جواب: یہ ہے کہ ابوبکرؓ کو دوسرا نفر قرار دینا اس کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ جب مؤمن کے ساتھ کہیں کافر کھڑا ہو تو مؤمنین کی بات کرتے وقت کہا جائے گا کہ وہ دوسرا کافر ہے نہ کہ یہ دوسرا ہونا اس کی فضیلت ہے۔

نکتہ دوم کا جواب: یہ کہ ابوبکر کا رسول خداؐ کے ساتھ ہونا اس کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتا ہی جیسا کہ پہلے ذکر کیا کہ ایک ساتھ جمع ہونا فضیلت نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات مؤمن و کافر جمع ہوتے ہیں کیونکہ مسجد جس کی فضیلت غار ثور سے زیادہ ہے اس میں بھی پیغمبرؐ کے پاس مؤمن و منافق آتے تھے اور ایک ساتھ جمع ہوتے تھے جیسا کہ سورہ معارج کی آیت نمبر ۳ و ۷ ۳ میں پڑھتے ہیں "فمال الذین کفروقبلك مهطعین عن الیمین وعن الشمال عزین" یعنی ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ دائیں سے بائیں آپ کے گرد گروہ در گروہ جمع ہو رہے ہیں۔ اسی طرح کشتی نوحؑ میں پیغمبرؑ بھی تھے اور شیطان بھی تھا ان دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا شیطان کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتا۔

تیسرے نکتہ کا جواب: اس کا رسولؐ کی مصاحبت میں رہنا باعثِ فضیلت نہیں ہے کیونکہ مصاحبت کے معنی ساتھ کے ہیں کیونکہ بعض اوقات مؤمن کا ساتھ ہوتا ہے اور کبھی کافر کا ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ خداوند عالم سورہ کھف کی آیت ۷ ۳ میں فرماتا ہے کہ "قال له صاحبه وهو یحاوره اکفرت بالذی خلقك

من تراب" یعنی اس کا ساتھی جو اس سے باتیں کر رہا تھا کہنے لگا کہ کیا تو اس پروردگار کا منکر ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا"

چوتھے نکتہ کا جواب: پیغمبرؐ کا ابوبکر سے کہنا کہ "لا تحزن" یہ ابوبکر کی خطاء کی دلیل ہے نہ اس کی فضیلت ہے کیونکہ ابوبکر کا حزن یا اطاعت تھا یا گناہ اگر اطاعت تھا تو پیغمبرؐ کو اس سے منع نہیں کرنا چاہئے تھا لہذا وہ حزن گناہ تھا جس سے رسول خداؐ نے منع کیا۔

پانچویں نکتہ کا جواب: پیغمبرؐ کا یہ کہنا کہ "ان اللہ معنا" اس بات پر دلیل نہیں ہے کہ ہم دونوں ساتھ ہیں بلکہ اس سے مراد تمہارسول خداؐ کی ذات ہے۔ رسول خداؐ نے اپنے کو لفظ جمع سے تعبیر کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے قرآن میں خود کو لفظ جمع سے تعبیر کیا ہے "ان نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" (سورہ حجر آیت ۹) یعنی ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

چھٹے نکتہ کا جواب: تم نے جو کہا کہ خدا نے ابوبکر پر سکون و آرام کو نازل کیا یہ کہنا ظاہر آیہ کے سیاق کے خلاف ہے کیونکہ "سکینہ" اس کے لئے نازل ہوا جو آخر آیت کے لحاظ سے رسول خداؐ کی ذات ہے اور وہ لشکر جو ان کی مدد کو آیا تھا، کیونکہ پیغمبرؐ ہی کے شایان شان تھا کہ ان کیلئے سکینہ نازل ہو کیونکہ قرآن میں ایک دوسری جگہ پیغمبرؐ کے ساتھ سکینہ میں دوسرے مؤمنین بھی شامل ہیں جس میں دونوں کا نام آیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے "فانزل اللہ سکینہ علیٰ رسولہ و علی المؤمنین" (سورہ فتح آیت ۲۶) یعنی خدا نے اپنے رسولؐ اور مؤمنین پر سکون نازل کیا لہذا تم اگر اس آیہ غار کے ذریعے ان کی رفاقت پر استدلال نہ کرو تو بہتر ہے۔

شیخ مفید کہتے ہیں کہ عمر جواب نہ دے سکے تو لوگ ان کے گرد سے منتشر ہوگئے اور میں خواب سے بیدار ہوگیا۔ (احتجاج طبرسی جلد ۲ صفحہ ۳۲)

(۶۲)

آیۂ غار کے سلسلے میں مامون کا ایک سنی عالم سے مکالمہ

مامون (ساتواں خلیفہ عباسی) نے قاضی وقت یحییٰ بن اکثم کو حکم دیا کہ فلاں دن فلاں مقام پر تمام برجستہ علماء کو ہماری مجلس میں حاضر کرو۔ یحییٰ بن اکثم نے تمام سنی علماء و راوین کو مامون کی اس مجلس میں حاضر کیا۔ جب سب جمع ہوگئے تو مامون نے احوال پرسی کے بعد کہا: میں نے آپ سب کو یہاں اس لئے جمع کیا ہے کہ آپس میں بیٹھ کر امامت کے بارے میں آزادانہ بحث کریں تاکہ سب پر حجت تمام ہوجائے۔ اس مجلس میں سب علماء ابوبکر و عمر کی برتری کی باتیں کر رہے تھے تاکہ ان کا خلیفہ رسول خداؐ ہونا ثابت کرسکیں۔ مامون ان کے کہنے کو (روشن تر بیان سے) رد کرتا رہا۔

یہاں تک کہ اس میں سے ایک عالم جس کا نام اسحاق بن حماد بن زید تھا میدان مناظرہ میں آیا اور مامون سے کہنے لگا: خداوند عالم ابوبکر کے بارے میں فرماتا ہے: "ثانی اثنین اذھما فی الغار اذ یقول لصاحبه لاتحزن ان اللّٰہ معنا" یعنی پیغمبر خدا مکہ سے ہجرت کے وقت غار ثور میں چھپ گئے تھے گویا آپ دو فرد تھے دونوں غار میں تھے۔ پیغمبرؐ نے اپنے دوست ابوبکر سے کہا: محزون نہ ہو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ لہذا خدا نے انہیں سکون قلبی عطا کیا اور خداوند عالم نے ابوبکر

کو پیغمبرؐ کا دوست اور مصاحب کے نام سے پکارا ہے۔

مامون: عجیب بات ہے کہ تم لغت و قرآن کے سلسلے میں کتنی کم معرفت رکھتے ہو کیا کافر مومن کا مصاحب و دوست نہیں ہو سکتا؟ لہذا ایسی صورت میں یہ مصاحبت کافر کے لئے افتخار کا باعث ہوگی؟ جیسا کہ قرآن سورہ کہف کی آیت نمبر ۳۷ میں ارشاد ہوتا ہے: "قال له صاحبه وهو يحاوره اكفرت بالذى خلقك من تراب" یعنی مومن دوست اپنے دوسرے ثروتمند و مغرور دوست سے کہنے لگا کہ کیا اس خدا کا جس نے تمہیں خاک سے پیدا کیا ہے انکار کرتے ہو۔ لہذا اس آیت کے مطابق مومن کافر کے ساتھ مصاحب و دوست ہو سکتا ہے اور فصحاء عرب کے اشعار بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ بعض اوقات انسان کو حیوان کے ساتھ مصاحب کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے لہذا لفظ مصاحب ہرگز ان کے افتخار پر دلیل قرار نہیں پاسکتا۔

اسحاق: خداوند عالم نے آیۂ لاتحزن کے ذریعے ابوبکر کو تسلی دی ہے۔

مامون: ذرا مجھے بتاؤ کہ ابوبکر کا حزن تھا یا اطاعت؟ اگر کہتے ہو اطاعت تھی تو اس جگہ گویا فرض کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبرؐ نے اطاعت سے منع کیا (اس قسم کی نسبت پیغمبرؐ کی طرف دینا صحیح نہیں ہے) اگر کہتے ہو گناہ تھا تو یہ آیۂ ایک گناہگار کی فضیلت و افتخار کے لئے کیسے ہو سکتی ہے۔

اسحاق: خدا نے قلب ابوبکر کو سکون عطا کیا یہی ان کیلئے باعث افتخار ہے۔ لہذا یہاں سکینہ سے مراد ابوبکر ہی ہیں۔ پیغمبرؐ کو سکینہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مامون: خداوند عالم سورۂ توبہ کی آیت ۲۵ اور ۲۶ میں فرماتا ہے:

"ویوم حُنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیأ وضاقت علیکم الارض بمارحبت ثم ولیتم مدبرین. ثماانزل اللّٰہ سکینہ علی رسولہ وعلی المؤمنین" یعنی جنگ حُنین کے دن جب تمہیں اپنی کثرت نے مغرور کردیا تھا پھر وہ کثرت تمہیں کچھ بھی کام نہ آئی اور تم ایسے گھبرائے کہ زمین باوجود اس وسعت کے تم پر تنگ ہوگئی تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے تب خدا نے اپنے رسولؐ پر اور مؤمنین پر تسکین نازل فرمائی۔" اے اسحاق کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کون لوگ تھے جو جنگ سے نہیں بھاگے اور آخر تک پیغمبرؐ کے ساتھ تھے؟

اسحاق: میں نہیں جانتا یا مجھے نہیں معلوم۔

مامون: جنگ حُنین جو مکہ و طائف کے درمیانی علاقہ میں ہجرت کے آٹھویں سال ہوئی تمام سپاہ اسلام شکست کھا کر بھاگ گئے مگر پیغمبر اکرمؐ اور ان کے ساتھ علیؑ اور رسول خداؐ کے چچا عباس اور پانچ دوسرے بنی ہاشم تھے آخر خداؑ نے ان لوگوں کو کامیابی عطا کی اس جگہ خدا نے اپنے پیغمبر اور ان سات مؤمنین جو رسول کے ہمراہ تھے تسکین نازل کی لہذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کو بھی تسکین کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسحاق: تو کیا آپ کی مراد اس جگہ علیؑ و دیگر بنی ہاشمؑ ہیں جو میدان میں حاضر تھے تو ان لوگوں میں اور ان صاحب کے درمیان جو غار میں رسول کے ساتھ تھے تسکین کے لحاظ سے کون افضل ہیں۔

مامون: ذرا تم بتاؤ کے وہ افضل ہے جو غار میں رسولؐ کے ہمراہ تھا یا وہ افضل ہے جو بستر رسولؐ پر سویا اور رسولؐ کی جان بچنے کا سبب بنا جیسا کہ علیؑ نے

کہا تھا کہ یا رسول اللہ اگر میں آپ کے بستر پر سو جاؤں تو کیا آپ کی جان بچ جائے گی۔ پیغمبرؐ نے فرمایا (ہاں) تو علیؑ نے فرمایا: "سمعاً وطاعتہ" تو صحیح ہے میں آپ کی اطاعت کرتا ہوں۔ پھر علیؑ بستر رسولؐ پر سو گئے۔ مشرکین جو رات بھر نگاہ کئے ہوئے تھے ان کو ذرا بھی شک نہیں ہوا کہ پیغمبر کے علاوہ کوئی اور سو رہا ہے۔ سب نے اتفاق رائے سے پروگرام بنایا کہ ہر قبیلے کا ایک ایک فرد مل کر پیغمبرؐ پر حملہ آور ہوگا تاکہ پیغمبرؐ کے قتل کی ذمہ داری کسی ایک پر نہ آئے اور اس طرح بنی ہاشم ہم سے انتقام نہ لے سکیں۔ علیؑ مشرکین کی یہ باتیں سن کر غمگین نہیں ہوئے۔ جس طرح ابوبکر غار میں مغموم ہو رہے تھے جبکہ وہ پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ تھے جبکہ علیؑ تنہا تھے اس کے باوجود پورے خلوص و استقامت کے ساتھ لیٹے رہے۔ خداوند عالم نے فرشتوں کو ان کے پاس بھیجا تاکہ مشرکین قریش سے ان کو امان میں رکھیں۔ لہذا علیؑ نے اس قسم کی فداکاریاں اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے لئے دی ہیں۔ (بحار جلد ۳۹ صفحہ ۱۹۳)

(۶۳)

نجیبی مؤلف و ابن ابی الحدید کے درمیان مکالمہ

علماء اہلسنت کے بڑے عالم دین و مؤرخ عبدالحمید بن محمد بن حسین بن ابی الحدید مؤلف جو ابن ابی الحدید کے نام سے مشہور تھے، جن کے اہم اور معروف آثار میں سے ایک شرح نہج البلاغہ ہے جو انہوں نے ۲۰ جلدوں پر مشتمل تحریر کی ہے، ان کا سال ۶۵۵ء میں بغداد میں انتقال ہوا۔ وہ اپنی اس شرح نہج البلاغہ کی چھٹی جلد

میں رسول خداؐ کی رحلت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ حضرت عمر کچھ لوگوں کے ہمراہ در فاطمہؑ پر آئے اور صدا فاطمہؑ بلند ہوئی کہ میرے گھر سے دور ہو جاؤ۔ جس کی صحیح بخاری و صحیح مسلم نے بھی تصریح کی ہے:

"فهجرته فاطمه ولم تكلمه في ذالك حتى ماتت فد فنها علي ليلا ولم يوذن بها ابا بكر."

یعنی حضرت فاطمہؑ نے مرتے دم تک ابوبکر سے بات نہیں کی اور علیؑ نے حضرت فاطمہؑ کو رات میں دفن کیا جس کی ابوبکر کو خبر نہیں دی گئی۔ (شرح نہج البلاغہ ابن الحدید جلد ۶ صفحہ ۴۹ ابی ۴۷)

اس کے باوجود ابی الحدید صاحب عمر و ابوبکر کی حمایت میں اس طرح تعبیر کرتے ہیں: "فان هذا لو ثبت انه خطا لم يكن كبيرة بل كان من باب الصغائر التي لاتقتضي التبرى ولا توجب زوال التولي" یعنی اگر ثابت بھی ہو جائے کہ ابوبکر و عمر کی اس طرح کی رفتا فاطمہؑ کے ساتھ گناہ تھی مگر گناہ کبیرہ نہیں تھی بلکہ گناہ صغیرہ تھی جو ان سے قطع دوستی و بیزاری کا ہرگز سبب نہیں بن سکتی۔

مؤلف: کیا درِ فاطمہؑ پر جمع ہو کر اس کو جلانا اور علیؑ کی گردن میں رسی باندھ کر لے جانا، فاطمہؑ کو ناراض کرنا اس حد تک کہ آپؑ نے آخری دم تک ان سے کوئی کلام نہ کیا ہو، یہ گناہ صغیرہ ہے؟

اگر ابن ابی الحدید نے یہ کہا ہوتا کہ اصل واقعہ ہی ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے تو ہمیں زیادہ تعجب نہ ہوتا مگر وہ صحت حادثہ کا اقرار کرتے ہیں مگر پھر بھی اس طرح سے قضاوت کی ہے۔ کیا انہیں گناہ کبیرہ و صغیرہ کے درمیان فرق

نہیں معلوم تھا؟ جبکہ تنہا ابن ابی الحدید ہی نے یہ واقعہ نقل نہیں کیا، بلکہ دیگر سنی علماء نے بھی نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت فاطمہؑ کے بارے میں فرمایا تھا: " ان اللّٰہ یغضب لغضب فاطمة و یرضی لرضاها" یعنی جس نے فاطمہؑ کو غضبناک کیا اس نے خدا کو غضبناک کیا، جس نے فاطمہؑ کو خوش کیا اس نے خدا کو خوش کیا۔ جس سے فاطمہؑ ناراض ہیں اس سے خدا ناراض ہوتا ہے اور جس سے فاطمہ خوش ہوتی ہیں اس سے خدا خوش ہوتا ہے۔

دوسرے موقع پر پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "فاطمة بضعة منی من اذاها فقد اذانی و من آذانی فقد اذی اللّٰہ" یعنی فاطمہؑ میرے جگر کا ٹکڑا ہیں، جس نے اسے اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی، جس نے مجھے اذیت دی اس نے خدا کو اذیت دی۔" (صحیح بخاری دار الجیل بیروت جلد ۷ صفحہ ۴۷ اور جلد ۹ صفحہ ۱۸۵ فضائل الخمسہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۰)

ان دونوں یعنی عمر و ابوبکر نے فاطمہؑ کو اذیتیں دیں جو خدا اور رسولؐ کو اذیت دینے کا باعث ہوگیا، تو کیا یہ گناہ صغیرہ ہے؟ اگر یہ گناہ صغیرہ ہے تو گناہِ کبیرہ کیا ہے؟ کیا خداوند عالم قرآن میں یہ نہیں فرماتا کہ: "ان الذین یؤذون اللّٰہ ورسوله لعنهم اللّٰہ فی الدنیا والآخرة واعدلهم عذاباً مهینا" (سورہ احزاب آیت ۵۷) یعنی جو خدا و رسولؐ کو اذیت دے خداوند عالم دنیا و آخرت میں ان پر لعنت بھیجنے والا ہے ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔"

(۶۴)

اجتہاد در مقابل نص

جو بات اسلام کی نظر میں آیاتِ قرآنی و فرمان نبیؐ سے صریح روشن ہو اس کی پیروی کرنی چاہئے۔ اگر اس کے مقابل توجیہات کی جائے تو اسے اجتہاد کہتے ہیں جبکہ نص کے مقابل اجتہاد قطعاً باطل ہے اور اس طرح کا اجتہاد بدعت ہے جو انسان کو کفر و گمراہی میں ڈال دیتا ہے۔ اجتہاد کے معنی یہ ہیں کہ حکم موضوعی کے سلسلے میں صحیح دلیل جو سند یا دلالت کی رو سے روشن ہو۔ مجتہد قواعد اجتہاد کی رو سے اس موضوع کے حکم کو اخذ کرتا ہے۔ اس طرح کا اجتہاد مجتہد جامع الشرائط سے اس کے مقلدین کے لئے حجت ہوتا ہے۔ اب اس کے بعد درج ذیل مناظرہ ملاحظہ فرمائیں۔

بادشاہ سلجوقی اور اس کے وزیر نے ایک مجلس تشکیل دی جس میں "خواجہ نظام الملک" بھی حاضر تھے۔ ایک بڑے سنی عالم "عباسی" اور ایک شیعہ عالم "علوی" کے درمیان عوام اور علماء کے ہجوم میں اس طرح سے مناظرہ شروع ہوا۔

علوی: تمہاری معتبر کتابوں میں ملتا ہے کہ عمر بن خطاب نے رسول خداؐ کے زمانے کے بعض قطعی احکام کو بدل دیا تھا۔

عباسی: کونسے احکام کو تبدیل کیا ہے؟

علوی: مثلاً (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۱) نماز تراویح جو نافلہ کے طور پر انجام دی جاتی ہے، عمر نے کہا: اسے جماعت سے پڑھا جائے جبکہ نافلہ نماز کو ہرگز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا جاسکتا۔ جیسا کہ

رسول خداؐ کے زمانے میں رائج تھا۔ مگر صرف نماز استسقاء تھی جو زمانہ رسولؐ میں بھی جماعت کے ساتھ پڑھی جاتی تھی۔ (شرح زرقانی بر موطا مالک جلد ا صفحہ ۲۵) یا مثلاً عمر نے حکم دیا کہ اذان کے جملے "حی علی خیر العمل" کی جگہ "الصلوٰۃ خیر من النوم" کے جملے کو کہا جائے۔ یا مثلاً حج تمتع اور متعہ (ازدواج موقت) دونوں کو انہوں نے حرام قرار دیا۔ یا مثلاً زکوٰۃ میں مولفۃ القلوب کے حصہ کو درمیان سے حذف کردیا جبکہ سورۂ توبہ کی آیت ۶۰ میں ان کے حصے کی تصریح ہے۔ اگرچہ دوسرے احکام بھی ہیں مگر یہاں صرف نمونہ کے طور پر کچھ ذکر کئے ہیں۔

بادشاہ سلجوقی: کیا یہ سچ ہے کہ عمر نے ان احکام کو تبدیل کیا ہے؟

خواجہ نظام الملک: جی ہاں یہ سب اہلسنت کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔

بادشاہ سلجوقی: تو ہم ایسے بدعت گزار شخص کی کیونکر پیروی کرتے ہیں؟

قوشجی: (قوشجی سنی مذہب کا بڑا عالم دین ہے جسے امام المتکلمین کہتے ہیں) اگر عمر نے حج تمتع، متعہ یا اذان سے "حی علی خیر العمل" کے جملات کو منع کیا ہے تو یہ ان کا اجتہاد ہے اور اجتہاد بدعت نہیں ہے۔ (شرح تجرید قوشجی صفحہ ۴۷۳)

علوی: کیا قرآن کی تصریح اور پیغمبر اکرمؐ کے صریح فرمان کے بعد کوئی دوسری بات کی جاسکتی ہے؟ کیا نص کے مقابل میں اجتہاد جائز ہے؟ اگر ایسا ہے تو تمام مجتہدوں کو یہ حق تھا کہ اپنے اپنے زمانہ میں اسلام کے بہت سارے احکامات کو تبدیل کردیتے، اس طرح اسلام کی جاودانی ختم ہوجاتی۔ لہٰذا حقیقت یہ ہے جو قرآن فرماتا ہے: "ما آتاکم الرسول فخذوہ ونہاکم عنہ فانتھوا" (سورۂ حشر آیت ۷)

یعنی جو رسولؐ کہیں اسے لے لو اور جس سے رسولؐ منع کریں رک جاؤ

اور دوسری جگہ ارشاد ہوا: "وماکان لمومن ولا مومنة اذا قضی الله و رسوله امراً ان یکون لهم الخیرة من امرهم" (سورۂ احزاب آیت ۳۶)

یعنی کسی بھی مومن مرد و عورت کو کوئی حق نہیں ہے کہ جن امور کو خدا اور رسولؐ نے لازم کردیا ہو اس میں کسی کو اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں ہے۔ اور کیا ایسا نہیں ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا: "حلال محمد حلال الی یوم القیامة و حرام محمد حرام الی القیامه" یعنی حلال محمدؐ تا روز قیامت حلال ہے اور حرام محمدؐ تا روز قیامت حرام ہے۔

نتیجہ: یہ ہے کہ ہرگز اسلام کے صریح احکام کو کوئی تبدیل کرنے کا حق نہیں رکھتا، حتی کہ خود پیغمبرؐ بھی یہ کام نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ خود پیغمبر اکرمؐ کے لئے قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: "ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منه بالیمین. ثم لقطعنا منه الوتین. فما منکم من احد عنه حاجزین." (سورۂ حاقہ آیت ۴۴ تا ۴۷)

یعنی اگر رسولؐ ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بناتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر ہم ضرور ان کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ تو تم میں سے کوئی بھی مجھے نہیں روک سکتا تھا۔

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی کے مباحثے

ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی تیونس کے شہر قفصہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا آبائی مسلک اہلسنت میں مالکی تھا۔ وہ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد مذاہب اسلامی میں مذہب شیعہ خیر البریہ کی جستجو میں لگ گئے۔ اگرچہ ڈاکٹر تیجانی کو مختلف مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اس کے باوجود انہوں نے حقیقت کی تلاش میں مختلف مقامات کے سفر کیے جن میں سے ایک سفر نجف اشرف کا تھا، جہاں موصوف نے حضرت آیت اللہ الخوئیؒ اور شہید آیت اللہ باقر الصدرؒ سے بحث و مناظرے کیے۔ اس حق و حقیقت کے متلاشی کو خداوند کریم نے بصیرت دی اور انہوں نے مذہب حقہ کو تہ دل سے قبول کرلیا جس کی تمام تفصیلات ان کی کتاب "ثم اهتدیت" "پھر میں ہدایت پاگیا" نامی کتاب میں موجود ہیں۔ پھر انہوں نے اپنی دوسری کتاب "کونوا مع الصادقین" میں مذہب تشیّع کی حقانیت کو واضح اور روشن طریقے سے بیان کیا ہے۔

(۶۵)

آقائے صدر سے توسل کے بارے میں مکالمہ

ڈاکٹر تیجانی جب مالکی مذہب کے پیرو تھے تو اپنے ملک تیونس سے ایک دفعہ نجف اشرف گئے اور اپنے دوستوں کے توسط سے آیت اللہ باقرالصدرؒ کی خدمت میں پہنچے۔ ان سے ملاقات کے بعد یوں سوالات شروع کئے :

تیجانی : سعودی علماء کہتے ہیں کہ قبروں کو چومنا اور اولیاء اللہ سے توسل شرک ہے۔ آپ کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

آیت اللہ صدر : اگر قبر کا چومنا اور اولیاء اللہ سے توسل کرنا اس نیت سے ہو کہ وہ لوگ خدا کی اجازت کے بغیر مستقلاً بالذات نفع و ضرر پہنچا سکتے ہیں تو یہ کام یقیناً شرک ہے لیکن خدا پرست مسلمان جانتے ہیں کہ نفع و نقصان فقط خدا کے ہاتھ میں ہے اور اولیاء اللہ صرف وسیلہ اور واسطہ ہیں۔ پس اس نیت سے توسل کرنا شرک نہیں ہے۔ تمام مسلمان سنی شیعہ زمانہ رسولؐ سے لے کر اب تک اس بات پر متفق ہیں سوائے وہابی علماء کے، جو دور جدید کی پیداوار ہیں اور اجماع مسلمین کے برخلاف کام کرتے ہیں۔ مسلمان کے خون کو مباح جانتے ہیں اور مسلمانوں میں فتنہ ڈالتے ہیں اور قبر کو چومنے اور اولیاء اللہ سے توسل کو شرک اور بدعت کہتے ہیں۔ علامہ سید شرف الدین لبنانی — جو بہت بڑے شیعہ محقق گزرے ہیں اور بہت ہی عظیم الشان کتاب المراجعات کے مؤلف ہیں — شاہ عبدالعزیز السعود کے دور حکومت میں مکہ معظمہ عمرہ کے لئے گئے تھے۔ عید قربان کے دن تمام اکابرین شاہ کی دعوت پر جمع ہوئے تھے تاکہ حسب معمول اس کو

مبارک باد پیش کریں۔ علامہ شرف الدین بھی ان میں شامل تھے۔ جب ان کی باری آئی تو انھوں نے شاہ کو قرآن مجید ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ شاہ نے قرآن مجید کی بڑی تعظیم کی اور اسے احتراماً چومنے لگا۔ علامہ شرف الدین نے موقع غنیمت جانتے ہوئے فرمایا: اے شاہ محترم! آپ اس جلد کو کیوں چوم رہے ہیں جبکہ یہ بکرے کی کھال ہے؟

شاہ سعود: میرا اس جلد کو چومنے کا مقصد وہ قرآن ہے جو اس کے اندر ہے نہ کہ خود یہ جلد۔

علامہ شرف الدین نے فوراً کہا: بیشک آپ نے سچ کہا۔ ہم شیعہ اہلبیت بھی جب پیغمبر اکرمؐ کی ضریح مطہر کو چومتے ہیں تو وہ تعظیم و احترام رسولؐ میں چومتے ہیں جس طرح آپ اس جلد کو اس کے اندر کے قرآن کی تعظیم میں چوم رہے ہیں۔ یہ سن کر سب حاضرین نے تکبیر بلند کی اور علامہ صاحب کی تصدیق کرنے لگے۔ جس سے مجبور ہو کر ملک عبدالعزیز السعود نے حاجیوں کو اتنی اجازت دیدی تھی کہ وہ ضریح رسولؐ کو چوم سکتے ہیں۔ لیکن بعد میں آنے والے شاہ نے اس قانون کو بدل دیا۔

وہابی جو اس موضوع کو چھیڑتے ہیں وہ اپنی سیاست کے تحت مسلمانوں کے خون کو مباح جانتے ہیں تاکہ مسلمانوں پر حکومت کر سکیں۔ خود تاریخ گواہ ہے کہ ان وہابیوں نے اس امت محمدیہ پر کیا کیا ستم ڈھائے ہیں۔ ("پھر میں ہدایت پاگیا" صفحہ ۹۲)

(۶۶)

اذان میں ولایت علیؑ کی گواہی دینا

ڈاکٹر تیجانی: شیعہ اذان واقامت میں علیاً ولی اللّٰہ کیوں کہتے ہیں؟

آیت اللہ صدر: امام علیؑ بھی دوسرے لوگوں کی طرح بندۂ خدا ہیں لیکن خدا نے ان کو لوگوں میں سے ان کے شرف کی وجہ سے رسالت کا بار گراں اٹھانے کے لئے چن لیا ہے جس کا اعلان پیغمبر اکرمؐ نے کئی مقامات پر کہا ہے کہ علیؑ میرے بعد میرے جانشین، میرے خلیفہ، میرے بعد لوگوں کے مولا و آقا ہیں۔ اسی لئے ہم بھی انہیں دوسرے صحابہ سے افضل جانتے ہیں کیونکہ خدااور رسولؐ نے انہیں فضیلت عطا کی ہے جس پر عقلی اور نقلی دلائل کتاب و سنت میں موجود ہیں جن پر کسی قسم کا کوئی شک نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہ احادیث نہ فقط شیعوں کے نزدیک متواتر ہیں بلکہ اہلسنت کے نزدیک بھی متواتر ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے علماء نے کثیر تعداد میں کتابیں لکھی ہیں۔ دراصل اموی حکومت علیؑ کی دشمنی میں ان تمام حقائق کو چھپا رہی تھی۔ علیؑ و فرزندان علیؑ کا قتل جائز جانتی تھی، ان کے دور میں منبروں سے علیؑ پر سب و شتم کیا جاتا تھااور لوگوں کو زبردستی اس کام پر آمادہ کیا جاتا تھا۔ اس لئے شیعیان علیؑ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے ولی ہیں اور یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ کوئی بھی مسلمان ولی خدا پر لعنت کرے۔ شیعوں کا یہ شیوہ چلا آرہا ہے کہ وہ ہر دور کے ظالم، جابر اور فاسق حکمرانوں سے ٹکراتے رہے ہیں تاکہ یہ تمام مسلمانوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے تاریخ قرار پاجائے اور لوگ علیؑ کی حقانیت اور دشمنوں کی سازشوں کو

سمجھ سکیں۔ لہذا اس بناء پر ہمارے فقہاء اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اذان میں علیؑ کی حقانیت کی گواہی دینے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ یہ اذان یا اقامت کا جزو نہیں ہے۔ لہذا جو بھی اذان یا اقامت میں ولایت علیؑ کی گواہی جزو اذان یا اقامت کی نیت سے دے تو اس کی اذان و اقامت باطل ہے۔

(۶۷)

آیت اللہ خوئیؒ سے مکالمہ

ڈاکٹر تیجانی کہتے ہیں کہ جب میں سنی تھا اور پہلی مرتبہ نجف اشرف گیا تو اپنے ایک دوست کی معرفت آیت اللہ خوئیؒ سے ملا۔ میرے دوست نے ان کے کان میں کچھ کہا اور پھر مجھے ان کے نزدیک بیٹھنے کو کہا۔ میرے دوست نے مجھ سے یہ اصرار کیا کہ آیت اللہ کو شیعوں کے بارے میں اپنا اور تیونس کے لوگوں کا نظریہ بتاؤں۔ میں نے کہا: شیعہ ہمارے نزدیک یہود و نصاریٰ سے بدتر ہیں کیونکہ یہود و نصاریٰ تو خدا کو مانتے ہیں اور موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی رسالت کے معتقد ہیں لیکن ہم جو شیعوں کے بارے میں جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ شیعہ حضرت علی رضی اللہ کو خدا مانتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، ان کی تقدیس بیان کرتے ہیں، البتہ شیعوں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خدا کو مانتے ہیں لیکن علیؑ کے مقام کو رسولؐ کے مقام سے ملاتے ہیں اور اس حد تک کہتے ہیں کہ جبرئیلؑ جن کو قرآن (نعوذ باللہ) علیؑ کے پاس لانا تھا غلطی سے رسول صؐ کو پہنچا گئے۔

آیت اللہ خوئیؒ: چند لمحے خاموش رہے، پھر بولے کہ ہم گواہی

دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں، درود و سلام ہو ان کی آل پاک پر اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ علیؑ اللہ کے بندے ہیں۔ پھر آیت اللہ نے حاضرین کی طرف نگاہ کی گویا میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہے تھے ذرا دیکھو یہ بیچارے کس طرح سے تہمت و فریب کے شکار ہیں۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے بلکہ میں نے تو اس سے بھی بدتر الفاظ شیعوں کے بارے میں سنے ہیں: "لا حول ولا قوة الا باللّٰه العلی العظیم" پھر آیت اللہ خوئیؒ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم نے قرآن پڑھا ہے؟

ڈاکٹر تیجانی: جب میں دس سال کا بھی نہیں ہوا تھا تو نصف قرآن حفظ کر لیا تھا۔

آیت اللہ خوئیؒ: کیا آپ جانتے ہیں کہ تمام اسلامی فرقے اپنے درمیان اختلاف کے باجود قرآن مجید کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں اور جو قرآن ہمارے پاس ہے وہی آپ کے پاس بھی ہے۔

ڈاکٹر تیجانی: جی ہاں! یہ تو میں جانتا ہوں۔

آیت اللہ خوئیؒ: کیا تم نے یہ آیت پڑھی ہے: "وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل." (سورۃ آل عمران آیت ۱۴۴) محمدؐ سوائے رسول کے کچھ نہیں ہیں، اس سے پہلے بھی پیغمبر آچکے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے: "محمد رسول اللّٰه والذین معه اشدآء علی الکفار." (سورۃ فتح آیت ۲۹) محمدؐ خدا کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے سخت ہیں۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے: "ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰه

وخاتم النبیین۔" (سورۂ احزاب آیت ۴۰) یعنی محمدؐ تم میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ خدا کے رسولؐ اور آخری نبی ہیں۔ کیا ان آیات کو آپ نے پڑھا ہے؟

ڈاکٹر تیجانی : جی ہاں!۔

آیت اللہ خوئیؒ : ان آیات میں علیؑ کا ذکر کہاں ہے؟ ان میں تو صرف رسولؐ کی بات ہوئی ہے اور اس قرآن کو ہم اور آپ سب دل و جان سے مانتے ہیں تو کس طرح ہم پر تہمت لگاتے ہو کہ علیؑ کو پیغمبرؐ کے درجے تک بلند کرتے ہیں۔

میں خاموش رہا اور کچھ جواب نہ دے سکا تو آیت اللہ خوئیؒ نے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مزید کہا: جبرئیلؑ کی خیانت کے مسئلے میں جو ہم لوگوں پر تہمت لگاتے ہو کہ ہم شیعہ کہتے ہیں کہ جبرئیلؑ نے خیانت کی، یہ تہمت پہلی والی تہمت سے زیادہ سخت ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ جب آغاز بعثت کے وقت جبرئیلؑ پیغمبرؐ پر نازل ہوئے تو اس وقت علیؑ کی عمر دس سال سے کم تھی۔ پس کیونکر جبرئیلؑ نے غلطی کی اور محمدؐ اور علیؑ کے درمیان فرق نہ کر پائے۔

میں خاموش رہا اور اپنے اندر حضرت آیت اللہ خوئیؒ کی منطقی گفتگو کی صحت کو درک کر رہا تھا۔ پھر انہوں نے فرمایا: شیعہ ہی تمام اسلامی فرقوں میں وہ واحد فرقہ ہے جو پیغمبرؐ اور اماموں کی عصمت کا معتقد ہے اور یقیناً جبرئیلؑ جو روح الامینؑ ہیں وہ بھی ہر خطاء سے پاک ہیں۔

ڈاکٹر تیجانی : تو یہ سب جو مشہور ہے وہ کیا ہے؟

آیت اللہ خوئیؒ : یہ سب تہمتیں ہیں جو مسلمانوں کے درمیان جدائی ڈالنے کے لئے لگائی جاری ہیں اور آپ کیونکہ ایک سمجھدار انسان ہیں اور مسائل

کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں، شیعوں کے درمیان رہیں اور شیعوں کے حوزہ علمیہ (دینی مدارس) کو نزدیک سے دیکھیں اور پھر ذرا دقت کریں کہ آیا اس طرح کی تہمتیں جو شیعوں سے منسوب کی جاتی ہیں کیا وہ صحیح ہیں؟

میں جب تک نجف اشرف میں رہا اندازہ کر لیا کہ یہ سب شیعوں کی طرف بے جا نسبتیں دی گئی ہیں۔ ("پھر میں ہدایت پاگیا" صفحہ ۷۶۔۷۸)

(۶۸)

نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کا ایک ساتھ پڑھنا

ہم جانتے ہیں کہ اہلسنت کے نزدیک نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ لہذا وہ لوگ ہر نماز کو اس کے خاص وقت پر پڑھنا ضروری جانتے ہیں۔ لہذا ڈاکٹر تیجانی کہتے ہیں کہ جب میں سنی تھا تو اسی طرح نماز پڑھا کرتا تھا اور ایک ساتھ نماز پڑھنے کو باطل سمجھتا تھا۔ جب نجف اشرف میں اپنے دوست کی معرفت آیت اللہ باقر الصدرؒ کے پاس پہنچا تو ظہر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ آیت اللہ صدرؒ مسجد کی طرف روانہ ہوئے، میں اور دوسرے حاضرین بھی مسجد پہنچ کر نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ آیت اللہ صدر نماز ظہر کے بعد تھوڑے سے وقفہ کے ساتھ نماز عصر پڑھنے میں مصروف ہو گئے اور میں کیونکہ صفوں کے درمیان میں تھا، لہذا اٹھ نہ سکا اور مجبوراً نماز عصر کو ظہر کے فوراً بعد پڑھا جو زندگی میں پہلا تجربہ تھا مگر روحانی اعتبار سے مجھے بہت تکلیف پہنچی کہ کیا میری عصر کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس دن

خود آیت اللہ صدر کا مہمان تھا۔ لہذا موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ کیا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ حالت اضطرار میں دو نمازیں ایک ساتھ پڑھ لے؟

آیت اللہ صدر : ہاں جائز ہے۔ دو فریضے یعنی نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر تیجانی : اس فتوے پر آپ کی کیا دلیل ہے؟

آیت اللہ صدر : کیونکہ رسول خداؐ مدینہ میں بغیر سفر و بغیر خوف و بغیر بارش یا کسی اور مجبوری کے بغیر بھی نماز ظہر و عصر اور اسی طرح مغرب و عشاء کو ایک ساتھ ادا کرتے تھے۔ ان کا یہ کام اس لئے تھا کہ ہم پر سے مشقت کو اٹھا دیں اور اس طرح کا عمل الحمدللہ ہمارے عقیدے کے مطابق ائمہؑ کے ذریعے بھی ثابت ہے۔ اسی طرح آپ اہلسنت کے نزدیک بھی سنت کے ذریعے ثابت ہے۔

مجھے تعجب ہوا، کیونکہ میں نے اس قسم کا عمل کسی سنی کو انجام دیتے نہیں دیکھا تھا بلکہ اس کے برعکس عمل کرتے دیکھا تھا کیونکہ سنیوں کے نزدیک اگر نماز اذان سے ایک منٹ پہلے ہو تو بھی باطل ہے تو نماز عصر کو اس کے وقت سے پہلے ظہر کے فوراً بعد پڑھنا تو بدرجہ اولیٰ نماز کو باطل کردیگا۔ اسی طرح نماز عشاء کو نماز مغرب کے فوراً بعد پڑھنا، ہمارے نزدیک غیر معمولی چیز بھی تھی۔

آیت اللہ صدرؒ نے میرے چہرے سے اندازہ لگالیا کہ گویا میں تعجب کررہا ہوں کہ نماز ظہر عصر اور مغرب عشاء کو ایک ساتھ پڑھنا کیسے جائز ہے؟ اسی وقت انہوں نے اپنے ایک شاگرد کو اشارہ کیا۔ وہ گیا اور دو کتابیں لاکر مجھے دیں۔

میں نے دیکھا کہ وہ صحیح بخاری و صحیح مسلم تھیں۔ آیت اللہ صدر نے اس شاگرد سے کہا کہ وہ احادیث جو دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کے سلسلے میں ہیں نکال کر دکھائے۔ میں نے ان دونوں کتابوں میں پڑھا کہ رسول خداؐ خوف و خطر یا اضطرار کے بغیر دونوں نمازیں جمع کرتے تھے۔ یعنی ظہر کے فوراً بعد عصر پڑھتے تھے اور صحیح مسلم میں تو اس مسئلے پر ایک مستقل باب پایا۔ میں تو بہت پریشان ہوا کہ خدایا اب میں کیا کروں میرے دل میں آیا کہ شاید یہ دو کتابیں جو یہاں ہیں تحریف شدہ ہوں۔ لہٰذا میں نے اپنے دل میں طے کیا کہ جب تیونس واپس جاؤں گا تو وہاں کی کتابوں میں دیکھوں گا اور اس مسئلے کی صحیح تحقیق کروں گا۔ اسی دوران آیت اللہ صدرؒ نے مجھ سے سوال کر لیا کہ اب اس دلیل کے بعد آپ کی کیا رائے ہے؟

ڈاکٹر تیجانی: بیشک آپ حق پر ہیں اور آپ نے بجا کہا ہے۔

پھر ان کا شکریہ ادا کیا لیکن اپنے دل میں قانع نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ اپنے وطن آکر اپنی کتابیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم دیکھیں تو بالکل قانع ہو گیا اور اس دن سے بغیر کسی ضرورت کے نماز ظہر و عصر اور اسی طرح مغرب و عشاء کو ایک وقت میں پڑھتا تھا کیونکہ خود پیغمبرؐ دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ امام مسلم اپنی صحیح کے باب **الجمع بین الصلوتین فی الحضر** میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نماز ظہر و عصر اور اسی طرح مغرب و عشاء بغیر کسی خوف کے ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ ابن عباس سے سوال ہوا کہ پیغمبر اکرم کیوں اس طرح کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: "**لایحرج امتہ**" یعنی امت دشواری میں نہ پڑ جائے۔ اسی طرح کتاب صحیح بخاری کی جلد اول صفحہ ۱۴۰ پر باب "وقت

المغرب" میں دیکھا کہ ابن عباس سے نقل ہے کہ پیغمبرؐ سات رکعت نماز یعنی مغرب و عشاء کی ایک وقت میں پڑھتے تھے اور اسی طرح آٹھ رکعت نماز یعنی ظہر و عصر کی ایک ہی وقت میں ادا کرتے تھے۔ پھر میں نے مسند احمد (جلد ۱ صفحہ ۲۲۱۔ موطاء امام مالک شرح الحوالك جلد اول صفحہ ۱۶۱) میں بھی یہ مطلب اسی طرح لکھا دیکھا۔ اسی طرح "کتاب الموطاء" مؤلفہ امام مالک میں بھی دیکھا کہ ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ : "صلی رسول الله الظهر و العصر جميعا والمغرب والعشاء جميعا فی غیر خوف ولا سفر." یعنی رسول خداؐ بغیر کسی خوف یا سفر کے نماز ظہر و عصر اور اسی طرح مغرب و عشاء ایک ہی وقت میں ادا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ کہ جب یہ مسئلہ اتنا واضح ہے تو برادران اہلسنت اپنی اصلی کتابوں سے غافل رہتے ہوئے کیوں اس مسئلے کو ایک بڑے اشکال کے طور پر شیعوں پر وارد کرتے ہیں۔ ("کونوا مع الصادقین" صفحہ ۲۱۰)

(۶۹)

امام جماعت اہلسنت سے مباحثہ

ڈاکٹر تیجانی کہتے ہیں کہ دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھنے کے مسئلے کو جب میں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے اپنے وطن میں اپنے کچھ دوستوں کو بتایا تو ان میں سے بعض نے حقیقت تسلیم کر لی مگر یہ بات جب شہر قفصہ کے امام جماعت تک پہنچی تو وہ ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ اس طرح کی باتیں کرنے والا ایک نیا دین لایا ہے جو قرآن سے مخالف ہے کیونکہ قرآن فرماتا ہے:

"ان الصلوٰة کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا." (سورۃ نساء آیت ۱۰۳) یعنی مؤمنین پر نماز وقت معین کے ساتھ واجب ہے۔ اس امام جماعت کے دل میں جو آیا اس نے وہ نازیبا باتیں کیں۔ میرا ایک دوست جو خود کافی پڑھا لکھا تھا اور میری باتیں اسے مطمئن کر چکی تھیں وہ بھی امام جماعت کی تقریر سن رہا تھا، اس نے آکر وہ باتیں مجھے بتائیں۔ میں نے اس کے سامنے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے وہ صفحات کھول کر پڑھوائے۔ پھر وہ دوست حسب معمول اس امام جماعت کی نماز میں گیا، جب نماز کے بعد امام درس دینے بیٹھے تو اس نے امام جماعت سے پوچھا: مولانا نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ایک ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟

امام جماعت : یہ شیعوں کی بدعت ہے۔

میرا دوست : اس موضوع کی صحت تو صحیحین میں بھی ملتی ہے۔

امام جماعت : نہیں۔ یہ ہرگز ثابت نہیں ہے بلکہ ان دونوں کتابوں کی طرف اس طرح کی نسبت دینا غلط ہے۔

میرے دوست نے جب ان دونوں کتابوں میں لکھا ہوا امام جماعت کو دکھایا اور اس نے مسئلے کی حقیقت کو بچشم خود پڑھ لیا تو کتاب بند کر کے اسے واپس دی اور کہنے لگا: یہ دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھنا صرف پیغمبرؐ کے لئے ہے۔ کیا تم بھی پیغمبر بننا چاہتے ہو؟ تمہارے لئے ہرگز یہ جائز نہیں کہ ایک ساتھ دو نمازیں پڑھو۔

میرا دوست امام جماعت کے اس نامعقول جواب سے ہی سمجھ گیا کہ وہ صرف تعصب کے پیش نظر حقیقت کو قبول نہیں کر رہا ہے۔ اس نے بھی قسم

کھائی کہ آج کے بعد سے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھوں گا۔

اس جگہ مناسب ہے کہ اس حکایت کو بیان کرتا چلوں کہ دو شکاری شکار کے لئے صحرا میں گئے۔ وہاں انہوں نے دور سے کوئی کالی چیز کو دیکھا۔ ان میں سے ایک نے کہا: وہ کوا ہے۔ دوسرا کہنے لگا: وہ بکرا ہے۔ دونوں اپنی اپنی بات پر ڈٹے ہوئے تھے جب دونوں اس کے نزدیک گئے تو دیکھا کہ وہ کوا ہے اور وہ اڑ گیا تو پہلے والے نے کہا: میں نہیں کہہ رہا تھا کہ کوا ہے اب تم قانع ہو گئے؟ لیکن دوسرا شکاری بڑی ڈھٹائی سے بولا: بکرا بھی تو اڑ سکتا ہے۔

ڈاکٹر تیجانی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اس دوست کو بلولیا اور اس سے کہا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم لے جاکر اس امام صاحب کو دکھاؤ کہ ان میں ابن عباسؓ اور انس بن مالکؓ جیسے جید صحابہ سے روایت ہے کہ بہت سے صحابہ ظہر و عصر کی نماز پیغمبرؐ کی اقتداء میں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ لہذا جمع بین الصلوتین پیغمبرؐ ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ کیا ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ہم سنت پیغمبرؐ کی پیروی کریں۔ مگر میرے دوست نے معذرت کرلی۔ کہنے لگا: اگر خود رسول خداؐ بھی آکر کہیں تو بھی امام صاحب نہیں مانیں گے۔

(۷۰)

قاضئ مدینہ سے آیت تطہیر کی بحث

ڈاکٹر تیجانی کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ میں مسجد النبیؐ کی زیارت سے مشرف ہوا تو دیکھا کہ ایک خطیب نمازیوں کے درمیان بیٹھا درس دے رہا ہے۔

میں نے بھی اس کے درس میں شرکت کی۔ وہ کچھ قرآنی آیات کی تفسیر بیان کر رہا تھا۔ لوگوں کی آپس کی گفتگو سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ قاضیٔ مدینہ ہے۔ جب اس کا درس ختم ہوا اور وہ اٹھ کر مسجد النبیؐ سے باہر جانا چاہتا تھا تو میں نے اس سے کہا کہ قبلہ ذرا یہ بتائیں کہ آیت تطہیر "انما یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا۔" (سورۂ احزاب آیت ۳۳) میں اہلبیتؑ سے مراد کون ہیں؟

قاضی: اس آیت میں اہلبیتؑ سے مراد امہات المؤمنینؓ ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے شروع میں ازواج پیغمبرؐ سے خدا فرماتا ہے: "وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولی." "یعنی اے ازواج پیغمبرؐ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح (لوگوں کے درمیان) اپنی زینتیں ظاہر نہ کرو۔

ڈاکٹر تیجانی: شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے لئے مختص ہے۔ میں نے شیعوں سے کہا کہ اس آیت کے آغاز میں ازواج پیغمبرؐ کا ذکر ہے اور اس سے پہلے والی آیت میں بھی ازواج پیغمبرؐ سے "یانساء النبی" کے لفظ کے ذریعے صریح خطاب ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ ابتدائی آیت اور اس سے پہلے والی آیت بھی ازواج پیغمبرؐ کے بارے میں آئی ہے اور اس میں جمع مؤنث کا صیغہ استعمال ہوا ہے مثلاً: "لستن وفلا تخضعن وبیوتکن ولا تبرجن واصمن وآتین واطعن." لیکن جب یہی آیت آخر کو پہنچتی ہے تو اس کا سیاق تبدیل ہو جاتا ہے اور تمام ضمیریں جمع مذکر کی استعمال ہوئی ہیں مثلاً: "عنکم ویطهرکم" وغیرہ۔

قاضی نے اپنی عینک اوپر کی اور (بجائے اس کے کہ مجھے کوئی استدلالی

جواب دیتا) مجھے گھورتے ہوئے غصے سے بولا شیعہ اپنی خواہشات کے مطابق آیات قرآنی کی تاویل کرتے ہیں۔ ("پھر میں ہدایت پا گیا" صفحہ ۱۱۴)

اب یہاں تکمیل بحث کے طور پر میں علامہ محمد حسین طباطبائی " کی تفسیر المیزان سے مستفید ہوتے ہوئے کہتا ہوں کہ اس بات کی کوئی بھی دلیل نہیں ہے کہ آیت تطہیر سورۃ احزاب کے آخر ہی میں نازل ہوئی ہو بلکہ روایات سے بخوبی استفادہ ہوتا ہے کہ یہ آیت جداگانہ طور پر نازل ہوئی ہے۔ پھر زمانہ پیغمبرؐ میں قرآن کی جمع آوری کے وقت یہ آیت سورۃ احزاب کے درمیان قرار پا گئی۔ (تفسیر المیزان جلد ۱۶ صفحہ ۳۳۰) خود اہلسنت کی کتابوں سے متعدد روایات مروی ہیں کہ اہلبیتؑ سے مراد علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ حتیٰ کہ خود ازواج پیغمبرؐ مثلاً ام سلمہؓ و عائشہؓ اور دوسروں سے نقل کیا جاتا ہے کہ اہلبیت سے اس آیت مذکور میں علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام ہیں۔ (شواہد التنزیل جلد ۲ صفحہ ۱۱ و ۲۵ و کتاب احقاق الحق جلد ۲)

(۷۱)

آل محمدؐ پر درود و سلام بھیجنے پر مباحثہ

جیسا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ اہلسنت جب علیؑ کا نام لیتے ہیں تو "علیہ السلام" کے بجائے "کرم اللہ وجہہ" کہتے ہیں۔ یعنی خداوند عالم ان کا مقام بلند کرے جبکہ اصحاب رسولؐ کے لئے "رضی اللہ عنہ" کہتے ہیں۔ یعنی اللہ ان سے راضی ہو کیونکہ وہ لوگ خود اس بات کے معتقد ہیں کہ علیؑ نے کوئی گناہ ہی نہیں

کیا ہے جو ان کے بارے میں "رضی اللہ عنہ" کہا جائے بلکہ ضروری ہے کہ ان کے بارے میں "کرم اللہ وجہہ" کہا جائے۔ اب یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ لوگ کیوں حضرت علیؑ کو "علیہ السلام" نہیں کہتے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ایک مناظرہ ملاحظہ کریں:

ڈاکٹر تیجانی جب سنی تھے تو جہاز میں قاہرہ سے عراق کے سفر میں ایک یونیورسٹی کے استاد منعم ہم سفر تھے جو عراق کے رہنے والے تھے۔ دوران سفر دونوں آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ ڈاکٹر تیجانی اور استاد منعم کے مابین جہاز میں بھی اور پھر عراق پہنچ کر بھی کافی گفتگو ہوئی۔ ایک دن استاد منعم کے گھر بغداد میں اس طرح مناظرہ ہوا:

ڈاکٹر تیجانی: آپ لوگ علیؑ کے مقام کو اس قدر بڑھاتے ہیں کہ ان کو پیغمبرؐ کے ہم ردیف لے آتے ہیں کیونکہ نام علیؑ کے بعد بجائے "کرم اللہ وجہہ" کہنے کے آپ لوگ "علیہ السلام" کہتے ہیں یا "علیہ الصلوٰۃ والسلام" کہتے ہیں جبکہ صلوٰۃ و سلام پیغمبرؐ کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ قرآن میں پڑھتے ہیں: "ان اللہ و ملائکته یصلون علی النبی یا ایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما." (سورۃ احزاب آیت ۵۶) یعنی بے شک خدا اور اس کے ملائکہ سب نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں، لہذا اے صاحبان ایمان تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

استاد منعم: ہاں تم نے صحیح کہا کہ ہم جب امیر المؤمنین علیؑ کا یا دوسرے اماموں کے نام لیتے ہیں تو آخر میں "علیہ السلام" کہتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم ان کو پیغمبرؐ کے درجے سے ملا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر تیجانی: تو پھر آپ لوگ کس دلیل کے تحت ان پر درود و سلام بھیجتے ہیں؟

استاد منعم: اسی آیت کی دلیل کے تحت جو تم نے ابھی پڑھی کہ: "ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی." کیا تم نے اس آیت کی تفسیر پڑھی ہے؟ تمام سنی و شیعہ مفسرین نے اجماعاً اس بات کو نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کی ایک جماعت نے آکر پوچھا: یارسول اللہؐ! ہم یہ تو سمجھ گئے کہ آپ پر درود و سلام بھیجیں مگر یہ نہیں سمجھ سکے کہ کس طرح آپ پر درود و سلام بھیجیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے جواب میں فرمایا: "اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم فی الصالحین انك حمید مجید." یعنی خدایا! درود سلام بھیج محمدؐ و آل محمدؐ پر جس طرح دنیا والوں میں ابراہیمؑ و آل ابراہیمؑ پر درود بھیجا ہے۔ بیشک تو قابل ستائش واجابت کرنے والا ہے۔ (صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۵۱۔ صحیح مسلم جلد اول صفحہ ۳۰۵) اور آپ نے یہ بھی فرمایا: "لاتصلوا علی الصلوٰۃ البتراء." یعنی مجھ پر ناقص صلوٰۃ نہیں بھیجنا۔ لوگوں نے پوچھا: ناقص صلوٰۃ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: یعنی اللھم صل علی محمد کہنا، بغیر لفظ آل محمد کے کہنا، بلکہ کہو: اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد جو کامل صلوٰۃ ہے۔ (الصواعق المحرقہ صفحہ ۱۴۴) اکثر روایات میں آیا ہے کہ کامل صلوٰۃ بھیجو جملہ "آل محمد" کو آخر سے حذف نہ کرو۔ حتیٰ کہ نماز کے تشہد میں بھی فقہاء اہلبیتؑ اس کو واجب جانتے ہیں اور فقہائے اہلسنت میں امام شافعی بھی فرض نماز کے دوسرے تشہد میں واجب جانتے ہیں۔ (شرح نہج البلاغہ مؤلفہ ابن ابی الحدید

معتزلی جلد۶ صفحہ ۱۴۴) بلکہ اسی فتوے کے پیش نظر اپنے معروف اشعار میں یوں کہتے ہیں:

"یا اهلبیتُ رسول الله حبکم   فرض من الله فی القرآن انزله
کفا کم من عظیم القدر انکم   من لم یصل علیکم لا صلوٰة له

یعنی اے اہلبیت رسول خداؐ آپ سے دوستی ایک فریضہ واجب ہے جس کا حکم خدا نے قرآن میں دیا ہے۔ آپ کے مقام و عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ جو نماز میں آپ پر صلوٰۃ نہ بھیجے اس کی نماز باطل ہے۔ (المواہب زرقانی جلد ۷ تذکرہ علامہ جلد اول صفحہ ۱۲۶)

ڈاکٹر تیجانی جو اس گفتگو و جواب سے بہرہ مند ہو رہے تھے اور یہ استدلالی باتیں ان کے قلب پر اثر کر رہی تھیں، کہنے لگے: اس لحاظ سے میں بھی قبول کرتا ہوں کہ اہلبیت درود میں محمدؐ کے ساتھ شریک ہیں اور ہم بھی جب پیغمبرؐ پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں تو اصحاب و آل پیغمبرؐ کو بھی شریک صلوٰۃ سمجھتے ہیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب تنہا نام علیؑ لیا جاتا ہے تو کیوں علیہ السلام کہا جاتا ہے؟[1]

استاد منعم: کیا تم صحیح بخاری کو مانتے ہو؟

ڈاکٹر تیجانی: ہاں یہ کتاب تو امام عالی مقام اور سنیوں کے مورد قبول اماموں میں سے امام بخاری کی ہے اور قرآن کے بعد صحیح ترین کتابوں میں سے ہے۔

استاد منعم اپنی الماری سے کتاب صحیح بخاری اٹھا کر لے آئے اور اس کے

---

[1] جیسا کہ سورۂ صافات کی آیت ۱۳۰ میں پڑھتے ہیں: "سلام علی آل یٰسین" یعنی عباس سے نقل ہے کہ آل یٰسین سے مراد آل پیغمبر علیہم السلام ہیں۔

صفحات کو کھولتے ہوئے مجھے دی اور کہا: ذرا اسے پڑھو۔

ڈاکٹر تیجانی: جب میں نے اس صفحہ کو پڑھا تو لکھا ہوا تھا کہ مجھ سے فلاں نے اور فلاں نے اور فلاں نے حضرت علی علیہ السلام سے جیسے ہی میں نے لفظ "علیہ السلام" دیکھا تعجب کرنے لگا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ میں اپنے آپ سے کہنے لگا: یہ صحیح بخاری نہیں ہے۔ پھر سے اس صفحہ کا دقیق مطالعہ کیا دیکھا کہ وہی ہے لہذا میرا شک دور ہوا۔

استاد منعم: میں نے صحیح بخاری کے دوسرے صفحے کو کھول کر دیکھا اس پر لکھا تھا کہ: "علي بن الحسين عليه السلام" سے حدیث ہے۔ اب تو میرے پاس کوئی جواب نہ رہا سوائے تعجب کے، سبحان اللہ۔ پھر سے میں نے اسے پڑھا اور اس کو پلٹ کر دیکھا تو وہ مصر سے "انتشارات الشركت الحلبی والاوہ" سے چھپی ہوئی تھی۔ لہذا سوائے اس حقیقت کے قبول کرنے کے میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ ("پھر میں ہدایت پا گیا" صفحہ ٦٥)

(٧٢)

حدیث غدیر پر ایک مکالمہ

ڈاکٹر تیجانی کہتے ہیں کہ اپنے ملک تیونس میں ایک سنی عالم سے مناظرہ ہوا جس میں میں نے اس سے کہا کہ آپ حدیث غدیر کو مانتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے صحرا غدیر میں ایک لاکھ سے زیادہ کے مجمع کے سامنے فرمایا: "من كنت مولاه فهذا علي مولاه" یعنی جس کا میں مولا و رہبر ہوں اس کا یہ علیؑ مولا و رہبر ہے۔

سنی عالم: ہاں میں اس حدیث کو تسلیم کرتا ہوں یہ صحیح حدیث ہے اور میں نے قرآن پر ایک تفسیر لکھی ہے جس میں اتفاقاً سورۃ مائدہ کی آیت ۶۷ کے ذیل میں اس حدیث غدیر کو لکھا ہے اور اس کی صحت کا اقرار کرتا ہوں۔ پھر اس نے مجھے اپنی تفسیر میں اس سلسلے کو دکھایا۔ میں نے دیکھا کہ اس کتاب میں حدیث غدیر کے بعد اس طرح لکھا ہوا تھا کہ شیعہ معتقد ہیں کہ یہ حدیث غدیر بطور صراحت پیغمبرؐ کے بعد "سیدنا علی کرم اللہ وجہہ" کی خلافت پر دلالت کرتی ہے لیکن اہلسنت کے نزدیک یہ عقیدہ باطل ہے۔ (کہ حدیث غدیر خلافت علیؑ پر دلالت کرتی ہے) کیونکہ ہمارے خلفاء ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) کی خلافت سے منافات رکھتا ہے۔ لہذا ضروری یہ ہے کہ اس حدیث کی ظاہری صراحت سے انکار کریں اور اس کی اس طرح تاویل کریں کہ لفظ مولا کے معنی رہبر کے نہیں ہیں بلکہ دوست و یاور کے ہیں۔ جیسا کہ یہی لفظ قرآن میں دوست و یاور کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور خلفاء راشدین یعنی ابوبکر و عثمان و عمر (رضی اللہ عنہم) اور دوسرے اصحاب پیغمبرؐ نے بھی اس لفظ مولا کے معنی یہی سمجھے ہیں۔ پھر تابعین اور علماء مسلمین نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ لہذا اس میں شیعوں کے عقیدے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ڈاکٹر تیجانی: کیا تاریخ میں اصل واقعہ غدیر پیش آیا ہے یا نہیں؟

سنی عالم: ہاں ہے اگر یہ واقعہ نہ ہوا ہوتا تو علماء و محدثین اسے کیوں نقل کرتے؟

ڈاکٹر تیجانی: کیا یہ مناسب ہے کہ رسول خداؐ ایک لاکھ سے زیادہ حجاج

کے سامنے سفر حج سے واپسی کے وقت جن میں خواتین و بچے بھی تھے تپتے صحرا پر تپتے سورج کے نیچے روک کر خطبہ طولانی دے کر کیا پیغمبر اسلام کو صرف یہ بتانا مقصود تھا کہ علیؑ میرا دوست و یاور ہے۔ لہذا تمہارا بھی دوست و یاور ہے؟ کیا اس طرح کی تاویل و توجیح کرنا حدیث غدیر کے ظاہری و صریح معنی سے روگردانی کرنا نہیں ہے، کیا یہ حرکت صحیح ہے؟

سنی عالم: کیونکہ بعض اصحاب نے حضرت علیؑ کی طرف سے جنگوں میں صدمے اٹھائے تھے بعض کے دلوں میں حضرت علیؑ کے سلسلے میں وہ کینہ وعداوت تھی۔ لہذا پیغمبرؐ نے اس واقعہ غدیر سے ان لوگوں کے دلوں سے کینہ کو نکالنے کیلئے کہا کہ علیؑ تمہارا دوست و یاور ہے تاکہ وہ لوگ علیؑ سے دشمنی نہ کریں۔

ڈاکٹر تیجانی: صرف مسئلہ دوستی کو بتانا اس بات کا اقتضاء نہیں کرتا ہے کہ رسول خداؐ اس تپتے صحرا میں لوگوں کو روکیں اور طولانی خطبہ دے کر صرف علیؑ کی دوستی کو بیان کریں۔ نہیں، بلکہ مسئلہ کچھ اور تھا اور یہ آپ نے خطبہ کے آغاز ہی میں حاضرین سے فرمایا تھا کہ: "الست اولی بکم من انفسکم." یعنی کیا تم لوگوں کی جان کی نسبت میں اولیت نہیں رکھتا ہوں؟ حاضرین نے اقرار کیا کہ کیوں نہیں آپ ہم سب کی جانوں پر اولیت رکھتے ہیں لہذا لفظ اولیٰ کے وہی لفظ مولا کے معنی ہیں جو حدیث غدیر میں آیا ہے لہذا یہاں پر پیغمبرؐ کی مراد رہبر ہے اور اگر آپ کے بقول لفظ مولا کے معنی دوست و یاور کے قرار دیں تو پیغمبرؐ کے لئے ممکن نہیں تھا کہ فقط علیؑ کو ان کا دوست و یاور کہہ کر دشمنان علیؑ یا ان لوگوں کے دلوں سے جو علیؑ سے کینہ رکھتے تھے اس کینہ کو ختم کرتے اور یہ بات کوئی بھی

عاقل تسلیم نہیں کرے گا کہ صرف چند نفر کی دشمنی و کینہ کو دور کرنے کے لئے پیغمبر اکرمؐ ایک لاکھ سے زیادہ حجاج کو تپتے صحرا میں دیر تک روکیں اور ان سے صرف حضرت علیؑ کی دوستی و یاوری بیان کریں جبکہ خود ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہم) بھی اس لفظ مولیٰ سے امام علیؑ کی رہبری ہی کے معنی سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے پاس آکر مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا: "بخ بخ یا بن ابی طالب اصبحت مولا یا و مولا کل مؤمن و مؤمنة." یعنی مبارک ہو مبارک ہو اے ابی طالب کے بیٹے کہ آپ ہمارے اور تمام مؤمنین و مؤمنات کے مولا ہوئے۔ یہ وہ مشہور و معروف مبارکباد ہے جو بڑے سے بڑے علماء اہلسنت نے بھی نقل کی ہے۔[1] اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا صرف سادہ دوستی اتنی اہم تھی جو ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہم) نے حضرت علیؑ کو اتنی بڑی عبارت کے ساتھ مبارکباد پیش کی جبکہ پیغمبرؐ نے بھی خطبہ کے بعد اعلان کیا کہ: "سلموا علیه بامیر المؤمنین." یعنی علیؑ کو "مؤمنوں کے امیر" کہہ کر سلام کرو۔ پیغمبرؐ نے حکم غدیر کو سورۂ مائدہ کی آیت ۶۷ کے نازل ہونے کے بعد پیش کیا وہ آیت یہ ہے: "یاایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك وان لم تفعل فما بلغت رسالته." یعنی اے پیغمبرؐ جو کچھ خدا کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے لوگوں تک پہنچادیں اگر ایسا نہیں کیا تو گویا کوئی کار رسالت انجام نہیں دیا۔ تو کیا مسئلہ دوستی اس قدر مہم تھا کہ اگر پیغمبرؐ اس کو پیش نہ کرتے تو کار رسالت ادھورا رہ جاتا؟

۱۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۸۱ اور علامہ امینی نے الغدیر میں ۶۰ علماء اہلسنت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

سنی عالم: تو پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد لوگوں اور خلفاء نے علیؑ کی بیعت کیوں نہیں کی کیا انہوں نے گناہ کیا ہے اور فرمان رسولؐ کی مخالفت کی ہے کیا ایسا ہے؟

ڈاکٹر تیجانی: جب سنی علماء اپنی کتابوں میں گواہی دیتے ہیں کہ اصحاب رسولؐ کئی دستوں میں تقسیم ہو گئے تھے۔ بعض اوامر پیغمبرؐ کی زندگی ہی میں مخالفت کرتے تھے۔[1] لہذا تعجب نہیں ہے کہ رحلت پیغمبرؐ کے بعد آنحضرتؐ کی مخالفت کریں اور سنی و شیعہ تمام مسلمین کے نزدیک مسلم ہے کہ جب پیغمبرؐ نے "اسامہ بن زید" نامی جوان کو لشکر کا سردار بنایا تو لوگوں نے اعتراض کیے کہ ان کی عمر کم ہے جبکہ پیغمبرؐ نے اسامہ کو تھوڑی سی مدت کے لئے سردار لشکر بنایا تھا تو رہبری کے لئے علیؑ کو کیونکر قبول کر سکتے تھے جبکہ علیؑ کی اس وقت دوسروں سے کم عمر تھی یعنی تقریباً ۳۳ سال کے تھے یہ لوگ کس طرح علیؑ کی رہبری کو مانتے اور تم نے خود ابھی اقرار کیا کہ بعض اصحاب حضرت علیؑ سے کینہ و عداوت رکھتے تھے پس معلوم ہوا کہ سب کے قلب صاف نہیں تھے۔

سنی عالم: اگر علیؑ جانتے تھے کہ پیغمبرؐ نے ان کو اپنے بعد کے لئے خلیفہ قرار دیا تھا تو وہ بعد از رسولؐ کیوں خاموش رہے اس شجاعت و صلاحیت کے ذریعے جو ان کو حاصل تھی اپنے حق کا دفاع کرتے۔

ڈاکٹر تیجانی: مولانا صاحب! یہ ایک جداگانہ بحث ہے جس کو میں شروع نہیں کرنا چاہتا۔ جب تم حدیث صریح کو تاویل کر سکتے ہو تو سکوت علیؑ کی

۱۔ صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۳۸۲۔ کتاب الامارہ ولر الشعب۔ مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۵۶ الی ۹۲۔ مستدرک صحیحین جلد ۳ صفحہ ۵۰۱۔ مجمع ہیثمی جلد ۵ صفحہ ۱۹۰۔

بحث میں کیونکر قانع ہو سکتے ہو؟

سنی عالم مسکراتے ہوئے بولے: خدا کی قسم میں ان لوگوں میں سے ہوں جو علیؑ کو سب سے برتر مانتے ہیں۔ یقین جانو کہ اگر میرے ہاتھ میں ہوتا تو کسی کو علیؑ پر مقدم نہ کرتا کیونکہ علیؑ مدینة العلم و اسد اللہ الغالب ہیں۔ یعنی شہر علم اور خدا کے شیر ہیں۔ لیکن میں کیا کروں خدا نے جس کو چاہا مقدم کر دیا جس کو چاہا مؤخر کر دیا۔ مشیت الٰہی و خدا کی قضاء و قدر کے مسئلے میں کیا کہہ سکتے ہیں؟

میں بھی مسکرایا اور کہا: جناب قضاء و قدر بھی ایک علیحدہ موضوع ہے جس کا ہماری بحث سے کوئی ربط نہیں ہے۔

سنی عالم: میں اپنے عقیدہ پر باقی ہوں جس کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ ہاں اس ترتیب سے موضوع تبدیل ہو رہے تھے بجائے اس کے کہ کوئی ایک موضوع کامل ہو یہ بات خود مستدل استدلات کے سامنے ان کی شکست کی دلیل تھی۔ ("لاکون مع الصادقین" صفحہ ۵۸)

(۷۳)

ایک استاد اور شاگرد کے سوال و جواب

شاگرد: یونیورسٹی کے ایک استاد ڈاکٹر خالد نوفل اردن کی یونیورسٹی میں پڑھانے آتے تھے۔ میں بھی ان کی کلاس میں شرکت کرتا تھا۔ میں شیعہ مذہب کا تھا اور وہ استاد سنی مذہب کا تھا۔ بعض اوقات وہ اپنے تعصب کے پیش نظر شیعوں کو برا بھلا کہتا تھا۔ ایک دن ہماری اس استاذ سے رسولؐ کے بارہ جانشینوں

کے بارے میں بحث ہوئی۔

استاد: میں نے کسی بھی حدیث کی کتاب میں نہیں پڑھا کہ رسول خداؐ نے کہا ہو کہ میرے بعد ۱۲ خلیفہ و جانشین ہیں۔ لہذا یہ حدیث تمہاری گھڑی ہوئی ہے۔

شاگرد: اتفاقاً سنیوں کی اکثر مستند کتابوں میں مختلف تعبیرات سے یہ حدیث مذکور ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "الخلفاء بعدی اثناعشر بعدد نقباء بنی اسرائیل و کلهم من قریش." یعنی میرے بعد بارہ خلیفہ ہیں نقباء بنی اسرائیل کے حساب سے اور وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ لہذا تمہاری مورد اعتماد کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے۔

استاد: چلو اگر مان لیں کہ یہ حدیث قابل قبول ہے تو تم شیعوں کے نزدیک وہ بارہ افراد کون ہیں؟

شاگرد: بہت سی روایتوں کے ذریعے جو ہم تک پہنچی ہیں ان میں وہ بارہ افراد یہ ہیں: (۱) علی ابن ابی طالبؑ (۲) حسنؑ بن علیؑ (۳) حسینؑ بن علیؑ (۴) علی بن حسینؑ (۵) محمدؑ بن علیؑ (۶) جعفرؑ بن محمدؑ (۷) موسیٰؑ بن جعفرؑ (۸) علیؑ بن موسیٰؑ (۹) محمدؑ بن علیؑ (۱۰) علیؑ بن محمدؑ (۱۱) حسنؑ بن علیؑ (۱۲) محمد بن حسن المہدیؑ۔

استاد: کیا یہ حضرت مہدیؑ ابھی زندہ ہیں۔

شاگرد: جی ہاں! وہ زندہ ہیں اور ہمارے عقیدہ کے مطابق وہ پردۂ غیب میں ہیں۔ جب اس دنیا میں ان کے ظہور کی راہیں ہموار ہو جائیں گی تو وہ ظہور فرمائیں گے اور اس کائنات پر حکومت و رہبری کریں گے۔

استاد: وہ کب پیدا ہوئے۔

شاگرد: وہ ۲۵۵ ہجری میں پیدا ہوئے اور اب ۱۴۱۳ ہجری میں ان کی عمر مبارک ۱۱۵۸ سال ہے۔

استاد: یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی انسان ایک ہزار سال سے زیادہ عمر پائے جب کہ طبیعی لحاظ سے ایک انسان کی عمر کی حد ۱۰۰ سال تک کی ہے؟

شاگرد: ہم مسلمان ہیں اور قدرت الٰہی کا یقین رکھتے ہیں لہذا اس میں کیا حرج ہے کہ مشیت الٰہی کے سبب ایک انسان ہزار سال عمر پائے؟

استاد: خدا کی قدرت اپنی جگہ مگر ایسی چیز خدا کی سنت سے باہر ہے۔

شاگرد: آپ بھی قرآن کو مانتے ہیں اور ہم بھی۔ لہذا قرآن میں سورۃ عنکبوت کی آیت ۱۴ میں ارشاد ہوتا ہے: "ولقد ارسلنا نوحا الی قومه فلبث فیهم الف سنة الا خمسین عاما." یعنی ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا، انہوں نے اپنی قوم کے درمیان ۵۰ سال کم ہزار سال زندگی کی۔ لہذا حضرت نوحؑ نے اس آیت کے مطابق ۹۵۰ سال قبل از طوفان اپنی قوم کے درمیان زندگی پائی۔ لہذا اگر خدا چاہے تو دوسرے انسان کو بھی اسی مقدار یا اس سے زیادہ مقدار اس دنیا میں زندہ رکھ سکتا ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے بھی متعدد موارد میں امام مہدیؑ کے آنے کی خبر دی ہے۔ ایک امام و رہبر کے عنوان سے کہ آپؑ اس دنیا پر آکر حکومت کریں گے اور زمین کو عدل و انصاف سے پر کردینے کی خبریں دی ہیں اس مسئلے پر ہزار سے زیادہ احادیث شیعہ و سنی محدثین سے نقل ہوئی ہیں جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ نمونہ کے طور پر یہ حدیث کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: "المهدی من اهل بیتی یملاء الارض قسطا و عدلا کما ملئت ظلما و جورا." یعنی حضرت مہدیؑ عجل اللہ میرے اہلبیتؑ

سے ہیں وہ اس زمین کو جو ظلم و جور سے پر ہے عدل و انصاف سے پر کر دیں گے۔(مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۷) جب بات اس حد تک پہنچی تو استاد نے شاگرد کے منطقی استدلال سنی معتبر کتابوں کے حوالے سے سنیں تو ان سے کچھ بن نہ پڑا خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ شاگرد نے موقع سے فائدہ اٹھا کر کہا: ہم واپس اپنی اصل بحث کی طرف آجاتے ہیں کہ آپ نے اس بات کی تو تصدیق کی کہ پیغمبرؐ نے فرمایا کہ: میرے بعد میرے ۱۲ خلیفہ ہیں جو قریش سے ہوں گے۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ وہ بارہ نفر کون ہیں؟ میں نے سب کے نام بتائے۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کی نظر میں وہ بارہ افراد کون ہیں؟

استاد: ان بارہ افراد میں تو چار خلیفہ ہیں: (۱)ابوبکر (۲) عمر (۳) عثمان اور (۴) علیؑ۔ پھر (۵) حسنؑ (۶) معاویہ (۷) ابن اثیر (۸) محمد بن عبدالعزیز جو آٹھ افراد بنتے ہیں اور ممکن ہے (۹) مہدی عباسی (تیسرا خلیفہ عباسی) کو بھی ان میں شامل کریں اور ہو سکتا ہے ان میں (۱۰) طاہر عباسی کو بھی ان میں شامل کیا جائے بطور خلاصہ یہ کہ یہ بارہ افراد ہمارے نزدیک مشخص نہیں ہیں۔ اس مسئلے میں ہمارے علماء کی باتیں مختلف و پراگندہ ہیں۔

شاگرد: پیغمبرؐ نے حدیث ثقلین میں جو تمام مسلمین کے نزدیک معتبر ہے، فرماتے ہیں: "انی ترکت فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ وعترتی اھل بیتی." یعنی میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک کتاب خدا دوسری میری عترت جو میرے اہلبیت ہیں کہ اگر ان دونوں سے تمسک رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔(مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۳۶۔ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۳۸۔ صحیح

ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۔ وکنزالعمال جلد ۲ صفحہ ۱۱۲) اور یہ بات مسلّم ہے کہ عمرو ابوبکر و عثمان (رضی اللہ عنہم) اور دوسرے افراد زبیر و عمر بن عبدالعزیز و مہدی عباسی جیسے افراد عترت واہلبیت رسول خداؐ سے نہیں ہیں۔ لہذا کیوں رسول خداؐ کے بارہ خلیفہ کے مسئلے میں جھگڑیں جبکہ حدیث ثقلین کے حوالے سے یہ بارہ عترت پیغمبرؐ سے ہیں اور ہمارے شیعہ عقیدے کے مطابق امام علیؑ سے لے کر امام مہدی عجل اللہ تک سب پر یہ حدیث منطبق ہوتی ہے۔

استاد: مجھے ذرا فرصت دو تاکہ اس مسئلے میں مزید تحقیق کرلوں۔ فی الحال تو کوئی قانع کنندہ جواب میرے ذہن میں نہیں آرہا ہے۔

شاگرد: امید ہے کہ آپ اپنی تحقیقات سے جان لیں گے کہ رسول خداؐ کے وہ بارہ جانشین جو روز قیامت تک کے لئے ہیں کون ہیں۔ لیکن جب کافی مدت بعد ان استاد سے شاگرد کی ملاقات ہوئی تو وہ استاد اپنی تحقیقات کی بناء پر عقیدہ اہلسنت کے تحت موضوع مشخص کو نہیں پاسکا تھا۔

دوسرے مناظرے میں ایک طالب علم اپنے ایک مدرس سے معارف اہلسنت کے سلسلے میں سوال کرتا ہے کہ کیا آپ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے بارہ جانشین ہیں اور وہ سب قریش سے ہیں؟

استاد: ہاں! ہماری معتبر کتابوں میں روایات موجود ہیں جو اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔

شاگرد: وہ بارہ افراد کون ہیں؟

استاد: وہ (۱) ابوبکر (۲) عمر (۳) عثمان (۴) علی (۵) معاویہ (۶) یزید بن معاویہ۔

شاگرد: یزید کس طرح سے خلیفہ پیغمبرؐ ہو سکتا ہے جبکہ وہ علی الاعلان شراب پیتا تھا اور جس کی وجہ سے کربلا کا خونی سانحہ پیش آیا اور اس نے قتل امام حسینؑ و انصار حسینؑ کا حکم صادر کیا۔ پھر وہ طالب علم استاد سے کہنے لگا باقی چھ بھی تو شمار کریں۔ استاد مزید جواب دینے سے قاصر رہا تو مطلب کو عوض کرتے ہوئے بولا: تم شیعہ لوگ اصحاب پیغمبرؐ کو ناسزا باتیں کہتے ہو۔

شاگرد: ہم تمام اصحاب کو ناسزا نہیں کہتے۔ تم لوگ کہتے ہو کہ سب اصحاب عادل تھے۔ ہم لوگ کہتے ہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ کثیر تعداد میں آیات ہیں جو زمانہ رسولؐ کے منافقین کے بارے میں ہیں۔ اگر بقول آپ کے کہیں کہ تمام اصحاب عادل تھے تو ان کثیر تعداد آیات کو قرآن سے نکالنا پڑے گا جو منافقین کے بارے میں آئی ہیں۔

استاد: تم گواہی دو کہ ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) سے راضی ہو۔

شاگرد: میں گواہی دیتا ہوں کہ جس سے بھی رسول خداؐ و فاطمہ زہراؑ راضی تھے میں بھی ان سے راضی ہوں اور جس سے بھی رسول خداؐ و فاطمہؑ ناراض تھیں میں بھی اس سے ناراض ہوں۔

(۷۴)

قبر پیغمبرؐ پر باآواز بلند زیارت پڑھنا

ایک شیعہ عالم نقل کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ تقریباً پچاس افراد کے ساتھ مدینہ مسجد نبویؐ گیا اور ضریح مقدس کے نزدیک زیارت پڑھنے میں مشغول

ہو گیا۔ حرم کے نگہبانوں کا سردار بنام شیخ عبداللہ بن صالح میرے پاس آیا اور بطور اعتراض کہنے لگا اپنی آوازں کو ضریح مقدس پیغمبرؐ کے پاس بلند نہ کرو۔

میں نے کہا: مگر کیا حرج ہے؟

سردار: خداوند عالم سورۂ حجرات کی آیت ۲ میں فرماتا ہے: "یا ایھا الذین آمنو لا ترفعو اصواتکم فوق صوت النبی ولاتجھرو له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون." یعنی اے صاحبان ایمان! اپنی آوازوں کو پیغمبرؐ کی آواز سے بلند نہ کرو ان کے سامنے بلند آواز میں باتیں نہ کرو (چیخ پکار نہ کرو) جس طرح تم میں سے بعض، بعض کے ساتھ کرتے ہیں تاکہ تمہارے اعمال برباد نہ ہوں جبکہ تم لوگ نہیں جانتے ہو۔

میں نے کہا: امام صادقؑ کے پاس بھی اسی مقام پر چار ہزار شاگرد تھے اور یقیناً وہ درس کے وقت شاگردوں تک اپنی آواز پہنچانے کے لئے بلند آواز سے پڑھاتے ہوں گے کیا وہ حرام کام کرتے تھے؟ اور ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنھم) بھی اسی مسجد میں بلند آواز سے خطبہ دیتے اور تکبیر کہتے تھے کیا حرام کام کرتے تھے؟ اور اب آپ کے خطیب صاحب بلند آواز میں خطبہ دیتے ہیں، بلند آواز میں کیا قرآن کے خلاف کام کرتے ہیں؟ کیونکہ قرآن فرماتا ہے کہ: اے مؤمنین! اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے بلند نہ کرو۔

سردار: تو پھر تمہاری نظر میں اس آیت سے کیا مراد ہے؟

میں نے کہا: خدمت پیغمبرؐ میں بے فائدہ باتیں جو انضباط واجب کے خلاف ہوں جیسا کہ اس آیت کی شان نزول میں روایت ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کا

ایک گروہ مسجد میں داخل ہوا اور پیغمبر اکرمؐ کو، جو اس وقت اپنے گھر میں تھے، اس انداز میں آواز دی: "یامحمدؐ اخرج الینا." یعنی اے محمدؐ ہمارے پاس باہر آئیں۔ (تفسیر قرطبی جلد۹ صفحہ ۶۱۲۱۔ صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۱۷۲)

جبکہ ہم بڑی تواضع و احترام سے زیارت پڑھ رہے ہیں لہذا مذکورہ آیت سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ بلند آواز سے قصد توہین رسالت مآبؐ رکھتے تھے جبھی "حبط اعمال" یعنی اعمال کی بربادی کا مسئلہ آیا کیونکہ اس طرح کی جرأت کافروں کا کردار اور بہت بڑا گناہ ہے نہ کہ ہم جیسے لوگوں کے لئے جو بڑے ادب و احترام سے زیارت پڑھیں اگرچہ ہماری آوازیں کچھ بلند ہیں اسی لئے روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو "ثابت بن قیس" جو کہ پیغمبرؐ سے بلند آواز میں باتیں کرتے تھے، فرمانے لگے کہ وائے ہو مجھ پر کہ میرے نیک اعمال حبط ہو گئے چونکہ میں ہی پیغمبرؐ سے بلند آواز میں بات کرتا ہوں۔ لہذا اس آیت سے میں ہی مراد ہوں۔ جب ان کی یہ باتیں پیغمبرؐ تک پہنچیں تو آپؐ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے بلکہ "ثابت بن قیس" اہل بہشت سے ہیں کیونکہ وہ وظیفہ انجام دیتے ہیں نہ کہ بلند آواز سے ان کا قصد توہین ہوتا ہے۔ (مجمع البیان جلد۹ صفحہ ۱۳۰ تفسیر فی ظلال و مراغی)

(۷۵)

شیخ بہائی کے والد سے سنی علماء کے مباحثے

علامہ شیخ حسین بن عبدالصمد عاملیؒ جو شیخ بہائی کے والد بزرگوار تھے وہ ۹۱۸ ہجری کے محرم کے اوائل میں جبل عامل میں پیدا ہوئے اور انہوں نے آٹھ

ربیع الاول ۹۸۴ ہجری میں ۶۶ سال عمر پاکر اس دنیا کو خدا حافظ کہا۔ آپ بہت بڑے محقق و عالم و شاعر تھے۔ ۹۵۱ ہجری میں آپ نے شام کے ایک شہر حلب کا سفر کیا اور وہاں ایک بڑے سنی عالم دین سے مذہب حق کے سلسلے میں کئی مناظرے کئے۔ بالآخر ان سنی عالم دین نے مذہب حق تشیع اختیار کرلیا۔

قارئین کی دلچسپی کے لئے ہم ان مناظرات کی تلخیص صرف چار مناظروں میں بیان کریں گے۔

مناظرہ اول: امام صادقؑ کی تقلید کیوں نہیں کی جاتی؟

شیخ حسین بن عبدالصمد کہتے ہیں کہ شہر حلب میں جب وارد ہوا تو حنفی مذہب کے ایک سنی عالم دین جو علوم و فنون میں کافی ماہر مانے جاتے تھے، نے میری دعوت کی۔ گفتگو میں تقلید کی بحث آئی جو میرے اور ان کے درمیان مناظرے کی صورت اختیار کرگئی لہذا وہ مناظرہ کچھ اس طرح سے تھا:

شیخ حسین: آپ اہلسنت کے نزدیک قرآن سے یا رسول خداؐ کی طرف سے کوئی صریح حکم آیا ہے کہ آپ لوگ ابو حنیفہ کی تقلید کرو؟

حنفی عالم: نہیں اس قسم کا قرآن یا گفتار پیغمبرؐ سے کوئی حکم صریح نہیں آیا ہے۔

شیخ حسین: کیا سب مسلمانوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ ہم سب مل کر ابو حنیفہ کی تقلید کریں؟

حنفی عالم: نہیں اس قسم کا بھی کوئی اتفاق رائے نہیں ہے۔

شیخ حسین: تو کس دلیل کے تحت آپ لوگوں پر ابو حنیفہ کی تقلید

واجب ہو گئی ہے؟

حنفی عالم: ابو حنیفہ مجتہد ہیں اور میں مقلد ہوں اور مقلد پر واجب ہے کہ کسی ایک مجتہد کی تقلید کرے۔

شیخ حسین: کیا آپ کی نظر میں امام صادقؑ مجتہد تھے؟

حنفی عالم: جعفر بن محمد الصادقؑ تو بلند ترین مقام و منزلت رکھتے تھے علم و تقویٰ و نسب و مقام میں سب سے بلند تھے ہمارے بعض علماء نے ان کے چار خاص شاگردوں کے نام لئے ہیں کہ جو مجتہد تھے ان میں سے ایک ابو حنیفہ ہیں۔

شیخ حسین: اب جبکہ آپ نے امام صادقؑ کے فوق العادۃ تقویٰ کا اعتراف کیا ہے تو ہم شیعہ حضرات اسی امامؑ کی تقلید کرتے ہیں۔ لہذا آپ لوگوں نے یہ کہاں سے سمجھا کہ ہم لوگ گمراہی میں اور آپ لوگ راہ ہدایت پر ہیں؟ جبکہ ہمارے عقیدے کے مطابق امام صادقؑ معصوم تھے جن سے کسی قسم کی خطا کا کوئی امکان نہیں تھا ان کا حکم خدا کا حکم تھا۔ ہمارے پاس اپنی اس بات پر متقن دلائل ہیں اور وہ ابو حنیفہ کی مانند قیاس و رائے و استحسان وغیرہ کے ذریعے فتویٰ نہیں دیتے تھے جبکہ ابو حنیفہ کے فتووں کے بارے میں احتمال خطا ہے جبکہ امام صادقؑ کے سلسلے میں اس قسم کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ بالفرض اگر ہم ان کی عصمت سے چشم پوشی بھی کر لیں اور آپ لوگوں کی طرح کہیں کہ امام صادقؑ مجتہد تھے تب بھی ہمارے پاس ایسے دلائل ہیں کہ تنہا اس مجتہد (یعنی امام صادقؑ) کی تقلید کرنی چاہئے نہ کہ ابو حنیفہ کی۔

حنفی عالم: آپ کے پاس اس مسئلے پر کیا دلائل ہیں؟

شیخ حسین: تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ امام صادقؑ علم و تقویٰ و عدالت و مقام میں دوسروں پر برتری رکھتے تھے اس طرح کہ میں نے کسی بھی دین کی کسی بھی تاریخ کی کتاب میں نہیں دیکھا کہ کسی نے امام صادقؑ پر کسی نے کوئی اعتراض کیا ہو، شیعوں کے دشمنوں کے پاس تمام امکانات و قدرت و جمیعت زیادہ ہونے کے باوجود امام صادقؑ کی شان میں کوئی ناسزا بات نہ کہہ سکے یہ فوقیت خود ایک بڑا امتیاز ہے۔ لہذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہم ایسے آقا و مولا کی تقلید جن کے بارے میں تمام علماء اسلام فوقیت علمی و تقویٰ کا اعتراف کرتے ہیں چھوڑ دیں جبکہ دوسروں کی تقلید جو اعتراض و اشکالات پر مشتمل ہو اختیار کریں؟ جبکہ مسئلہ تقلید و عدم شک وغیرہ اثبات عدالت پر موقوف ہیں۔ چنانچہ یہ خود ایک تفصیلی بحث ہے جو اپنے مورد میں تفصیلا آئے گی۔ دوسری طرف آپ لوگوں کے امام غزالی جنہوں نے کتاب المنخول لکھی ہی ابو حنیفہ پر اعتراض پر ہے۔ اسی طرح بعض دیگر شافعی علماء نے "کتاب النکت الشریعه فی الرد علی ابی حنیفه" لکھی ہیں۔ لہذا بغیر کسی تردید کے ایسے شخص کی تقلید کرنا جو علم و تقویٰ و عدالت میں سب کے نزدیک معتمد علیہ ہو واجب ہے۔ تمام محققین کے اجماع کے پیش نظر راجح فتویٰ کے سامنے مرجوح فتوے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہم شیعوں کے عقیدے کے مطابق امام صادقؑ اہل البیت رسول خداؐ ہیں جو سورۃ احزاب کی آیت ۳۳ کی تصریح کے تحت ہر طرح کی نجاست و انحراف سے پاک ہیں۔ چنانچہ علامہ لغوی ابن فارس اپنی کتاب "معجم مقاییس اللغه" میں "مجمل اللغه" کی تصریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

امام، اہلبیتؑ پیغمبرؐ سے ہیں (جبکہ ابن فارس مشہور و معروف علماء اہلسنت سے ہیں) اور وہی مقام عصمت ہے جو شیعہ امام صادقؑ کی عصمت کے قائل ہیں۔ لیکن ابوحنیفہ کے بارے میں اجماع ہے کہ وہ اہلبیت پیغمبرؐ سے نہیں تھے۔ لہذا خود قرآن کی تصریح کے پیش نظر ضروری ہے کہ ایسے افراد کی تقلید کی جائے جو ہر قسم کی خطاولغزش سے پاک ومنزہ ہو تاکہ یقینی طور پر اس کی تقلید کرنا نجات کا ذریعہ ہو۔

حنفی عالم: ہم نہیں مانتے کہ امام صادقؑ اہلبیت رسولؐ سے ہیں بلکہ ہماری احادیث کے تحت آیت تطہیر کے پیش نظر پانچ افراد ہیں: محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ وحسنؑ و حسینؑ۔

شیخ حسین: چلیں ہم فرض بھی کرلیں کہ امام ان پانچ میں سے نہیں ہیں لیکن تین دلیلوں کے تحت ان کا حکم بھی عصمت اور پیروی کے واجب ہونے میں انہیں پانچوں کے حکم میں ہے۔

پہلی دلیل یہ کہ جو بھی عصمت پنجتنؑ کا معتقد ہے وہ عصمت امام صادقؑ کو بھی مانتا ہے اور جو بھی پنجتنؑ کی عصمت کو نہیں مانتا وہ امام صادقؑ کی عصمت کو بھی نہیں مانتا۔ اور پنجتنؑ کا معصوم ہونا تو آیت تطہیر کی تصریح کے ذریعے ثابت ہے۔ لہذا عصمت امام صادقؑ بھی ثابت ہے کیونکہ علماء اسلام کی اتفاق رائے کے تحت امام صادقؑ و پنجتنؑ کی عصمت میں کوئی فرق نہیں ہے اور تنہا پنجتنؑ کی عصمت کا اعتقاد رکھنا بغیر عصمت امام صادقؑ کا اعتقاد رکھے اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ تمام راویوں و سیرت لکھنے والوں سے یہ بات معلوم و مشہور ہے کہ امام صادقؑ اور ان کے اجداد میں سے کوئی بھی تحصیل علم کے

لئے کسی کے پاس بھی نہیں گئے کسی نے بھی نہیں لکھا ہے کہ معصومینؑ میں سے کسی نے علماء تسنن کے کسی درس میں شرکت کی ہو بلکہ سب نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ امام صادقؑ نے علم اپنے والد امام باقرؑ اور انہوں نے اپنے والد امام سجادؑ اور انہوں نے اپنے والد امام حسینؑ سے تحصیل علم کیا ہے اور امام حسینؑ تو اجماع مسلمین کے تحت اہلبیت پیغمبرؐ سے ہیں۔ لہذا کسی بھی امام کے فرمان از حیث اجتہاد کے نہیں ہیں، کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی چھوٹے یا بڑے نے ائمہ معصومؑ میں سے کسی سے کوئی سوال کیا ہو اور آپؑ لوگ جواب دینے میں کتابوں کے مطالعہ کی طرف محتاج ہوئے ہوں۔ خود معصومینؑ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا قول ان کے پدر بزرگوار کا قول ہے اور پدر بزرگوار کا قول قول رسول ہے۔ اور یہ بات تو ہمارے نزدیک بطور متقین ثابت ہے کیونکہ پیغمبرؐ کا بھی تو فرمان ہے کہ: "اولنا محمدؐ واوسطنا محمدؐ و آخرنا محمدؐ و کلنا محمدؐ." یعنی ہمارا اول و آخر و اوسط و سب کے سب محمدؐ ہیں۔ یعنی جو اول کا قول ہے وہی اوسط کا آخر کا بلکہ سب کا وہی قول ہے۔ لہذا قول امام صادقؑ بھی وہی قول رسولؐ ہے جو اس کائنات سے ظلم و جہالت و بربریت کو ختم کرنے آئے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ آپ لوگوں کی مورد قبول مختلف و متعدد روایات سے نقل ہے کہ "حدیث ثقلین" جو عبارات مختلف کے باوجود ایک ہی معنی کو بیان کرتی ہے جو پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "انی تارك فيكم الثقلين ما ان تمسكتم به لن تضلوا بعدی كتاب الله وعترتی اهل بيتی." یعنی میں تمہارے درمیان دو مہم و گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر ان سے تمسک رکھا تو ہرگز گمراہ

نہیں ہوگے وہ دو چیزیں ایک کتاب خدا ہے اور دوسری میری عترت جو میرے اہلبیتؑ ہیں۔ یہ حدیث واضح طور پر بتا رہی ہے کہ قرآن و عترت پیغمبرؐ سے تمسک نجات کا سبب ہے جبکہ تمام مسلمین میں صرف شیعہ ہی ان دونوں کو ماننے والے ہیں کیونکہ غیر شیعہ عترت پیغمبرؐ کو تمام انسانوں کی طرح سمجھتے ہیں اور دوسروں سے تمسک کرتے ہیں۔ حدیث ثقلین ہرگز یہ نہیں کہہ رہی ہے کہ میں تمہارے درمیان قرآن و ابو حنیفہ یا قرآن و شافعی وغیرہ کو چھوڑے جارہا ہوں لہذا یہ کس طرح ممکن ہے کہ عترت پیغمبرؐ سے ہٹ کر دوسروں سے تمسک کر کے نجات مل سکے۔ لہذا یہی مطلب اس بات کا اقتضاء کرتا ہے کہ امام صادقؑ جیسوں کی تقلید کی جائے اس لئے کہ ان جیسوں کی تقلید کرنا عترت پیغمبرؐ سے تمسک کرنا ہے اور اس میں تو شک ہی نہیں کہ امام صادقؑ کی پیروی ابو حنیفہ کے مقابل میں برتری رکھتی ہے۔

مناظرہ دوم: مذاہب اربعہ کی نسبت مذہب تشیع کیوں مشہور نہیں؟

پہلے مناظرے میں جب امام صادقؑ کی تقلید کی برتری ثابت ہو گئی تو حنفی عالم کہنے لگے: صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ امام صادقؑ نے علم اپنے اجداد سے سیکھا اور دوسروں پر علم و عمل و تقویٰ کے لحاظ سے برتری رکھتے ہیں اور اپنے مقلدین کی نجات کا باعث ہیں مگر پھر بھی مذہب اتنا مشہور نہیں ہے جتنے یہ چار مذاہب (حنفی و مالکی و حنبلی و شافعی) مشہور ہیں۔

شیخ حسین: اگر آپ کا مقصد یہ ہے کہ مذہب شافعی و حنفی وغیرہ نے مذہب تشیع کو نقل نہیں کیا، تو صحیح ہے لیکن ان کا نقل نہ کرنا ہمارے لئے کوئی نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ ہم نے بھی ان کے مذہب کو نقل نہیں کیا۔ اور اسی

طرح ان چاروں مذاہب نے بھی ایک دوسرے کے مذہب کو نقل نہیں کیا، اور یہ نقل نہ ہونا بھی آپ لوگوں کے لئے کوئی نقصاندہ نہیں ہے۔ اور اگر آپ کا مقصد یہ ہے کہ کسی بھی مسلمان نے مذہب تشیع کو نقل نہیں کیا تو آپ کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کیونکہ خود شیعہ جو مسلمانوں میں عظیم لوگ ہیں انہوں نے اور بہت سے اہلسنت اور باقی اسلامی فرقوں نے بھی گفتار و آداب و عبادات میں جعفری مذہب (مکتب اہل بیت) کو نقل کیا ہے خود شیعوں نے مطالب مذہب تشیع کو نقل کرنے میں بڑا اہتمام کیا ہے، مناظرے کئے ہیں اور راویوں کے مسئلے میں ثقہ و عدم ثقہ پر بڑی توجہ دی ہے جس پر کئی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ علماء شیعہ جتنے بھی علماء اہلسنت سے کم ہی کیوں نہ ہوں پھر بھی علماء چہار گانہ بالخصوص حنبلی و مالکی سے کم نہیں ہیں بلکہ ان دو مذہب کے علماء سے تو زیادہ ہیں اور ہمیشہ علماء شیعہ اپنے اماموں کی پیروی میں علم و تقویٰ وغیرہ میں عالی ترین منزلت و مرتبہ پر فائز ہیں۔ جس طرح ہمارے اماموں کے زمانہ میں کوئی بھی علم و عمل کے لحاظ سے ہمارے اماموں بلکہ ان کے شاگردوں سے علم و بحث و تحقیق میں برتر نہیں تھا۔ شاگردان امام مثلاً ابن حکم، جمیل بن دراج و زرارہ بن اعین و محمد بن مسلم اور دوسرے کثیر شاگرد جو انہی کی مانند تھے حتیٰ کہ مخالفین بھی ان کے علم و عمل و تقویٰ کی تعریف کیا کرتے تھے۔ اسی طرح اماموں کے دور کے بعد کے علماء بھی ہیں۔ مثلاً علامہ مجلسیؒ، شیخ صدوق، شیخ کلینی، شیخ مفید، شیخ طوسی، سید مرتضیٰ، سید رضی، ابن طاؤس، خواجہ نصیر الدین طوسی، میثم بحرانی، علامہ حلی اور ان کے بیٹے فخر المحققین اور انہی کی طرح وہ دیگر علماء و محققین ہیں کہ جنہوں نے اپنی

تالیفات و نشتوں کے ذریعے تمام مشرق و مغرب کے عالم کو پُر کر دیا تھا۔ لہذا اس مذہب سے لوگوں کا انکار یا تو تعصب کے پیش نظر ہے یا نادانی کے سبب۔ لہذا آپ کو مجبوراً ماننا پڑے گا کہ ہمارا مذہب صحیح ہے، بلکہ ہم لوگ جس کی تقلید کرتے ہیں وہ باقی سب پر برتری رکھتا ہے، لہذا جو انصاف سے کام لیتا ہے اس کے لئے ناگزیر ہو جاتا ہے کہ مذہب تشیع کی صحت کا اعتراف کرے لیکن ہمارے لئے ضروری نہیں ہے کہ ہم آپ کے مذہب حنفی کے صحیح ہونے کی تصدیق کریں کیونکہ ہم لوگ جس کی پیروی کرتے ہیں اس میں عصمت کو شرط مانتے ہیں لہذا ہم ہی نجات یافتہ گروہ ہیں۔ آپ لوگ اگرچہ ہمارے مذہب کی صحت کو اپنی زبانوں پر نہیں لاتے لیکن دلائل و قواعد مسلّم جو آپ لوگوں کے پاس ہیں وہ آپ لوگوں کو مذہب تشیع کی متابعت پر مجبور کرتے ہیں کیونکہ بقول آپ کے نجات کا سبب مجتہد کی تقلید کرنا ہے جو ہمارے مذہب میں ترجیحاً ناقابل انکار ہے۔ جب بات اس مقام تک پہنچی تو وہ حنفی عالم لاجواب ہو کر رہ گئے اور اپنے پہلے سوال سے منحرف ہو کر دوسری بحث شروع کرنے لگے۔

مناظرہ سوم: اصحاب کو ناسزا کہنا کیسا ہے؟

حنفی عالم: میری نظر میں ایک موضوع باقی رہ گیا ہے وہ یہ کہ آپ کے نزدیک اصحاب پیغمبر اکرم کو ناسزا کہنا کیسا ہے؟ وہ لوگ جو اپنی جان و مال کے ذریعے اور شمشیر کے ذریعے شہروں اور علاقوں کو حکومت اسلامی کے تحت لے آئے۔ مثلاً عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے زمانہ میں جو فتاوئی صادر ہوئے وہ کسی بھی خلفاء کے زمانے میں صادر نہیں ہوئے جن کا ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا ان

کی قدرت و صلاحیت سے بھی ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جب میں آپ کے دلائل کی طرف توجہ کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ مذہب تشیع بہت اچھا و محکم مذہب ہے لیکن جب آپ کے مذہب میں دیکھتا ہوں کہ بعض اصحاب پیغمبرؐ کو ناسزا کہا جاتا ہے جو صحیح نہیں اس سے اندازہ لگاتا ہوں کہ آپ کا مذہب ہی صحیح نہیں ہے۔

شیخ حسین: ہمارے مذہب میں اس قسم کا کوئی حکم نہیں ہے کہ اصحاب پیغمبرؐ کو ناسزا کہا جائے بلکہ عوام الناس انہیں ناسزا کہتے ہیں۔ ہمارے علماء میں سے کسی کا بھی فتویٰ نہیں کہ اصحاب پیغمبرؐ کو ناسزا کہا جائے۔ آپ تمام ہماری فقہی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں کہیں بھی یہ مسئلہ آپ کو نہیں ملے گا۔ پھر اس حنفی عالم کے سامنے میں نے قسم کھاتے ہوئے بتایا کہ اگر کوئی مذہب اہلبیتؑ یعنی مذہب تشیع میں ہزار سال بھی زندگی گزارے ولایت اہلبیتؑ کو قبول کرتا ہو ان کے دشمنوں سے بیزار ہو اور ہرگز کسی بھی صحابہ رسولؐ کو ناسزا نہ کہتا ہو تو وہ ہرگز خطاوار نہیں ہے اور نہ اس کے ایمان میں کوئی کمی آنے والی ہے۔

حنفی عالم نے جب میری یہ بات سنی تو اس کا چہرہ کشادہ ہوگیا۔ اس نے خوشی کا اظہار کیا گویا کہ میری بات کی تصدیق کررہا ہو۔ اسی اثناء میں میں نے اس سے کہا کہ جبکہ آپ کے نزدیک علم اہلبیت پیغمبرؐ اور ان کا مقام اجتہاد و عدالت اور ان کی سب پر برتری ثابت ہوگئی تو آپ کو چاہئے کہ ان کی پیروی کریں۔

حنفی عالم: میں گواہی دیتا ہوں کہ میں ان کا پیروکار ہوں لیکن اصحاب رسولؐ کو ہرگز ناسزا نہیں کہوں گا۔

شیخ حسین: آپ صحابہ میں سے کسی کو بھی ناسزا نہ کہیں لیکن جب آپ

اس کے معتقد ہیں کہ اہلبیت رسولؐ، خدا کی نظر میں عظمت رکھتے ہیں تو اس وقت آپ ان کے دشمنوں کو کیا کہیں گے؟

حنفی عالم: میں دشمنان اہلبیت رسولؐ سے بیزار ہوں۔

شیخ حسین: میرے نزدیک آپ کے مذہب تشیع کے قبول کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ پھر وہ حنفی عالم کہنے لگے: میں خدا کی وحدانیت و پیغمبرؐ کی رسالت اور خدا کی فرشتوں کی گواہی دیتا ہوں اور ان سب کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کرتا ہوں۔ پھر مجھ سے فقہ اہلبیتؑ پر کتاب طلب کی تو میں نے ان کو "مختصر النافع شرح شرائع علامہ محقق حلی" ان کو دی۔

مناظرہ چہارم: مقام صحابہ پر ایک بحث

شیخ حسین بن عبدالصمد کہتے ہیں کہ کافی مدت بعد جب پھر اس حنفی عالم کو دیکھا جو شیعہ ہو چکے تھے تو وہ بڑے مغموم نظر آرہے تھے کیونکہ ان کے اندر یہ بات رسوخ کر گئی تھی کہ اصحاب پیغمبرؐ کے بلند و عظیم رتبہ کے باوجود شیعہ ان کو برا کیوں کہتے ہیں؟ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ انصاف سے قضاوت کریں اور میری بات کو اپنی حد تک محدود رکھیں تو میں اصحاب کو برا کہنے کی علت آپ کے سامنے بیان کروں۔ انہوں نے مختلف قسم وغیرہ کھا کر عہد کیا کہ انصاف سے قضاوت کریں گے اور اس گفتگو کو دوسروں سے مخفی رکھیں گے تو پھر میں نے ان سے کہا آپ کا نظریہ اس صحابی کے بارے میں جس نے عثمان خلیفہ سوم کو قتل کیا تھا کیا ہے؟

حنفی عالم: اس نے اپنے اجتہاد کے پیش نظر یہ کام (قتل عثمان) کیا تھا۔

لہذا وہ لوگ گناہگار نہیں ہیں جیسا کہ ہمارے علماء نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے۔

شیخ حسین : آپ کا نظریہ عائشہ و طلحہ و زبیر اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں کیا ہے جو حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ جمل کو وجود میں لانے اور دونوں طرف کے سولہ ہزار افراد کے قتل کے موجب بنے؟ اسی طرح آپ کا نظریہ معاویہ اور اسکے اصحاب جو جنگ صفین کو وجود میں لانے اور حضرت علیؑ سے جنگ لڑنے اور نتیجہ میں دونوں طرف سے ساٹھ ہزار افراد کے قتل کا سبب بنے کیا ہے؟

حنفی عالم : یہ سب جنگیں بھی قتل عثمان کی طرح اجتہاد کے پیش نظر ہوئی ہیں۔

شیخ حسین : کیا حق اجتہاد مسلمانوں کے صرف ایک گروہ کو حاصل ہے دوسروں کو حق حاصل نہیں ہے؟

حنفی عالم : نہیں بلکہ تمام مسلمان اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

شیخ حسین : جب اجتہاد میں قتل اصحاب اور دوسرے مؤمنین کے قتل دختر رسولؐ و قتل حضرت علیؑ جائز ہیں یعنی جس کے علم و زہد و تقویٰ رسول خداؐ کے بعد سب سے بلند و برتر ہوں اسلام اس کی شمشیر ہی سے بچا ہو اور رسولؐ نے ان کے بارے میں مختلف طریقوں سے مختلف مقامات پر ان کی فضیلت میں احادیث ارشاد فرمائی ہوں جن سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا اور یہاں تک کہ خدا نے جس کو تمام لوگوں کا رہبر و سرپرست بنایا ہو یہ فرما کر کہ : "انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا۔" یعنی اے صاحبان ایمان! تمہارا ولی و رہبر خدا اور رسولؐ اور وہ لوگ ہیں جو (اس پر) ایمان لائے ہیں۔(سورۃ مائدہ آیت ۵۵) یعنی وہ علیؑ ہیں

کیونکہ علماء اسلام کی اتفاق رائے کے تحت "والذین آمنو" سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔(احقاق الحق جلد ۲ ص ۳۹۹۔ کنزالعمال جلد ۶ ص ۳۹۱۔ فتح القدیر جلد ۲ ص ۵۰۔ ذخائر العقبیٰ ص ۸۸) اور بھی بہت سی روایات ہیں جو اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا بعض اصحاب کو ناسزا کہنے میں اجتہاد (خود بقول آپ کے) جائز ہے کیوں اور اصحاب کو برا و ناسزا کہنے میں اجتہاد جائز نہیں ہے کیوں؟ کیونکہ (شیعہ) کسی کو بھی برا نہیں کہتے مگر اس کو برا و ناسزا کہتے ہیں جس نے علی الاعلان اہلبیت رسولؐ کے ساتھ دشمنی کی لیکن جو اہلبیت رسولؐ سے مخلصانہ محبت کرتے ہیں ہم بھی ان سے محبت کرتے ہیں۔ مثلاً سلمانؓ و مقدادؓ و عمارؓ و ابوذرؓ وغیرہ۔ لہٰذا ان سے دوستی کے پیش نظر ہم خدا سے تقرب چاہتے ہیں۔ یہ ہے ہمارا اعتقاد اصحاب پیغمبرؐ کی شان میں اور ناسزا کہنا بھی ایک قسم کی بددعا ہے۔ خدا کی مرضی اسے قبول کرے یا نہ کرے جس طرح صحابہ کا خون گرانا ہے اور یہ معاویہ تھا جس نے سب و شتم حضرت علیؑ اور ان کے خاندان پر قرار دیا۔ اس طرح کہ اسی (۸۰) سال حکومت بنی امیہ میں یہی رائج رہی مگر پھر بھی مقام و منزلت علیؑ میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی اسی طرح شیعوں کا دشمنان خاندان رسالت کو برا کہنا اپنے اجتہاد کی بناء پر صحیح ہے یہ لوگ اگر فرضاً اپنے اجتہاد میں خطا بھی کر جائیں پھر بھی گناہگار نہیں ہیں۔

مزید وضاحت: اصحاب پیغمبرؐ بھی کئی طرح کے تھے۔ بعض سچے تھے، بعض منافق تھے اور خدا کا بعض اصحاب کی تعریف کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ دوسرے صحابیوں کا فسق و فجور و کفر ختم ہو جائے اور وہ بھی اس تعریف میں

شامل ہو جائیں۔ لہذا ہمارا اجتہاد رسول خداؐ کے منافق صحابیوں کو برا کہنے میں ہے نہ کہ ہم سب کو برا کہتے ہیں۔

حنفی عالم : کیا اجتہاد بغیر دلیل کے صحیح ہے۔

شیخ حسین : ہمارے مجتہدین کے دلائل اس مسئلے میں روشن ہیں۔

حنفی عالم : ان میں سے ایک میرے لئے بیان کریں۔

شیخ حسین نے دلائل بیان کئے جن میں منجملہ حضرت فاطمہ زہراؑ کو آزار رسانی والا مسئلہ کہ خداوند عالم سورۃ احزاب کی آیت ۵۷ میں ارشاد فرماتا ہے:

"ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ." یعنی بے شک وہ لوگ جو خدا و رسولؐ کو آزار دیتے ہیں خدا ان پر دنیا و آخرت میں لعنت بھیجتا ہے۔(المناظرات تالیف شیخ حسین بن عبدالصمد۔ چاپ سوسہ قائم آل محمدؐ علیہم السلام)

(۷۶)

آیت رضوان و طعن اصحاب

مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ میری ایک شافعی عالم سے ملاقات ہوئی جو کسی حد تک قرآن و حدیث سے واقف تھا۔ اس نے شیعوں پر اپنے اعتراضات کو اس طرح سے شروع کیا کہ شیعہ اصحاب پیغمبرؐ پر لعن طعن کرتے ہیں اور یہ کام خلاف قرآن ہے۔ لہذا جو لوگ خدا کی خوشنودی کا باعث ہیں ان کے بارے میں ہرگز بدگوئی نہیں کرنی چاہئے کیونکہ خداوند عالم سورۃ فتح کی آیت نمبر ۱۸ میں فرماتا ہے:

"لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم و اثابھم فتحاً قریباً۔" یعنی خداوند عالم مؤمنین سے راضی ہوگیا جنھوں نے اس درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، خدا ان کے قلوب میں جو کچھ ہے جاننے والا ہے، لہٰذا انہیں قلبی سکون عطا کیا اور عنقریب ان کے نصیب میں فتح ہوگی۔ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب پیغمبر اکرمؐ ہجرت کے چھٹے سال ماہ ذی الحجہ میں ایک ہزار چار سو مسلمانوں کے ہمراہ عمرہ کے ارادے سے مدینے سے مکہ کی طرف چلے۔ ابوبکر و عمر و عثمان و طلحہ و زبیر وغیرہ بھی ان کے ساتھ تھے لیکن جب عسفان — جو مکہ سے قریب ایک آبادی تھی — پہنچے تو معلوم ہوا کہ مشرکین مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکیں گے۔ چنانچہ پیغمبر اکرمؐ نے مکہ سے بیس کلو میٹر دور حدیبیہ جہاں پانی اور درخت وغیرہ تھے توقف کیا تاکہ صحیح خبر معلوم ہو جائے۔ اسی دوران پیغمبر اکرمؐ نے عثمان کو سرداران قریش سے مذاکرہ کرنے کے لئے مکہ بھیجا، کافی دن تک ان کی کوئی خبر نہ مل سکی، لہٰذا مشہور ہونے لگا کہ مشرکین نے عثمان کو قتل کردیا ہے اسی دوران پیغمبر اکرمؐ نے شدت عمل کا ارادہ کیا اور اسی درخت کے نیچے مسلمانوں کو حاضر کیا اور تجدید بیعت لی جو بعد میں بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہوگئی۔ پیغمبر اکرمؐ نے مسلمانوں سے عہد لیا کہ اپنے اپنے خون کے آخری قطرے تک مشرکین سے جنگ میں مقاومت کریں گے لیکن تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ عثمان صحیح و سالم لوٹ آئے، اس بیعت کی خبر سے مشرکین مرعوب ہوگئے اور سہیل بن عمر کو پیغمبرؐ کی خدمت میں صلح کے لئے بھیجا جس کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ قرار پائی اور

یہ طے پایا کہ مسلمان آئندہ سال مکہ آئیں گے اس سال واپس چلے جائیں۔ (تلخیص تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۸۱) اسی دوران سورۃ فتح کی آیت مذکور نازل ہوئی جس میں خدا نے بیعت کرنے والوں کی ستائش اور اس کے بارے میں اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ لہذا جو صحابی خدا کی رضامندی کا سبب بنیں، ان کو ہرگز لعن و طعن نہیں کرنا چاہئے۔

میں نے اس کو جواب دیا کہ اولاً یہ آیت صرف ان لوگوں پر مشتمل ہے جو اس وقت بیعت میں حاضر تھے اور ثانیاً اس آیت میں منافقین شامل نہیں، یعنی عبداللہ ابی اور اوس بن خولی وغیرہ۔ جن کو آیت رضی اللہ عن المؤمنین خارج کرتی ہے۔ ثالثاً آیت مذکور دلالت کرتی ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے بیعت کی خدا ان سے راضی ہوگیا۔ آیت کا معنی یہ نہیں ہے کہ خدا تا ابد ان سے راضی ہوگیا ہے جس پر اسی سورۃ کی آیت نمبر ۱۰ گواہ ہے: "فمن نکث فانما ینکث علی نفسه ومن اوفی بما عاهد علیه الله فسیؤتیه اجرا عظیما." یعنی جس نے عہد پیمان کو توڑا گویا اس نے اپنا ہی نقصان کیا اور جو خدا سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرے اسے عنقریب اجر عظیم دیا جائے گا۔ یہ آیت اس بات کو بیان کرتی ہے کہ ان افراد میں سے بعض تھے جن کے بارے میں بیعت شکنی کا احتمال تھا۔ چنانچہ بعض کے بارے میں یہ مسئلہ ظاہر ہوگیا۔ لہذا آیت رضوان خدا کی رضایت ابدی کو بیان نہیں کرتی بلکہ ممکن ہے کہ یہ مسلمان دو دستہ ہو جائیں، ایک دستہ اپنی بیعت کی وفا کرے اور دوسرا دستہ بیعت کی وفا نہ کرے۔ لہذا ہم شیعوں کے نزدیک جنہوں نے دلائل بے جا کے ذریعے وفاداری نہیں کی وہ اس آیت رضوان سے خارج ہیں۔ لہذا

ہمارے نزدیک قابل لعن ہیں اور آیت مذکور بھی ہمیں اس سے نہیں روک سکتی۔

قبور کے پاس بیٹھنے کے سلسلے میں مباحثہ

مدینہ میں وزارت امر بالمعروف کے شعبے کا سرپرست ایک شیعہ عالم سے اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے کہ تم لوگ قبروں کے پاس کیوں بیٹھتے ہو جو کہ فعل حرام ہے۔

شیعہ عالم: اگر قبور کے پاس بیٹھنا حرام ہے تو کہو کہ مسجد الحرام میں بیٹھنا بھی حرام ہے کیونکہ حجر اسمٰعیلؑ کے پاس بعض پیغمبر حضرات و اسمٰعیلؑ و ہاجرہؑ یہ سب دفن ہیں جبکہ کسی نے اس قسم کا فتویٰ نہیں دیا اور متعدد احادیث ہیں جو کہتی ہیں کہ قبور کے کنارے بیٹھنے میں کوئی اشکال نہیں منجملہ کتابوں میں سے آپ کی کتاب صحیح بخاری جو آپ کے عقیدے کے مطابق قرآن کی مانند معتبر ہے اس میں امام علیؑ سے روایت ہے کہ ہم قبرستان بقیع کے غرقد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ پیغمبر اکرمؐ ہمارے پاس تشریف لائے اور بیٹھ گئے۔ ہم بھی ان کے اطراف میں بیٹھ گئے۔ پھر آپؐ نے قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ہر انسان کا کوئی نہ کوئی ایک گھر ہوتا ہے یا جنت میں یا دوزخ میں۔ (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۳۰۔ مطابق الشعب سن ۱۳۷۸)

اس روایت کی بناء پر پیغمبر اکرمؐ قبور کے کنارے قبرستان بقیع میں بیٹھے اور جو بھی وہاں بیٹھے تھے انہیں منع نہیں کیا۔ (مناظرات فی الحرمین الشریفین)

(۷۷)

عشرہ مبشرہ پر مباحثہ

اشارہ : احمد بن حنبل نے اپنی مسند کی جلد اول کے صفحہ ۱۹۳ پر عبدالرحمٰن بن عوف سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "ابوبکر فی الجنه و عمر فی الجنه و عثمان فی الجنه و علی فی الجنه و طلحه فی الجنه والزبیر فی الجنه و عبدالرحمن بن عوف فی الجنه و سعدبن ابی وقاص فی الجنه و سعید بن زید فی الجنه وابوعبیده ابن الجراح فی الجنه." یعنی یہ دس افراد بہشتی ہیں: (۱)ابوبکر (۲)عمر (۳)عثمان (۴)علیؑ (۵)طلحہ (۶)زبیر (۷)عبدالرحمٰن بن عوف (۸)سعد بن ابی وقاص (۹)سعید بن زید (۱۰)ابوعبیدہ بن جراح۔ (صحیح ترمذی جلد ۱۳ ص ۱۸۲۔ سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۲۶۴) اہلسنت اس حدیث جعلی کو بہت اہمیت دیتے ہیں اور اس حدیث کو حدیث عشرہ مبشرہ کہتے ہیں (یعنی جن کو بہشت کی بشارت دی گئی ہے) یہ حدیث ان کے نزدیک اتنی مشہور ہے کہ مقدس مقامات مثلاً مسجد النبیؐ تک میں لکھ کر لگائی ہوئی ہے۔ لہذا شیعہ عالم مدینہ میں کسی کام سے تنظیم وامربالمعروف کے دفتر گئے تو ان کے سرپرست سے کسی موضوع پر گفتگو ہوئی اور عشرہ مبشرہ کے درمیان میں گفتگو آئی تو میں نے ان سے کہا کہ اجازت ہے کہ آپ سے کچھ سوال کروں؟

سرپرست : پوچھیں۔

شیعہ عالم : یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک اہل بہشت دوسرے اہل بہشت سے جنگ کرے کیونکہ طلحہ و زبیر جو بقول آپ کے اہل بہشت میں سے

ہیں۔ عائشہ کی سربراہی میں حضرت علیؑ سے جو اہل بہشت سے ہیں، جنگ جمل کی۔ جس کی وجہ سے کئی لوگ مارے گئے جب کہ قرآن فرماتا ہے: "ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزائہ جھنم خالداً فیھا." (سورۃ نساء آیت ۹۳) یعنی جو بھی کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے وہ دوزخی ہے جو ہمیشہ اس میں رہے گا۔ لہذا اس آیت کے پیش نظر ان دونوں طرف کی قتل و غارت کا ذمہ دار یا حضرت علیؑ ہیں یا طلحہ و زبیر؟ لہذا بطور قطع "حدیث عشرۂ مبشرہ" محض جھوٹ ہے۔

سرپرست: ان دونوں گروہوں والے سب مجتہد تھے۔ سب نے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا۔ لہذا اس صورت میں یہ لوگ معذور ہوں گے۔

شیعہ عالم: اجتہاد نص صریح کے مقابل میں جائز نہیں ہے کیا تمام مسلمین نے پیغمبر اکرمؐ سے یہ نقل نہیں کیا ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمایا: "یاعلی حربك حربی سلمك سلمی." یعنی اے علیؑ تمہاری جنگ میری جنگ ہے تمہاری صلح میری صلح ہے۔ (مناقب ابن مغازلی ص۵۰۔ مناقب خوارزمی ص۷۶ و ۲۴) اور آپؐ نے فرمایا: "من اطاع علیا فقد اطاعنی ومن عصی علیا فقد عصانی." یعنی جس نے علیؑ کی پیروی کی اس نے میری پیروی کی جس نے اس کی مخالفت کی اس نے میری مخالفت کی۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۵۷۔ الامامۃ والسیاسیہ ص ۷۳۔ مجمع الزوائد ہیثمی جلد ۷ ص ۲۳۵) اور مزید آپؐ نے فرمایا: "علی مع الحق والحق مع علی یدور الحق معہ حیثما دار." یعنی علیؑ حق کے ساتھ ہے اور حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ جہاں جہاں علیؑ جاتے ہیں وہاں وہاں حق جاتا ہے۔ لہذا ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ جن کے نام لئے گئے ہیں

(جنگ جمل میں) ان میں ایک طرف حق ہے اور وہ امام علیؑ ہیں۔ لہذا حدیث عشرہ مبشرہ جھوٹی ہے کیونکہ حق کے طرفدار باطل کو اہل بہشت نہیں کہتے اور دوسری بات یہ ہے کہ خود عبدالرحمٰن بن عوف جو اس حدیث کے راویوں میں سے ہے اور خود بھی ان دس افراد میں سے ہے اور یہی عبدالرحمٰن ہے جس نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کی وفات کے بعد حضرت علیؑ پر تلوار اٹھائی تھی کہ "بیعت کرو ورنہ قتل کیے جاؤ گے" اور اسی عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی مخالفت کی۔ عثمان اسے منافق کہتے تھے۔ لہذا کیا ان سب باتوں کے پیش نظر یہ افراد (سوائے علیؑ کے) ممکن ہے کہ ان کو اہل بہشت کہا جائے؟ ابوبکر و عمر (رضی اللہ عنہم) جو بقول آپ کے بہشت کی بشارت لے چکے ہیں وہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی وفات کا سبب بنے ہیں۔ حضرت فاطمہؑ آخری عمر تک ان سے نہیں بولیں اور سعد بن ابی وقاص سے جب کسی نے پوچھا کہ کس نے عثمان کو قتل کیا تو وہ کہنے لگا عائشہ کی شمشیر سے جسے طلحہ نے تیز کیا عثمان قتل کیے گئے۔ کیا یہ سب افراد جو ایک دوسرے سے اس طرح سے پیش آتے تھے سب بہشتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ لہذا یہ حدیث "عشرۂ مبشرہ" سند کے لحاظ سے بھی مبہم ہے کیونکہ اس کی سند بھی عبدالرحمٰن بن عوف یا سعید بن زید میں سے کسی ایک تک منتہی ہوتی ہے۔ لہذا معتبر ہونے سے ساقط ہے اور سعید بن زید روایت عشرۂ مبشرہ خلافت معاویہ کے دور میں کوفہ سے نقل کرتے ہیں اور معاویہ کے دور سے پہلے نقل نہیں کی ہے اور معاویہ کے دور میں تو ویسے ہی جعلی حدیثوں کا بازار گرم تھا۔ لہذا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث "عشرۂ مبشرہ" بھی معاویہ کے دور کی جعل کردہ حدیث ہے۔

(۷۸)

قبور پر پیسے ڈالنے کے مسئلہ پر مکالمہ

پہلے زمانہ میں جب جنت البقیع میں مقبرے بنے ہوئے تھے تو ان کے اطراف میں سائن بورڈ لگے ہوئے تھے جن پر لکھا ہوا تھا: "لایجوز رمی النقود علی القبور." یعنی قبور پر پیسہ ڈالنا جائز نہیں ہے۔ ایک دن "امربالمعروف" تنظیم کا سردار قبرستان آیا اور اس نے جب قبور پر پیسے پڑے دیکھے تو زواروں سے کہنے لگا یہ قبور پر پیسے ڈالنا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ ایک شیعہ عالم جو وہاں کھڑے تھے کہنے لگے کس دلیل کی بناء پر حرام ہے؟ کیا قرآن و سنت نے اس سے منع کیا ہے؟ جبکہ رسول خداؐ کا فرمان ہے: "ہر چیز جائز ہے مگر وہ چیز جس سے منع کیا گیا ہے۔ لہذا قبور پر پیسہ ڈالنے سے منع نہیں کیا گیا ہے۔

سردار: قرآن کا ارشاد ہے: "انما الصدقات للفقراء." (سورۃ توبہ آیت ۶۰) یعنی صدقات فقراء کے لئے ہیں۔

شیعہ عالم: یہ پیسہ بھی فقراء ہی لیتے ہیں جو یہاں نگہبان ہیں۔

سردار: یہاں کے نگہبان فقیر نہیں ہیں۔

شیعہ عالم: ان میں فقیر ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ مدد و بخشش میں ضروری نہیں ہے کہ دوسری طرف فقیر ہی ہو کیونکہ جب کوئی فی سبیل اللہ اپنے مال کو خرچ کرنا چاہے تو وہ ثروت مند کو بھی بخش سکتا ہے۔ جس طرح شادی بیاہ میں دلہن و داماد پر پیسے نثار کئے جاتے ہیں۔

لہذا جو لوگ فقیر نہیں بھی ہوتے وہ لوگ بھی وہ پیسے لے لیتے ہیں جس

میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ اس آیت میں جس کی آپ نے تلاوت کی صدقات کے آٹھ مصارف ذکر ہوئے ہیں جن میں سے ایک "فی سبیل اللہ" کا مورد ہے اور جب مسلمین اولیاء خدا کی قبور پر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: "میری جان و مال آپ پر فدا ہو" یہ خود ایک قسم کی محبت والفت کی دلیل ہے اب اگر کوئی اپنے محبوب کی خاطر اپنا تمام مال یا بعض مال کسی کو بخش دے تو ان میں شرعاً و عرفاً کیا حرج ہے اور جب کہ خداوند عالم اپنی طرف سے حلال و حرام کرنے کو بغیر دلیل کے منع کرتا ہے: "ولاتقولو لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال و هذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب." (سورۃ نحل آیت ۱۱۶) یعنی اپنی جھوٹی زبانوں سے یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام، جس کی وجہ سے گویا خدا کی طرف جھوٹی نسبت دے رہے ہو۔

کیا خداوند عالم نے تمھیں اجازت دی ہے کہ اپنی طرف سے قضاوت کرو، یعنی جو چیز بھی تمہارے مزاج و عادت کے موافق نہ ہو اسے حرام و شرک قرار دیدو اور بدعت سے مقابلے کے نام پر ہر حلال کو حرام قرار دیدو اس چیز سے غافل رہتے ہوئے کہ حلال کو حرام کرنا خود بدعت ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ جان لیں کہ وہ صحیح راستہ سے منحرف ہو چکے ہیں۔ جیسا کہ قرآن سورۃ نحل کی اسی آیت سابقہ کے ذیل میں فرماتا ہے: "ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون." یعنی بے شک وہ لوگ جو خدا پر جھوٹ و افتراء باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح پانے والے نہیں ہیں۔

(۷۹)

ہر طرف سے لفظ "شرک" کا شور سنائی دینا

سعودی عرب میں ایک چیز جو سب سے سستی بلکہ مفت ملتی ہے وہ لفظ شرک ہے جو ہر طرف سنائی دیتا ہے۔ وہاں پر جو تنظیم امربالمعروف ہے جن کا کام ہی یہ ہے کہ مسلمانوں پر ان کے ہر عمل خاص و شرعی پر شرک کی تہمت لگا کر انہیں اسلام سے خارج قرار دیتے رہیں۔ یعنی فقط وہ لفظ ہی سے سروکار نہیں رکھتے بلکہ شیعوں کی ان کتابوں کو جنہیں محققان اسلام نے لکھا ہے، اپنی تہمت کا شکار بناتے ہیں۔ ایک کتاب نمونہ کے طور پر جو شیعہ محقق استاد شیخ محمد حسین مظفرؒ نے اس عبارت کے ساتھ لکھی ہے کہ: "فكانت الدعوه للتشيع لابی الحسن عليه السلام من صاحب الرسالة تمشی منه جنبا لجنب مع الدعوة للشهادتين." یعنی پیروی ابوالحسن علی علیہ السلام کی دعوت دینا ہی دراصل دعوت توحید و دعوت رسالت پیغمبر کا پیش خیمہ ہے۔ اس پر ایک وہابی اپنی کتاب "الشیعه والتشیع" میں جو سعودی عرب میں چھپی ہے اپنی کم عقلی و کم نظری کا اظہار کرتے ہوئے مذکورہ عبارت کی اس طرح تاویل کرتا ہے: "ان النبی حسب دعوی المظفری كان يجعل عليا شريكا له فی نبوته ورسالته." یعنی بقول مظفر پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کو اپنی نبوت و رسالت کا شریک بنالیا ہے۔ لہذا اس لکھنے والے وہابی سے ہمارا مناظرہ یہ ہے کہ اگر یہ شخص اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرتا اور اپنے آپ کو وہابیوں کے ہاتھوں فروخت نہ کرتا اور عقائد شیعت سے آگاہ ہوتا تو اس طرح کا ہنسی مذاق والا اعتراض نہ کرتا اور اس طرح کی تہمت شیعہ محقق پر نہ لگاتا۔ اگر شیخ

مظفر کی اس طرح کی عبارت دعوت شرک ہے تو ان سے پہلے قرآن اس کو انجام نہیں دیتا کیونکہ سورۃ نساء کی آیت ۵۹ میں ہم پڑھتے ہیں کہ: "اطیعو اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم." یعنی خدا کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنوں میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ اس آیت میں جملہ "اولی الامر" اطاعت خدا اور اطاعت رسولؐ کے ساتھ لایا گیا ہے اور بلا شک و تردید علیؑ ہی مصداق اولی الامر ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ یہاں یہ کہا جائے کہ پیغمبر اکرمؐ نے بجائے توحید کی دعوت کے (نعوذباللہ) شرک کی دعوت دی؟ جبکہ ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی خدا کی توحید اور اپنی رسالت کی گواہی دی وہاں وہاں اپنے بعد علیؑ کی منزلت اور امامت کی بھی گواہی دیتے اور بتلاتے گئے۔ جس کا رسالت کے ساتھ شریک ہونے اور شرک ہونے سے کوئی ربط نہیں ہے۔

وضاحت: جب سورۃ شعراء کی آیت ۲۱۴ "وانذر عشیرتك الاقربین." یعنی اپنے رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ نازل ہوئی تو پیغمبر اکرمؐ نے اپنے رشتہ داروں کی ایک میٹنگ بلائی اور اس میں اپنی نبوت کا اعلان کیا اور فرمایا: "فایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی ان اخی و وصی و خلیفتی فیکم." یعنی تم میں سے کون ہے جو میرے اس کام میں میری مدد کرے گا تاکہ وہ میرا بھائی میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ قرار پائے۔ اس وقت سوائے علیؑ کے کوئی نہیں اٹھا۔ پھر پیغمبر اکرمؐ نے مزید دو مرتبہ اپنے الفاظ کو دہرایا جب سوائے علیؑ کے کوئی نہیں اٹھا تو آپؐ نے فرمایا: "ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم فاسمعوله واطیعوہ."

یعنی یہ ہے میرا بھائی میرا وصی میرا خلیفہ تمہارے درمیان، اس کی بات کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۶۳۔ تاریخ ابن اثیر جلد ۲ تاریخ ابوالفداء جلد اول۔ احقاق الحق جلد ۴ ص ۶۲ بہ بعد) لہذا شیعہ پیغمبر اکرمؐ کے تاریخی حکم کے تحت کہتے ہیں کہ جس طرح اس وقت پیغمبر اکرمؐ نے دعوت توحید و دعوت رسالت دی تھی اسی طرح دعوت خلافت علیؑ بھی دی تھی کیا اب بھی یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ شیعہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کو اپنی نبوت و رسالت کا شریک قرار دیا ہے کیا رسولؐ کے فرمان کے مطابق علیؑ کو ان کا خلیفہ و جانشین ماننا رسول کی نبوت و رسالت میں شریک کرنا ہے؟

(۸۰)

حج کے مسئلے پر ایک مکالمہ

ایک مہم مسئلہ جو انقلاب اسلامی ایران کے بعد وجود میں آیا وہ مسئلہ حج تھا جس پر امام خمینیؒ نے اپنی تقاریر و اعلامیوں میں کہا کہ حج دو طرح کی ہے ایک حج ابراہیمی اور دوسری حج ابوجہلی۔ یعنی حج فقط ایک عبادت ہی نہیں ہے بلکہ ایک مکتب، ایک مدرسہ، ایک یونیورسٹی ہے۔ لہذا اس بنا پر امام خمینیؒ کے مقلدین کے نزدیک حج میں برائت مشرکین بھی ضروری ہوگئی جس کا ثمرہ بعد میں لوگوں نے محسوس کیا اور کر رہے ہیں۔ (حاشیہ مترجم) جس کا نتیجہ آپ لوگوں نے خونین مکہ کے واقعہ میں ملاحظہ کیا کہ جس نے آل سعود پر سے اسلامی نقاب کو اتار کر ان کی یہودیت و نصرانیت سے دوستی بلکہ اسلام دشمنی واضح کردی جس کے تحت وہ

مسلمانوں کی اکثر عبادات کو جو خود ان کی کتابوں میں ذکر تھیں تحریف کرتے ہوئے ان کو بدعت و شرک کا نام دینے لگے۔ بے شک خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔ اس کے پاس دیر تو ہے مگر اندھیر نہیں۔ لہذا امام خمینیؒ کے اس فتویٰ برأت مشرکین کے بعد سے درباری ملوں میں کھلبلی مچ گئی اور فتویٰ دینے لگے کہ حج فقط ایک عبادت ہے جس کو ہر قسم کی سیاست سے دور رہنا چاہئے جبکہ قرآن فرماتا ہے: "جعل اللّٰہ الکعبة البیت الحرام قیاما للناس." (سورة مائدہ آیت ۹۷) یعنی خداوند عالم نے اپنے محترم گھر "کعبہ" کو لوگوں کے امور کے لئے "قیام" کی جگہ قرار دیا ہے۔ لہذا اگر قیام کے وسیع معنی لئے جائیں یعنی لوگ جس میں روحانی و مادی دونوں لحاظ سے اپنا حق حاصل کریں۔ لہذا اسی موضوع پر ایک بناوٹی عالم اور ایک صالح عالم کے درمیان اس طرح مناظرہ ہوا:

بناوٹی عالم: یہ سب بناوٹیں اور بدعتیں کیا ہیں جن کو مناسک حج میں شامل کیا گیا ہے حج کو ہر قسم کی سیاست و جدال سے دور عبادت کے طور پر انجام دینا چاہئے۔ حج ایک عبادت اور خودسازی اور تصفیہ روح ہے۔ لہذا اس کو سیاست و زندہ باد و مردہ باد کے نعروں سے مخلوط نہیں کرنا چاہئے۔ یہ حج ابراہیمی و حج ابوجہلی کیا صیغے ہیں جو آج تک نہیں سنیں؟

صالح عالم: میری نظر میں جس طرح ایک اسلام محمدیؐ ہے جس کے لئے حسینؑ نے اپنا گھر لٹا دیا اور ایک اسلام یزیدی ہے جو ہر حرام محمدیؐ کو حلال کئے چلا جا رہا تھا۔ اسی طرح حج کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک حج ابراہیمیؑ و محمدیؐ اور دوسری حج ابوجہلی و یزیدی۔

ہماوتی عالم: حج مانند نماز و روزہ ایک قسم کی عبادت ہے۔ لہذا اسے سیاست اور غیر خدا والے مسائل سے دور رکھنا چاہئے۔

صالح عالم: سیاست دراصل صحیح معنی کے تحت عین دین ہے اور دین سے جدا نہیں ہے۔ بعض عبادات اپنی پاکیزہ ترین و خالص ترین عبادت کے ساتھ ساتھ اہداف سیاسی کی پیشرفت کے لئے بھی بہت مفید ہوتی ہیں کیونکہ روح عبادت خدا کی طرف متوجہ رہنا ہے اور روح سیاست خلق خدا کی طرف توجہ کرنا ہے۔ یہ دو مسائل حج آپس میں اس طرح سے ملے ہوئے ہیں کہ جن کے جدا کرنے سے مقصد حج فوت ہو جاتا ہے۔ واضح عبارت کے ساتھ کہ حج مانند سر انسان ہے جس پر کھال بھی ہے اور مغز بھی۔ لہذا جو حج کو تما ظاہری عبادت فرض کرتے ہیں گویا انہوں نے کھال لے لی ہے اور مغز کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ مکہ کے ناموں میں سے ایک نام "ام القری" یعنی قریوں کی ماں۔ (جیسا کہ سورۃ انعام کی آیت ۹۲ اور شوریٰ کی آیت ۷ میں ارشاد ہے: "لتنذر ام القریٰ ومن حولھا.") تو جس طرح ماں بچہ کو غذا دیتی ہے اس کی پرورش کرتی ہے اس کی تربیت کرتی ہے مکہ بھی اسی طرح لوگوں کو فکری و سیاسی و معنوی غذا دیتا ہے اور اسلام کی پیشرفت کی تربیت دیتا ہے۔

ہماوتی عالم: ہم مسلمان ہیں قرآن وحدیث سے آگاہ ہیں کیا خدا سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۷ میں نہیں فرماتا کہ: "ولا جدال فی الحج" یعنی حج میں جدال نہیں ہے۔ لہذا حج میں مظاہرے وزندہ ومردہ باد کے نعرے خود ایک قسم کا جدال ہے۔

صالح عالم: آیت مذکور میں جس جدال سے منع کیا گیا ہے وہ لوگوں

کے درمیان "ہاں! باللہ" "نہیں! باللہ" وغیرہ کی قسمیں کھانا و لڑائی کرنا ہے اور ہمارے ائمہؑ سے بھی جو روایتیں ہیں ان میں یہی ملتا ہے کہ جدال سے مراد لوگوں کا جھوٹی قسمیں کھانا یا کسی گناہ پر قسم کھانا وغیرہ ہے۔ جیسا کہ امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ: "وہ عبث مجادلہ ہے جو قسم پر مشتمل ہو لیکن ان میں غرض احترام مؤمن ہو تو یہ بھی وہ جدال نہیں ہے جس سے آیت میں منع کیا گیا ہے بلکہ آیت میں اس جدال سے منع کیا گیا ہے جس میں کسی برادر مؤمن کی توہین ہو رہی ہو۔ (مجمع البیان جلد ۲ ص ۲۹۴) اور اگر جدال دین کے اثبات یا دفاع دین کے لئے ہو تو وہ نہ صرف گناہ نہیں ہے بلکہ عظیم عبادت ہے۔ امام فخر رازی اپنی تفسیر کبیر میں سورۃ بقرہ کی آیت مذکورہ نمبر ۱۹۷ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ تمام متکلمین اس بات پر متفق ہیں کہ امر دینی میں جدال ایک عظیم اطاعت ہے اور اس مطلب کے اثبات کے لئے انہوں نے ان آیات کے ذریعے استدلال کیا ہے منجملہ ان آیات میں سے سورۃ نحل کی آیت ۱۲۵ ہے: "ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن." یعنی لوگوں کو حکمت و استدلال اور وعظ و نصیحت سے اپنے پروردگار کی طرف دعوت دو اور ان کے ساتھ نیکی سے مجادلہ کرو اور سورۃ ہود کی آیت ۳۲ میں خداوند عالم کفار کی گفتگو اپنے نبی نوحؑ کو یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے: "یا نوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا." یعنی وہ لوگ کہنے لگے اے نوحؑ تم ہم سے بہت جھگڑے اور جھگڑ چکے ہو۔ اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے ساتھ مجادلہ کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ کا جدال فقط لوگوں کی خدائے واحد کی طرف دعوت دینے

اور دین کے پہنچانے میں تھا۔ لہٰذا وہ جدال جس سے حج میں منع کیا گیا ہے وہ جدال ہے جو کسی امر باطل پر ہو نہ وہ جدال جو اثبات حق پر ہو۔

بناوٹی عالم: قرآن کی بہت سی آیات میں جدال کو برا شمار کیا گیا ہے اور اسے غیر مؤمنین کا فعل تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ غافر کی آیت ۴ میں پڑھتے ہیں: "مایجادل فی آیات اللہ الا الذین کفرو." یعنی تنہا وہ لوگ ہماری آیات میں جدال کرتے ہیں جو کافر ہو گئے ہیں اور سورۃ حج کی آیت ۶۸ میں پڑھتے ہیں: "وان جادلوک فقل اللہ اعلم بما تعملون." یعنی اگر وہ لوگ آپ سے جدال کریں تو ان سے کہیں کہ خدا آپ کے اعمال کے بارے میں زیادہ جانتا ہے۔ اور سورۃ انعام کی آیت ۱۲۱ میں پڑھتے ہیں: "وان الشیاطین لیوحون الی اولیائھم لیجادلوکم." یعنی شیاطین اپنے دوستوں کو مخفیانہ طور پر القاء کرتے ہیں کہ وہ لوگ تم سے جدال کریں۔

صالح عالم: اس طرح کے مختلف موارد میں لفظ جدال کا استعمال بتا رہا ہے کہ جدال کے وسیع معنی ہیں جس کے مجموعاً دو قسم کے معنی بنتے ہیں: (۱) پسندیدہ۔ (۲) ناپسند۔ لہذا جہاں کہیں بھی بحث و گفتگو حق کو واضح و روشن کرنے اور صحیح راستہ بتانے کے لئے ہو وہ پسندیدہ عمل ہے بلکہ بعض موارد میں اس قسم کا جدال واجب ہو جاتا ہے جسے امر بالمعروف و نہی از منکر کہتے ہیں اور اگر یہی جدال و بحث و گفتگو اثبات باطل کے لئے ہو تو قطعاً اس قسم کا جدال مذموم و ناپسند ہے۔ لہذا نتیجتاً ہر قسم کے جدال کو ہم حج میں ناپسندیدہ قرار نہیں دے سکتے۔

بناوٹی عالم: میری دوسری بحث یہ ہے کہ عبادت کو سیاست سے مخلوط

نہیں کرنا چاہئے اور مقدس مقام پر مقدس عمل کو سیاست و زندہ و مردہ باد سے تعبیر نہیں کرنا چاہئے۔ اس مقدس مقام کو مقدس عمل حج ہی کے لئے رہنے دیں۔ سیاست کو کہیں اور لے جائیں۔

صالح عالم: اسلام میں عبادات عبادۃ کے علاوہ دوسرے پہلو بھی رکھتی ہیں۔ حج اپنی جگہ عبادت ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماعی، سیاسی، اخلاقی، اقتصادی اور معاشرتی پہلو بھی رکھتا ہے اور کامل حج وہ ہے جو تمام جوانب سے بہرہ مند ہو اور جب بھی حج کو اس کے سیاسی پہلو سے جدا کریں گے تو قطعاً وہ حج کامل نہیں بلکہ ناقص ہو جائے گا۔ اب یہاں ان مطالب کو روشن اور واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں تو امام خمینیؒ کے ان دقیق و عمیق الفاظ کی طرف ذرا توجہ کریں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حج کا ایک سب سے بڑا فلسفہ سیاسی ہے جس کو ختم کرنے کے لئے دشمنان اسلام کوشاں ہیں اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان دوسرے مسلمانوں کے مصالح کی فکر کئے بغیر حج کو فقط ایک خشک عبادت کے طور پر بجالائیں۔ جب کہ حج کا سیاسی پہلو بھی اس کے عبادی پہلو سے کم نہیں ہے اور اس کا سیاسی پہلو خود سیاست کے علاوہ عبادت بھی ہے۔ (صحیفہ نور جلد ۱۸ ص ۶۶) اور دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں کہ: "لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک." کہنا گویا تمام طاغوت جہان کا انکار کرتے ہوئے حریم خدا میں اظہار عشق و محبت کرنا ہے اور دل و جان کو غیر خدا سے پاک کرتے ہوئے یعنی ان سے اعلان برائت و دوری کرتے ہوئے خدا سے رابطہ کو مضبوط بنانا ہے۔ (صحیفہ نور جلد ۲۰ ص ۱۸) لہٰذا حج، عبادت اور سیاست کے مجموعے کا نام ہے کیونکہ سیاست اسلامی خود عین عبادت ہے۔ لہٰذا ہم کیونکر حج کو

سیاست اسلامی سے دور کریں۔ مثال: جس طرح سیب سے جوس نکال لینے کی صورت میں اس باقی بچے ہوئے کو سیب نہیں کہا جاتا۔

ہماوٹی عالم: پیغمبر اکرمؐ و ائمہ معصومینؑ اور ان کے برجستہ شاگرد ہمارے لئے اسوہ و حجت ہیں۔ وہ لوگ فقط مناسک حج انجام دیتے تھے اور سیاست سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔

صالح عالم: آپ کی یہ بات دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ و ائمہ طاہرینؑ اور ان کے برجستہ شاگرد مناسب موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کعبہ کے اطراف میں سیاسی، اجتماعی اور لوطی مسائل پر بھی بحث کرتے تھے بلکہ ان مسائل کو خاصی اہمیت دیا کرتے تھے جس کی ہم آپ کے سامنے کم از کم چار مثالیں پیش کرسکتے ہیں:

پہلی مثال: قبل از فتح مکہ بوقت طواف پیغمبر اکرمؐ اور ان کے ہمراہیوں کی توحیدی عمل

ہجرت کے ساتویں سال "صلح حدیبیہ" کے تحت آپ کو اجازت تھی کہ آپ مناسک عمرہ کے لئے مکہ جاکر تین دن قیام کرسکتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے دو ہزار مسلمانوں کے ہمراہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے، احرام باندھنے کے بعد جب آپ مکہ پہنچے تو آفتاب نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ آپ لوگوں کا استقبال کیا۔ جب آپؐ طواف میں مصروف ہوگئے اور بقیہ مسلمان آپ کے اطراف میں صف باندھے طواف کر رہے تھے تو آنحضرتؐ نے اس حساس وقت میں سیاسی نقطہ نگاہ کے تحت مسلمان مردوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے شانوں کو کھول لو تاکہ مشرکین

تمہارے قوی بازو دیکھ کر خوفزدہ ہو جائیں۔ سب نے اسی طرح کیا۔ مشرکین مکہ اطراف کعبہ میں صف بنائے نظارہ کر رہے تھے۔ جب صدائے "لبیک اللھم لبیک" کی صدائیں بند ہوئیں تو عبداللہ بن رواحہ نے، جو گروہ اسلام کے سردار تھے مشرکین کے سامنے رجز پڑھتے ہوئے یہ اشعار کہے:

خلو بنی الکفار عن سبیلہ خلو فکل الخیر فی قبولہ

یارب انی مؤمن لقیلہ انی رأیت الحق فی قبولہ

یعنی اے کافرو! رسول خداؐ کا راستہ کھول دو اور یاد رکھو پیغمبر اکرمؐ کی رسالت ہی کے قبول کرنے میں ہر قسم کی سعادت منحصر ہے، اے پروردگار میں آنحضرتؐ کے ہر قول پر ایمان رکھتا ہوں اور ان کے اقوال میں حق پاتا ہوں۔ اس طرح طواف کعبہ میں پیغمبر اسلامؐ اور ان کے ساتھیوں کے لئے مشرکین کے سامنے رجز گوئی اور مظاہرہ قوت و حوصلہ کی دلیل تھی۔ لہذا عبادت کے ساتھ یہ ایک اہم سیاست اسلامی بھی تھی اور مشرکین کی سرکوبی بھی تھی۔

دوسری مثال: حج میں امام حسینؑ کا معاویہ پر شدید اعتراض

ہجرت کے ۵۸ سال بعد مرگ معاویہ سے دو سال پہلے تک معاویہ اپنی طغیانی و سرکشی میں بہت مغرور ہو کر امام علیؑ کے ماننے والوں کو بے رحمانہ طور پر قتل عام کر رہا تھا۔ امام حسینؑ اس سال حج کو گئے اور میدان منیٰ میں تمام بنی ہاشم و اپنے شیعوں کو جمع کیا جو تقریباً ہزار سے زیادہ افراد ہوں گے، ان میں بعض اصحاب رسولؐ کے فرزند بھی تھے، امام حسینؑ نے اس اجتماع میں خدا کی حمد و ثناء کرنے کے بعد فرمایا: "فان الطاغیة قد صنع بنا و بشیعتنا ماقد علمتم ورأیتم."

یعنی معاویہ کی رفتار ہمارے اور ہمارے شیعوں کے ساتھ جس طرح کی ہے تم لوگ جانتے بھی ہو اور دیکھتے بھی ہو، میں تم لوگوں سے کچھ باتیں پوچھتا ہوں اگر میں نے سچ کہا تو میری تصدیق کرنا اور اگر جھوٹ بولا تو میری تکذیب کرنا۔ لہذا میری بات سنو اور یاد رکھو اور جب مراسم حج سے اپنے گھروں کو واپس لوٹو تو دوسروں تک اس پیغام کو پہنچاؤ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر معاویہ کا یہی کردار رہا تو حق مٹ کر رہ جائے گا، مگر یہ کہ خداوند عالم نور حق کو باقی رکھے چاہے کافرین اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔ پھر امام حسینؑ نے حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کی برتری اور امامت کے سلسلے میں قرآن و احادیث پیغمبر اکرمؐ سے دلائل پیش کئے اور حاضرین "اللھم نعم۔ قد سمعنا و شھدناہ" کہتے رہے کہ ہاں ہم خدا کو گواہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے اسے پیغمبر اکرمؐ سے سنا ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ آخر میں امام حسینؑ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اپنے اپنے وطن لوٹ کر ان باتوں کو اپنے مورد اطمینان افراد تک منتقل کرنا اور ان لوگوں کو بھی میری اس دعوت سے آگاہ کرنا۔ (احتجاج طبرسی جلد ۲ ص ۱۸) یہ واقعہ عبادت کے ساتھ سیاسی لحاظ سے بھی بھرپور تھا جس میں معاویہ کی سرکشی پر اعتراض تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حج ابراہیمیؑ تنہا ایک خشک عبادت ہی نہیں ہے بلکہ اس کے ضمن میں اہم سیاسی مسائل بھی ہیں جس سے صحیح رہبر کی طرف توجہ دلاتا اور ظالمانہ رہبری سے بیزار کرتا ہے۔

تیسری مثال: امام سجادؑ کا کنار کعبہ اپنے زمانہ کے طاغوت سے مقابلہ

تاریخی لحاظ سے مشہور و معروف واقعہ جس سے حج میں مسائل سیاسی کا

ذکر مزید واضح معلوم ہوتا ہے جس میں امام سجادؑ کا ہشام بن عبدالملک طاغوت زمانہ سے سامنا ہوتا ہے اور ان کے درمیان مناظرہ اس طرح ہوتا ہے:

عبدالملک (پانچواں خلیفہ اموی) کے زمانہ میں ان کا بیٹا ہشام مراسم حج کے سلسلے میں مکہ آیا اور طواف کے دوران جب اس نے حجر اسود کو چومنا چاہا تو جمعیت کے زیادہ ہونے کے باعث چوم نہ سکا تو حجر اسود کے برابر میں ہشام کے لئے ایک منبر رکھا گیا وہ منبر پر گیا اور طواف کرنے والوں پر جب نگاہ کی تو ان میں اس کی نگاہ امام سجادؑ پر پڑی جو طواف میں مصروف تھے جب انہوں نے چاہا کہ حجر اسود کو چومیں تو لوگوں نے بڑے احترام و کمال کے ساتھ آپ کے لئے راستہ کھول دیا۔ اس طرح آپؑ نے بڑے آرام سے حجر اسود کو چوما۔ اسی اثناء میں ایک شام کے رہنے والے نے ہشام سے کہا کہ یہ شخص کون ہے جس کا لوگ اتنا احترام کررہے ہیں؟ ہشام نے اپنے کو نادان بناتے ہوئے کہا میں نہیں جانتا۔ ایسے حساس موقع پر فرزدق نامی شاعر نے خاندان رسالتؐ کے بارے میں اس مرد شامی سے کہا: "ولکنی اعرفه" یعنی میں ان کو جانتا ہوں۔ شامی کہنے لگا کہ یہ شخص کون ہے؟ فرزدق نے امام سجادؑ کے بارے میں ایک مفصل قصیدہ پڑھا جو ۴۱ اشعار پر مشتمل تھا جو اس شعر سے شروع ہوتا تھا: "هذالذی تصرف البطحا و طاته. والبیت یعره والحل والحرم." یعنی یہ وہ شخص ہے جسے مکہ کا سنگریزہ تک پہچانتا ہے۔ خانہ کعبہ اور حجاز کے بیابان حرم کے باہر اور اندر والے سب انھیں جانتے ہیں۔ ہشام نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ فرزدق کو قید کردیا جائے۔ جب امام سجادؑ نے فرزدق کے قید کی سزا کا سنا تو اس کے لئے دعا کی اس کی دلجوئی کی اور اس کے

لئے بارہ ہزار درہم بھیجے فرزدق نے جب وہ رقم قبول نہیں کی تو امام سجادؑ نے اسے لکھا کہ ہمارا جو تم پر حق ہے اس کی بنا پر یہ رقم تم ہماری طرف سے قبول کرو۔ بے شک خدا تمہارے مقام معنوی اور نیت نیک سے آگاہ ہے۔ فرزدق نے وہ رقم قبول کی اور ہشام کی مذمت میں اشعار کہے۔(بحار جلد ۴۶ ص ۱۲۷) اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام سجادؑ نے طواف کعبہ کے دوران بھی ہشام کی شان و شوکت کا ہرگز لحاظ نہیں کیا بلکہ فرزدق شاعر جس کا عمل سیاسی لحاظ سے مہم تھا، اس کی دلجوئی کی اور اس کے لئے دعا کی اور اسے بارہ ہزار درہم بھیجے۔ کیا صحن کعبہ میں اس طرح کی تائید و حمایت کا۔مقصد یہ نہیں ہے کہ حج کے پرشکوہ ہجوم میں سیاسی مسائل کا بھی ذکر کرنا ائمہ طاہرین کے نزدیک اچھا عمل تھا۔

چوتھی مثال: امام باقرؑ کی سیاسی وصیت

محدث کلینیؒ اپنی موثق سند کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام صادقؑ نے فرمایا کہ میرے والد امام باقرؑ نے مجھے وصیت کی کہ: "میرے مال میں سے کچھ مال وقف کردینا تاکہ سرزمین منیٰ کے ایام حج میں مجھ پر گریہ کیا جاسکے۔"(منتہی الآمال جلد ۲ ص ۷۹) اب یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ امام باقرؑ نے یہ وصیت کیوں نہیں کی مدینہ میں میری قبر کے کنارے یا مکہ و منیٰ میں غیر ایام حج میں میرے لئے عزاداری کرائی جائے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ آپؑ چاہتے تھے کہ ایام حج میں جو لوگ ہر جگہ سے آکر جمع ہوتے ہیں میدان منیٰ میں تو وہاں عزاداری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں اس مجلس میں مسلمانوں پر بنی امیہ گزشتہ و حاضر کے ظلم و ستم کو بیان کیا جائے اور ظالم کی شناخت کرائی

جائے لہذا اس قسم کے مسائل کا اعمال حج کے ساتھ ساتھ ذکر کرنا اسقدر اہمیت رکھتا ہے کہ امام باقرؑ اس کی وصیت کر رہے ہیں اور اپنا کچھ مال اس کام کے لئے وقف کر رہے ہیں۔

احکام حج عبادت وسیاست کا مجموعہ ہے

اصولاً جب ہم احکام حج پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں وہ عبادت کے علاوہ عین سیاست معلوم ہوتے ہیں۔

ا۔ مثلاً جب انسان حج کے لئے احرام باندھتا ہے دو سفید کپڑوں کا تو امیر غریب گورا کالا سب ایک ہی معلوم ہوتے ہیں جس سے ہمیں مسلمانوں کی آپس میں قوم پرستی و لسانیت و ملک پرستی وغیرہ سے دوری کا درس ملتا ہے جو سیاسی لحاظ سے بہت اہم ہے۔

۲۔ احکام احرام میں سے ہے کہ انسان احرام کی حالت میں کسی کو بھی کسی قسم کا آزار نہ پہنچائے حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے جانوروں و گھاس وغیرہ تک کو یعنی حالت احرام میں حشرات تک کو مارنا حرام ہے یا مثلاً اپنے بدن سے بال تک کا جدا کرنا اسلحہ اٹھانا وغیرہ ان سب کا حرام ہونا ہمیں امن و سلامتی کا درس دیتا ہے جو سیاسی لحاظ سے بہت مہم ہے۔

۳۔ خانہ کعبہ کے ساتوں چکروں میں جب حجرالاسود تک پہنچیں تو اس پر ہاتھ پھیرنا مستحب ہے اس بارے میں امام صادقؑ فرماتے ہیں: "وھو یمین فی ارضہ یبایع بھا خلقہ۔" یعنی یہ حجر اسود زمین پر خدا کا سیدھا ہاتھ ہے جس کے ذریعے وہ بندوں سے بیعت لیتا ہے۔(وسائل الشیعہ جلد ۹ ص ۳۰۶) اگر دیکھا جائے

تو خود بیعت ایک سیاسی مسئلہ ہے اور خدا سے بیعت کا معنی یہ ہے کہ ہم تیری بیعت کرتے ہیں کہ تیری راہ میں قدم بڑھائیں گے اور تیرے دشمنوں سے بیزار رہیں گے۔ مثلاً امریکہ و اسرائیل سے۔

۴۔ منیٰ میں رمی جمرات کرنا خود ایک اہم و سیاسی مسئلہ ہے کہ ہم ہر قسم کے شیطان سے بیزار ہیں چاہے شیطان باطنی ابلیس ہو یا شیطان ظاہری امریکہ و اسرائیل ہوں یعنی گویا ہم اپنے دشمنوں کو پہچانیں اور اس میں بھی یہ حکم ہے کہ وہ کنکر حتماً شیطان پر لگیں ورنہ کافی نہیں ہیں۔

۵۔ قربانی گاہ میں جانوروں کا ذبح کرنا ایثار و فداکاری کا سیاسی لحاظ سے بڑا درس ہے۔ اور جیسا کہ سنتے ہیں کہ امام زمان عجلہ اللہ کعبہ کے اطراف میں ظہور کریں گے اور وہیں تین سو تیرہ لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ جلد ۲ ص ۱۸۔ بحار جلد ۵۲ ص ۳۱۶)

جیسا کہ اس بارے میں حضرت زہراؑ کا ارشاد ہے: "جعل اللہ الحج تشیدا للدین." یعنی خدا نے حج کو دین کے استحکام کے لئے قرار دیا ہے۔ (اعیان الشیعہ چاپ جدید جلد اول ص ۱۴)

اور امام صادقؑ فرماتے ہیں: "لایزال الدین قائما ماقامت الکعبہ." یعنی جب تک خانہ کعبہ باقی ہے اسلام باقی ہے۔ لہذا اگر حج کے صرف عبادی پہلو کو لے لیا جائے اور اس کے سیاسی پہلو کو چھوڑ دیا جائے جو اہم ترین فلسفہ حج ہے تو کیا یہ دین کے مستحکم ہونے کا سبب بنے گا؟

(۸۱)

ایمان حضرت عبدالمطلب و حضرت ابو طالبؑ

ایک شیعہ عالم دین کا ایک سعودی وہابی سے اس طرح مناظرہ ہوا :

وہابی عالم : تم شیعہ لوگ قبر عبدالمطلب و ابو طالب پر کیوں جاتے ہو؟

شیعہ عالم : اس میں کیا حرج ہے؟

وہابی عالم : کیونکہ عبدالمطلب اس وقت فوت ہوئے جب پیغمبر اسلامؐ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ رسالت کی ذمہ داری نہیں آئی تھی۔ لہذا اس وقت تک دین توحیدی نہیں تھا۔ لہذا کس بناء پر ان کی زیارت کرتے ہو اور ابو طالب کے بارے میں تو مشہور ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) مشرک اس دنیا سے گئے اور مشرک کی زیارت جائز نہیں ہے۔

شیعہ عالم : کیا حضرت عبدالمطلب کو کوئی ایک بھی مسلمان مشرک کہہ سکتا ہے؟ وہ اپنے ہی دور سے خدا پرست تھے اور اپنے جد حضرت ابراہیم کی پیروی کرتے تھے جیسا کہ اہلسنت کی کتابوں میں بھی "ابرہہ" کے قصے میں ہے کہ جب ابرہہ کی فوج خانہ کعبہ کو ڈھانے آئی اور عبدالمطلب کے اونٹوں پر قبضہ کرلیا تو جب آپ اپنے اونٹ چھڑانے کے لئے ابرہہ کے پاس آئے تو ابرہہ نے کہا کہ اپنے اونٹوں کے لئے آئے ہو لیکن کعبہ جو تمہاری عبادت گاہ ہے تمہارے دین کی بنیاد ہے اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ رہے ہو تو عبدالمطلب نے جواب میں کہا کہ : "انا رب الابل وان للبیت ربا سیمنعه." یعنی میں اونٹوں کا مالک ہوں اس گھر کا مالک خدا ہے جو خود اپنے گھر کی حفاظت کرے گا۔ پھر حضرت عبدالمطلب

کعبہ کے کنارے آکر دعا کرتے ہیں: "خدایا ہر ایک اپنے گھر میں رہنے والوں کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر حرم میں رہنے والوں کی حفاظت فرما۔" (شرح سیرۃ ابن ہشام جلد اول ص ۳۸ الی ۶۲۔ بلوغ الارب آلوسی جلد اول ص ۱۵۰ الی ۲۶۳)

نتیجتاً ان کی دعا قبول ہوئی خدا نے ابابیل جیسے مختصر سے پرندے کا لشکر بھیجا جنہوں نے ابرہہ کے لشکر پر پتھر برسا برسا کر ان کو نیست و نابود کر دیا جس کے بارے میں سورۃ فیل نازل ہوا اور روایات شیعہ میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ نے فرمایا: خدا کی قسم میرے باپ ابو طالب اور میرے جد عبدالمطلب و ہاشم و عبد مناف ہرگز بت پرست نہیں تھے وہ لوگ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور آئین حضرت ابراہیمؑ پر عمل کرتے تھے۔ (کمال الدین ص ۱۰۴ تفسیر برہان جلد ۳ ص ۷۹۵)۔

حضرت ابو طالبؑ کے بارے میں اولاً تو تمام اہلبیتؑ و علماء شیعہ و تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ آپ مؤمن اس دنیا سے گئے ہیں ابن ابی حدید جو اہلسنت کے معروف عالم دین ہیں نقل کرتے ہیں کہ کسی نے امام سجادؑ سے پوچھا کہ کیا حضرت ابو طالب مؤمن تھے؟ آپؑ نے فرمایا ہاں۔ کسی اور شخص نے آگے بڑھ کر کہا کہ کچھ لوگ تو انہیں کافر کہتے ہیں۔ امام سجادؑ نے جواب میں کہا کیا لوگ رسول خداؐ و ابو طالب کو برا کہتے ہیں جبکہ رسول خداؐ نے باایمان عورت کا کافر سے نکاح حرام قرار دیا تھا اور اس بات میں تو بالکل شک ہی نہیں ہے کہ حضرت فاطمہ بنت اسد اسلام و ایمان میں سب پر سبقت لینے والی پاک دامن خاتون تھیں اور وہ آخری عمر تک حضرت ابو طالبؑ کی ہمسری میں رہیں (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۳۱۲) اور ثانیاً اہلسنت کے اکثر علماء و راوی پیغمبر اسلامؐ کے اس قول کو

جو آپ نے عقیل بن ابی طالب کے بارے میں فرمایا نقل کرتے ہیں: "احبك حبین حبا لقرابتك منی وحبا لما کنت اعلم من حب عمی ابی طالب ایاك."
یعنی میں تم سے دو اعتبار سے محبت کرتا ہوں، ایک اس رشتہ داری کی بنا پر جو تمہیں مجھ سے ہے دوسری اس بات پر کہ میں جانتا ہوں کہ میرے چچا ابو طالب تم سے محبت کرتے ہیں۔ (استیعاب جلد ۲ ص ۵۰۹ ذخائر العقبی ص ۲۲۲) پیغمبر اسلامؐ کی یہ گفتگو اس بات پر گواہ ہے کہ آپؐ حضرت ابو طالب کے ایمان کا یقین رکھتے تھے ورنہ کافر سے دوستی کا کوئی معنی نہیں ہے جو پیغمبرؐ عقیل کو ان کی نسبت زیادہ چاہتے تھے۔ (الغدیر جلد ۷ ص ۳۳۰ تا آخر کتاب)

مزید وضاحت: افسوس کہ ہمارے برادران اہلسنت نااہل سرپرستوں کی پیروی کرتے ہوئے نسل در نسل حضرت ابو طالب کو کافر ثابت کرتے چلے آرہے ہیں جبکہ اپنے مراجع کی کتابوں سے غافل ہیں جن میں دسیوں روایتیں ایمان ابو طالب کے قطعی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن تعصب و عداوت علیؑ رکھنے والے ہمیشہ اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ کسی طرح سے حضرت ابو طالب کو مشرک ثابت کریں اور یہ کام بنی امیہ کے زمانے سے شروع اور اب تک چل رہا ہے۔ صرف حضرت علیؑ کی دشمنی میں ورنہ اگر حضرت ابو طالب حضرت علیؑ کے والد نہ ہوتے تو شاید یہی لوگ پیغمبر اسلامؐ کے مؤمن و صادق چچا اور قریش کی بزرگ شخصیت کے نام سے معرفی کرتے۔

وہابی عالم: اگر ایمان ابو طالب اتنا روشن ہے تو ہمارے علماء کیوں اس بات کو ذکر نہیں کرتے ہیں اور اس بات کو مبہم رکھے ہوئے ہیں؟

شیعہ عالم: جیسا کہ میں نے پہلے بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ دراصل معاویہ کی حضرت علیؑ سے دشمنی کا نتیجہ تھا کہ اس کی دور حکومت سے ہی منبروں سے مسجدوں سے حضرت علیؑ پر ناسزا الفاظ کہے جاتے تھے اور تقریباً ۸۰ سال تک منبروں سے (العیاذ باللہ) حضرتؑ پر لعن طعن کئے جاتے تھے اور آپؑ کی مذمت میں جھوٹی احادیث گھڑی جاتی تھیں اور حضرت ابوطالب کو کافر ثابت کر کے حضرت علیؑ کو کافر زادہ کے عنوان سے پیش کرنا چاہتے تھے۔ دوسرا راز یہ تھا کہ حضرت ابوطالب کیونکہ تقیتاً دوسروں سے پوشیدہ طور پر پیغمبر اسلامؐ کی حمایت کرتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ رسالت کے سلسلے میں آپؐ کی مدد کر سکیں اسی لئے اکثر روایات میں حضرت ابوطالبؑ کو مؤمن آل فرعون و اصحاب کہف سے تشبیہ دیا گیا ہے جو اپنے ایمان کو مخفی رکھے ہوئے زیادہ سے زیادہ دین کی خدمت کیا کرتے تھے۔ امام حسن عسکریؑ سے روایت ہے کہ خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐ کو وحی کی کہ: "میں دو گروہ کے ذریعے تمہاری مدد کروں گا ایک گروہ مخفی طور پر تمہاری مدد کرے گا جس کے سربراہ ابوطالب ہوں گے اور ایک آشکار گروہ کے ذریعے جس کے سرپرست علیؑ ہوں گے۔ (الحجۃ علی الذاھب ص ۳۶۱)

(۸۲)

ایمان ابوطالبؑ پر ایک مکالمہ

مؤلف کتاب کا ایک مدرسہ میں سنی طالب علم سے ایمان ابوطالب پر مناظرہ اس طرح پیش آیا:

برادر سنی: ہماری اصلی کتابوں میں حضرت ابوطالب کے بارے میں مختلف اقوال نقل ہیں بعض میں ان کی اچھے الفاظ میں توصیف کی گئی ہے اور بعض میں ان کی مذمت کی گئی ہے۔

مؤلف: ائمہ معصومینؑ کی پیروی کرتے ہوئے جو عترت اہلبیت رسولؐ تھے تمام علماء شیعہ اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ابوطالب مؤمن تھے۔

برادر سنی: اگر ایسا تھا تو ہماری کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں ہے؟

مؤلف: حضرت ابوطالب کا جرم یہ تھا کہ آپ حضرت علیؑ کے والد تھے۔ لہذا معاویہ نے دشمنی علیؑ میں دین فروش مسلمانوں کو مسلمانوں کے بیت المال سے ہزاروں دینار دے دے کر حضرت علیؑ کے خلاف جعلی روایات کے دفتر کھولے ہوئے تھے جو زیادہ حدیثیں گھڑ گھڑ کر لاتا تھا اسے زیادہ انعام دیا جاتا تھا۔ بے شرمی اس حد کو پہنچ چکی تھی کہ ابوہریرہ جیسے کذاب سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے رحلت کے وقت وصیت کی کہ حضرت علیؑ کا ہاتھ کاٹ دو۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اول ص ۳۵۸)

برادر سنی: سورۃ انعام کی آیت ۲۶ میں پڑھتے ہیں: "وھم ینھون عنه وینئون عنه." یعنی وہ لوگ دوسروں کو اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے رکتے ہیں۔ لہذا ہمارے بعض مفسرین کے مطابق کچھ لوگ پیغمبر اسلامؐ کا دفاع کرتے تھے اور یہ آیت حضرت ابوطالب جیسے افراد کی شان میں نازل ہوئی ہے جو پیغمبر اسلامؐ کا ان کے دشمنوں سے دفاع کرتے تھے اور ایمان کی جہت سے آنحضرتؐ سے دور رہتے تھے۔

مؤلف: اولاً تو ہم یہ کہیں گے کہ اس آیت کے یہ معنی نہیں ہیں جو آپ نے کئے ہیں ثانیاً اگر یہ معنی صحیح بھی مان لئے جائیں تو اس پر کیا دلیل ہے کہ اس گروہ میں حضرت ابو طالب بھی شامل ہیں؟

برادر سنی: اس پر دلیل روایت سفیان ثوری ہے حبیب بن ابی ثابت سے کہ ابن عباس نے کہا کہ یہ آیت حضرت ابو طالبؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے جو پیغمبر کا دفاع کرتے تھے لیکن خود اسلام سے دور تھے۔(تفسیر ابن کثیر جلد۲ ص۱۲۸)

مؤلف: آپ کے جواب میں مجبوراً ہمیں یہاں چند مطالب ذکر کرنے پڑیں گے:

مطلب اول یہ کہ آیت کے معنی جو آپ نے کئے ہیں وہ نہیں بلکہ آیت کے قبل وبعد کے جملات سے آیت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ کافرین جو لوگوں کو پیغمبر اکرمؐ کی پیروی سے روکتے تھے اور خود بھی پیغمبر اکرمؐ سے دور رہتے تھے۔(الغدیر جلد۸)

مطلب دوم یہ کہ جملہ "ینئون" کے معنی دوری کے ہیں جب کہ حضرت ابو طالبؑ ہمیشہ پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ رہتے تھے، ان سے دور نہیں رہتے تھے۔

مطلب سوم یہ روایت سفیان ثوری جس کی نسبت ابن عباس کی طرف دی گئی ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب کی شان میں چند وجوہات کی بنا پر نازل ہوئی ہے۔ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ سفیان ثوری حتیٰ کہ خود علماء اہلسنت کے نزدیک غیر موثق افراد میں سے ہیں۔

(میزان الاعتدال صفحہ ۳۹۸) اور خود ابن مبارک راوی سے نقل ہے کہ سفیان تدلیس کرتے تھے یعنی جھوٹ گوتے حق کو ناحق سے ملاتے تھے۔ (تہذیب جلد ۴ صفحہ ۱۱۵) اسی طرح سے "حبیب بن ابی ثابت" نامی راوی بھی کہتے ہیں کہ یہ روایت مرسلہ ہے اور اس میں تدلیس ہوئی ہے کیونکہ اس روایت میں حبیب سے ابن عباس تک کے راویوں کو حذف کیا گیا ہے۔ (تہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۷۹) اور ابن عباس جیسے مشہور و معروف شخص جو حضرت ابوطالب کے مؤمن ہونے کا یقین رکھتے تھے وہ کیونکر ایسی روایت کریں گے؟

مطلب چہارم یہ ہے کہ آپ کے بقول آیت مذکور صرف ابوطالب کی شان میں نازل ہوئی ہے جب کہ جملہ "ینھون وینئون" میں جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ لہذا بعض کی تفسیر کے تحت یہ آیت پیغمبر اکرمؐ کے چچاؤں سے متعلق ہے سوائے حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ اور حضرت ابوطالب کے جو مؤمن تھے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ کے دس چچا تھے۔ جن میں سے تین چچا یعنی (۱) حمزہؓ، (۲) عباسؓ (۳) ابوطالبؑ مؤمن تھے، جو اس آیت میں شامل نہیں ہیں۔

مزید وضاحت: خود پیغمبر اسلامؐ مشرکین سے دوری اختیار کرتے تھے جیسے خود ابولہب سے دوری جو کہ خود رسول خداؐ کا چچا تھا لیکن حضرت ابوطالب کا ہمیشہ احترام کرتے تھے اور جس سال حضرت ابوطالبؑ کا انتقال ہوا۔ آپؐ نے اس سال کو "عام الحزن" یعنی غم کا سال قرار دیا اور آپؐ نے حضرت ابوطالبؑ کے تشیع جنازے میں فرمایا: "واحزنال علیك کنت عبدك بمنزلة العين من الحدقة الروح من الجسد." یعنی اے میرے والد میں آپ کے مرنے سے کس قدر

غمگین ہوں، میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھا، میں آپ کے بدن میں روح کی مانند تھا۔ (الغدیر جلد ۷، ص ۳۰۳) کیا پیغمبر اکرمؐ کے یہ شایان شان ہے کہ وہ کسی مشرک کے بارے میں ایسے الفاظ کہیں، اس کے مرنے پر غمگینی کا اظہار کریں جبکہ قرآن میں کئی آیتیں ہیں جو اس بات پر گواہ ہیں کہ آپؐ مشرکین سے بیزار رہتے تھے۔

(۸۳)
کیا حضرت علیؑ گراں قیمت انگوٹھی پہنتے تھے؟

سورۃ مائدہ کی آیت ۵۵ میں پڑھتے ہیں: "انما ولیکم اللّٰہ و رسولہ والذین آمنو الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون." یعنی بے شک تمہارا سرپرست و رہبر خدا اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ روایات متواترہ سے شیعہ و سنی سب کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ یہ آیت امام علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور ان کی ولایت و رہبری پر دلالت کرتی ہے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت علیؑ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے، مسجد میں ایک فقیر آیا اور سوال کیا جب کسی نے اسے کچھ نہ دیا تو حضرت علیؑ جو اس وقت حالت رکوع میں تھے اپنے سیدھے ہاتھ کی انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا، سائل نزدیک آیا اور انگوٹھی ہاتھ سے اتار کر لے گیا۔ اس طرح حالت رکوع میں آپؑ نے انگوٹھی بعنوان زکوٰۃ فقیر کو دی، جس کے نتیجہ میں مذکورہ آیت آپ کی شان میں نازل ہوئی۔ (غایۃ المرام میں

اہلسنت کی طرف سے ۲۴ احادیث اور شیعوں کے ذریعے ۱۹ حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ منہاج البراعۃ جلد ۲ ص ۳۵۰)

اب ذرا اس مناظرے کو ملاحظہ کریں جو ایک طالب علم اور مولانا کے درمیان ہوا:

طالب علم: ہم نے سنا ہے کہ امام علیؑ نے جو انگوٹھی فقیر کو دی تھی کافی گراں قیمت تھی مثلاً تفسیر برہان جلد اول صفحہ ۴۸۵ میں ہے کہ اس انگوٹھی کا نگینہ یاقوت سرخ کے پانچ مثقال سے بنا ہوا تھا جو کافی قیمت رکھتا تھا۔ لہذا حضرت علیؑ یہ انگوٹھی کہاں سے لائے تھے؟ کیا حضرت علیؑ تجمل پرست تھے؟ کیا اتنی مہنگی انگوٹھی پہننا اسراف نہیں ہے اور دوسری طرف ایسی نسبت تو امام علیؑ کی طرف دینا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ پوشاک و مسکن اور زندگی بڑی سادگی سے گزارتے تھے جیسا کہ آپؑ خود فرماتے ہیں: "فوالله ماکنزت من دنیا کم تبرا ولا دخرت من غنائمها وفرا ولا اعودت لبالی ثوبی طمرا ولا حزت منارضها شبرا . ولا اخذت منه الالقوت اتان دبرة." یعنی خدا کی قسم میں نے تمہاری دنیا سے سونا چاندی کچھ جمع نہیں کیا اور دنیا کے ثروتوں و نعمتوں میں سے ذرہ برابر بھی مال جمع نہیں کیا اور اس پیوند لگے لباس کا کوئی بدل جمع نہیں کیا ہے اور ایک بالشت کے برابر بھی زمین نہیں لی ہے اس دنیا سے سوائے مختصر خوراک کے اور کچھ نہیں لیا ہے۔ (نہج البلاغہ نامہ ۴۵)

مولانا: یہ سب باتیں کہ آپ کی انگوٹھی گراں قیمت تھی بے بنیاد ہیں۔ روایات متعدد اور سورۃ مائدہ کی آیت ۵۵ جو آپ کی شان میں نازل ہوئی ہے ہرگز

اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے کہ آپ کی انگوٹھی گراں قیمت تھی۔ اگر اس قسم کی کوئی روایت ہے تو وہ ضعیف و مرسل روایت ہے۔ زیادہ تر احتمال ہے کہ ایسی حدیث معاویہ کے دور حکومت میں حضرت امام علیؑ کی شان گھٹانے کے لئے گھڑی گئی ہو۔

طالب علم: جو بھی ہو انگوٹھی کو اتنی قیمتی تو ہونا چاہیے کہ ایک فقیر کو سیر کر سکے ورنہ اس میں ایک فقیر سیر نہیں ہو سکے گا۔

مولانا: دراصل وہ انگوٹھی جیسا کہ تاریخ میں آیا ہے کہ "مروان بن طوق" نامی مشرک کی تھی جو آپ نے جنگ میں فتح پانے کے بعد مال غنیمت کے طور پر اتار کر پیغمبر اکرمؐ کو لا کر دی تھی۔ پیغمبر اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ اس مال غنیمت میں سے وہ انگوٹھی علیؑ کی ہے کیونکہ آپؐ جانتے تھے کہ علیؑ بعنوان امین اس انگوٹھی کو اٹھائیں گے اور موقع مناسب پر مستحق کو دے دیں گے۔ لہٰذا جب وہ انگوٹھی حضرت علیؑ نے خریدی ہی نہیں تھی تو اسراف بھی صادق نہیں آئے گا۔ (وقایع الایام ص ۶۲۷)

طالب علم: حضرت علیؑ کے بارے نقل کیا جاتا ہے کہ آپؑ نماز میں اس قدر حضور قلب ہوتے تھے کہ جنگ صفین میں لگنے والا تیر حالت نماز میں آپ کے پیر سے نکالا گیا مگر آپؑ متوجہ تک نہ ہوئے۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ کس طرح حالت رکوع میں فقیر کی آواز کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے انگوٹھی دی؟

مولانا: جو لوگ اس قسم کا اشکال کرتے ہیں وہ اس نکتہ سے غافل ہیں کہ ضرورت مند کی آواز کو سننے اور اس کی مدد کرنے میں اس کی طرف توجہ کا

محتاج نہیں بلکہ یہ عین خدا کی طرف توجہ کرنا ہے۔ علیؑ نماز میں خود سے بیگانہ تھے، خدا سے نہیں اور اس بات کو بھی مد نظر رکھتے ہوئے کہ خلق خدا سے لاپرواہی خدا سے لاپرواہی ہے۔ بہ عبارت دیگر حالت نماز میں زکوٰۃ کا دینا عبادت کے ضمن میں عبادت ہے اور جب روح عبادت ہو تو وہ مسائل مادی و شخصی کی طرف توجہ کی محتاج نہیں مگر اس چیز کی طرف توجہ کرنا جس میں رضائے الٰہی ہو جو عبادت روحی کے ساتھ سازگار ہو۔ البتہ یہ بات یاد رہے کہ خدا کی عبادت میں غرق ہو جانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنے احساسات کو اپنے اختیار سے دیدے بلکہ اپنے ارادے سے خدا کی راہ میں انجام پانے والی ہر شے کی طرف متوجہ رہے اور جس میں خدا کی رضا نہ ہو اس سے بچا رہے۔

(۸۴)

کیوں نام علیؑ قرآن میں نہیں ہے؟

کچھ شیعہ و سنی علماء کے درمیان مجلس گرم تھی، مذہب اسلام کی حقانیت پر ہر قسم کے تعصب سے دور حسن نیت کے ساتھ بحث و گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک سنی عالم بول اٹھے کہ اگر علیؑ پیغمبرؐ کے خلیفہ بلافصل ہیں تو ضروری تھا کہ یہ مطلب نام علیؑ کے ساتھ قرآن میں ذکر ہوتا تاکہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف نہ ہوتا۔

شیعہ عالم: کسی بھی صحابی رسولؐ کا نام قرآن میں نہیں آیا سوائے "زید بن حارث" کے جو ازدواج پیغمبر اکرمؐ کی مناسبت میں ذکر ہوا ہے۔ (سورۃ

احزاب آیت ۳۷ فلما قضی زید منها وطرا زوجنا کھا.)

سنی عالم: جس طرح ایک حکم فرعی کی مناسبت میں زید کا نام ذکر ہوا لازم تھا کہ علیؑ کا نام ایک حکم اصلی و مہم امامت کے عنوان سے ہی ذکر ہوتا۔

شیعہ عالم: اگر حضرت علیؑ کا نام قرآن میں ذکر ہو جاتا تو اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ آپ کے دشمن کافی تھے، ایک تو ایسے ہی اس زمانے میں قرآن کم تھے آپ کے دشمن قرآن کو تحریف کرتے ہوئے آپ کے نام کو قرآن سے نکال دیتے۔ لہذا بہتر تھا کہ پیغمبر اکرمؐ آپ کے اوصاف کے ساتھ آپ کی رہبری کا اعلان کرتے اور جیسا کہ قرآن کی روش بھی یہ ہے کہ کلی مسائل کو ذکر کرتا ہے جس کے مصادیق خود پیغمبرؐ کے ذریعے مشخص ہوتے ہیں۔

سنی عالم: قرآن میں کہاں اوصاف علیؑ ذکر ہیں؟

شیعہ عالم: دسیوں بلکہ کئی سو آیتیں قرآن میں وصف علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ مثلاً سورۃ مائدہ ۵۵ میں آیت اطاعت، سورۃ نساء ۵۹ میں آیت مباہلہ، سورۃ آل عمران ۶۱ میں آیت تطہیر، سورۃ احزاب ۳۳ میں آیت اعلان غدیر، سورۃ مائدہ ۶۱ میں آیت انذار، سورۃ شعراء ۲۱۴ میں آیت مودت، سورۃ شوریٰ ۲۳ میں آیت اکمال وغیرہ۔(جس کی مزید تفصیل کتاب دلائل الصدق جلد۲ کے صفحہ ۳۲۱ میں رجوع کریں) جن میں سے ہر ایک آیت شیعہ و سنی معتبر روایتوں کے ذریعے امام علیؑ کی پیغمبر اسلامؐ کے بعد بلا فصل خلافت و رہبری کے بارے میں نازل ہوئی ہیں اور اس بات کی طرف بھی متوجہ رہتے ہوئے کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے: "وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا." (سورۃ حشر۷)

یعنی جو رسولؐ تمہارے لئے لائیں اسے لے لو اور جس سے وہ منع کریں اس سے رکے رہو اور حدیث ثقلین کے مطابق بھی جسے تمام مسلمان مانتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "میں تمہارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک قرآن اور دوسرے میرے اہلبیتؑ۔" اور آپ کی اکثر روایات کے تحت: "میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں ایک قرآن دوسری سنت۔" تو سنت یعنی آپؐ کے فرمان کو سنیں اور قبول کریں اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کی سنت ہی کے تحت آیات مذکورہ امام علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید امام علیؑ کو پیغمبرؐ کا جانشین بلافصل قرار دے رہا ہے اگرچہ بعض مصلحتوں کے تحت حضرت علیؑ کا نام قرآن میں نہیں آیا۔ جس طرح پورے قرآن میں صرف چار جگہ نام محمدؐ آیا ہے اور ایک جگہ نام احمدؐ آیا ہے لیکن اکثر جگہ آپ کے اوصاف کے ذریعے آپ کو یاد کیا گیا ہے۔

(۸۵)
مذہب تشیع کی پیروی صحیح ہے

شیعہ عالم دین سے کہتے ہیں کہ ان پانچ مذاہب یعنی حنفی و حنبلی و مالکی و شافعی و جعفری میں سے کس کی پیروی کرنا صحیح ہے؟

شیعہ عالم: اگر انصاف کی رعایت کرو تو مذہب جعفری کی پیروی کرو کیونکہ مذہب جعفری مکتب امام جعفر صادقؑ اور اہلبیت پیغمبرؐ سے لیا گیا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ امام صادقؑ احکام اسلام کو قرآن و سنت رسول اکرمؐ سے لیتے تھے اور گھر میں جو ہو دوسروں کی نسبت گھر والے اس سے زیادہ آگاہ ہوتے ہیں۔

شیخ محمود شلتوت کا تاریخی فتویٰ :

مذہب جعفری جو شیعہ مذہب کے نام سے مشہور ہے یہ ایسا مذہب ہے کہ جس کی پیروی کرنا تمام اہلسنت کے مذاہب کی طرح جائز ہے لہذا تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس بات سے آگاہ رہیں اور بے جا بعض مذاہب سے تعصب کرنا چھوڑ دیں۔ تمام مذاہب کے بڑے علماء مجتہد ہیں اور ان کے فتوے خدا کی بارگاہ میں قبول ہیں اور جو افراد مجتہد نہیں ہیں وہ ان بڑے علماء کی تقلید کرسکتے ہیں۔ احکام اسلام میں ان کے دیئے فتووں پر عمل کریں چاہے عبادات کے مسائل ہوں یا معاملات کے مسائل۔ (رسالۃ الاسلام طبع دارالتقریب مصر) اس کے بعد بڑے بڑے اساتذہ مثلاً دانش گاہ الازہر کے سابق استاد محمد فحام اور قاہرہ کی مساجد کے سرپرست عبدالرحمٰن النجاری اور مصر کے زبردست استاد و مصنف عبدالفتاح و عبدالمقصود جیسے بزرگان و علماء نے شیخ محمود شلتوت کی اس مسئلے میں تائید کی ہے۔ (خدا شیخ محمود شلتوت پر رحمت کرے کہ انہوں نے اس اہم مطلب کو اہمیت دیتے ہوئے اتنی بہادری و شجاعت و ہمت سے یہ فتویٰ دیا کہ مذہب شیعہ بارہ امامی مذہب فقہی اسلامی ہے جو قرآن و سنت کے تحت عمل کرتا ہے اور اس مذہب کی پیروی جائز ہے۔)

عبدالرحمٰن النجاری : سرپرست مساجد قاہرہ کہتے ہیں کہ شیخ شلتوت جو امام و مجتہد ہیں ان کے دیئے ہوئے فتوے کے مطابق رائے دیتے ہیں کہ جو عین حقیقت ہے۔

عبدالفتاح و عبدالمقصود : لکھتے ہیں کہ مذہب شیعہ بارہ امامی جو

سارے مذاہب پر برتری رکھتا ہے کیونکہ جب اس مذہب کے سرپرست حضرت علیؑ ہوں جو رسول اکرمؐ کے بعد دین اسلام کے بارے میں باقی سب سے زیادہ آگاہ ہوں تو بہتر ہے کہ دوسرے مذاہب کی طرح اس مذہب کی بھی پیروی کی جائے۔(فی سبیل الوحدۃ الاسلامیہ ص ۵۲)

(۸۶)
قبور کو ویران کرنے کے سلسلے میں مباحثہ

ائمہ بقیع کی قبور جو وہابیوں نے شرک و حرام کے فتووں سے (سن ۱۳۴۴ ہجری" میں ویران کردی تھیں اس بارے میں ایک شیعہ اور وہابی کے درمیان یہ مناظرہ ہوا:

شیعہ: کیوں ان قبور کو ویران کیا کیوں ان کی بے حرمتی کی گئی ہے؟

وہابی: کیا آپ علیؑ کو جانتے ہیں؟

شیعہ: کیوں نہیں وہ تو ہمارے اول امام اور رسول اکرمؐ کے خلیفہ بلافصل ہیں۔

وہابی: ہماری معتبر کتابوں (صحیح مسلم جلد ۳ ص ۶۱۔ سنن ترمذی جلد ۲ ص ۲۵۶۔ سنن نسائی جلد ۴ ص ۸۸) میں اس طرح نقل ہے: "یحییٰ و ابوبکر و زہیر وکیع سے اور وہ سفیان سے اور وہ حبیب سے اور وہ ابی وائل سے اور وہ ابی الہیاج اسدی سے اور یہ حضرت علیؑ سے کہ آپؑ نے ابی الہیاج سے فرمایا: "کیا میں تمہارے سپرد وہ کام کروں جو رسول خداؐ نے میرے سپرد کیا تھا؟ وہ یہ کہ تصاویر

کو بالکل محو کر دیا کرو اور قبور کو زمین کے مساوی بنایا کرو۔"

شیعہ : یہ حدیث سند و دلالت کے اعتبار سے ضعیف و کمزور ہے سند کے لحاظ سے اس طرح کہ وکیع و سفیان و حبیب بن ابی ثابت اور ابی وائل جیسے افراد مورد اطمینان نہیں ہیں۔ مثلاً احمد حنبل وکیع کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس نے پانچ سو (۵۰۰) احادیث میں خطا کی ہے۔(تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص ۱۲۵) اور ابن مبارک سے نقل کیا جاتا ہے کہ سفیان ثوری بناوٹ زیادہ کیا کرتے تھے۔ یعنی ناحق کو حق کی شکل میں پیش کرتے اور جب مجھے دیکھتے تھے تو شرما جاتے تھے۔(تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۵) حبیب بن ابی ثابت کے بارے میں ابو حیان لکھتے ہیں کہ یہ ناحق کو حق کا جلوہ دے کر پیش کیا کرتے تھے۔(تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۱۷۹) اور ابی وائل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ ناصبی اور منحرف انسان تھا جو دشمنی علیؑ رکھتا تھا۔(شرح نہج البلاغہ ابن الحدید جلد ۹ ص ۹۹)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ تمام کتب صحاح ششگانہ اصل تسنن نے اس روایت کو ابو الهیاج سے نقل کیا ہے یہ مطلب خود اس بات کی حکایت کرتا ہے کہ وہ اہل حدیث اور قابل اطمینان نہیں تھا۔ لہذا مذکورہ حدیث سند کے لحاظ سے قابل اطمینان نہیں ہے اور دلالت کے لحاظ سے لفظ "مشرف" جو حدیث مذکور میں استعمال ہوا ہے وہ لغت کے اعتبار سے ایک بلندی مکان کو مکان دیگر پر بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔ لہذا یہ لفظ ہر قسم کی بلندی کو شامل نہیں کرے گا اور لفظ "سویتہ" لغت میں مساوی قرار دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کسی ٹیڑھی چیز کو سیدھی کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اس بنا پر حدیث کے معنی

نہیں ہیں کہ ہر قسم کی بلند قبر کو ویران کرو اور ویسے بھی قبور کو زمین کے مساوی کرنا سنت اسلام کے منافی ہے کیونکہ تمام فقہاء اسلام قبر کو زمین سے ایک بالشت اونچا رکھنے کے مستحب ہونے کو کہتے ہیں۔(الفقہ علی المذاہب الاربعہ جلد اول صفحہ ۴۲۰) ایک دوسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ "سویتہ" سے مراد یہ ہے کہ قبر کے اوپری حصے کو مساوی رکھو نہ کہ مچھلی کی پشت اور اونٹ کی پشت کی مانند۔ جیسا کہ بڑے بڑے علماء اہلسنت مثلاً مسلم نے اپنی صحیح اور ترمذی و نسائی نے اپنی اپنی سنن میں اس حدیث سے یہی معنی مراد لئے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اس حدیث میں تین احتمال ہوئے : (۱) قبر کو ویران کرنا۔ (۲) قبر کو زمین کے برابر کرنا۔ (۳) قبر کے اوپری حصے کو مساوی قرار دینا۔ جن میں احتمال اول و دوم تو صحیح نہیں ہیں۔ احتمال سوم صحیح ہے۔ لہذا حدیث مذکور دلالت کے اعتبار سے ہرگز قبر کے ویران کرنے پر دلالت نہیں کر رہی۔(اقتباس و تلخیص از کتاب آئین وہابیت ص ۵۶ تا ۶۴)

اب ہم یہاں پر ایک چیز اور اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر امام علیؑ قبور کے ویران کرنے کو لازم جانتے تھے تو کیوں؟ اپنے دور خلافت میں انبیاء و اوصیاء کی قبور جو بیت المقدس وغیرہ میں تھیں ویران نہیں کیا جس کی مثال تاریخ میں کہیں بھی نہیں ملتی اور عصر حاضر میں اگر وہابی لوگ قبور کو ویران کرنے کے قائل ہیں تو کیوں قبر پیغمبر اکرمؐ و قبر ابوبکر و عمر کو ویران نہیں کرتے؟

وہابی : قبر نبیؐ و قبر عمر و ابوبکر کو خراب نہ کرنے کی علت یہ ہے کہ ان قبور اور نمازیوں کے درمیان دیوار ہے تاکہ نمازی لوگ ان قبور کو قبلہ قرار نہ دیں

اور ان قبور پر سجدہ نہ کریں۔

شیعہ : یہ کام تو ایک دیوار یا کسی بھی حائل چیز سے ممکن تھا مزید سبز گنبد کی ضرورت نہیں تھی اور اسکے اطراف میں گلدستوں کی ضرورت نہیں تھی۔

وہابی : میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ آیا ہمارے پاس قرآن سے کوئی دلیل ہے کہ اولیاء اللہ کی قبور کو مجلل و ضریح وغیرہ بنائیں ؟

شیعہ : اولاً تو یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز حتیٰ کہ مستحبات وغیرہ بھی قرآن میں ذکر ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کئی برابر وزن کا حاصل ہوتا۔ ثانیاً قرآن میں اس موضوع کی طرف اشارے ہوئے ہیں۔ مثلاً سورۃ حج کی آیت ۳۲ میں پڑھتے ہیں کہ : "ومن یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب." یعنی جو بھی شعائر الٰہی کی تعظیم و احترام کرے یہ ان کے قلوب کے تقوے کی نشانی ہے۔ لفظ شعائر شعیرہ کی جمع ہے جس کے معنی نشانی کے ہیں اور اس آیت میں مراد وجود خدا کی نشانیاں نہیں ہیں کیونکہ پوری کائنات خدا کے وجود کی نشانی ہے بلکہ اس آیت میں مراد دین خدا کی نشانیاں ہیں۔(تفسیر مجمع البیان جلد ۴ ص ۸۳) اور ہر وہ چیز جو دین خدا کی نشانی ہو اس کا احترام تقرب خدا کا موجب بنتا ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ انبیاءؑ و اوصیاءؑ و اولیاء خدا علیہم السلام جو لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتے تھے ان کی قبور دین خدا کی نشانیاں ہوں گی۔ اب اگر ہم ان کی قبور کو عالیشان بنائیں اور ان کی تزئین کریں تو ہم نے گویا دین خدا کی نشانیوں کی تعظیم کی ہے۔ لہذا قرآن میں جو کام خدا کے نزدیک پسندیدہ قرار دیا گیا ہے ہم نے اس کو انجام دیا ہے۔

قرآن میں دوسری جگہ سورۃ شوریٰ کی آیت ۲۳ میں ارشاد ہوا : "قل لا اسئلکم

علیه اجرا الا المودة فی القربی." اس آیت کی موجودگی میں اگر ہم پیغمبر اکرمؐ کے اہلبیتؑ کی قبور کو مزین کریں تو کیا ہم نے کوئی خلاف شرع کام انجام دیا ہے؟ جس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔ مثال کے طور پر اگر قرآن مجید کا ایک پارہ بھی کہیں خاک آلود زمین پر پڑا ہو اور ہم اسے فوراً نہ اٹھائیں تو کیا یہ اس کی توہین نہیں؟ اگر فرض کریں کہ توہین نہیں بھی ہے تو کیا اس کو ایک خوبصورت غلاف میں لپیٹ کر کسی محفوظ جگہ پر رکھ دیں جہاں ان پر گرد وغیرہ نہ پڑے تو کیا یہ بہتر نہیں؟

وہابی: آپ نے جو یہ سب باتیں کیں بہت اچھی ہیں، مگر قرآن نے اس مسئلے میں صراحتاً کچھ نہیں کہا۔

شیعہ: قرآن میں اصحاب کہف کے بارے میں آیا ہے کہ جب ان لوگوں نے غار میں پناہ لی تو وہیں گہری نیند سوگئے۔ وہاں کے لوگ جب ان کی تلاش میں اس غار تک پہنچے تو یہ لوگ اس جگہ کی شکل و صورت کے بارے میں نزاع کرنے لگے۔ ایک گروہ کہنے لگا کہ اس جگہ کو قبر نما بنائیں۔ لیکن دوسرا گروہ جو ان کے راز سے آگاہ تھا کہنے لگا: "لنتخذن علیهم مسجدا." (سورۃ کہف آیت ۲۱) یعنی ہم ان کے مدفن کی جگہ مسجد بنائیں گے۔ قرآن نے ان دونوں گروہوں کے نظریے کو بغیر اعتراض کے نقل کیا ہے۔ اگر یہ دونوں نظریے یا ان میں سے کوئی ایک غلط یا حرام ہوتا تو قرآن قطعاً اسے ذکر نہیں کرتا۔ بہر حال یہ دونوں نظریے ایک طرح سے اولیاء خدا کی قبور کے احترام پر دلالت کرتے ہیں اور تین آیات مذکورہ (۱) آیت تعظیم شعائر۔ (۲) آیت مودت۔ (۳) لوگوں کے نظریے۔۔۔ قبور اصحاب کہف کے مسئلے میں اولیاء خدا کی قبور کو مزین بنانے کے

استحباب پر دلالت کرتے ہیں۔ (اقتباس از کتاب آئین وہابیت ص ۴۳ الی ۴۶)

آخری بات یہ کہ بعض کتب تواریخ یا روایات میں جو قبور کو بنانے سے منع ہوا ہے وہ صرف اس وجہ سے ہے کہ اولیاء خدا کی قبور عبادت گاہ و سجدہ گاہ قرار نہ پائیں۔ لیکن اگر کوئی بندہ مؤمن خدا پرست پورے خلوص کے ساتھ خدا کے صالح بندگان کی قبور کے کنارے نماز پڑھے تو یہ شرک نہیں ہے بلکہ خدا پرستی میں اور زیادہ خلوص و تاکید کا باعث ہے۔

(۸۷)

امام علیؑ مولود کعبہ ہیں

اشارہ: امام علیؑ کی زندگی کے بے نظیر افتخارات و امتیازات میں سے ایک آپ کا کعبہ جیسے مقدس مقام میں متولد ہونا ہے اور یہ موضوع تاریخ شیعہ و سنی کے لحاظ سے قطعی ہے۔ جیسا کہ علامہ امینی اپنی کتاب الغدیر کے چھٹی جلد میں اس موضوع کو اہلسنت کی سولہ اصلی کتابوں سے ذکر کیا ہے اور یہ موضوع تو امام علیؑ کے دوسروں پر ذاتی امتیاز کے لحاظ سے زندہ شاہد مثال ہے جو منحرفین کے لئے حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ حاکم اپنی کتاب مستدرک کی جلد ۳ ص ۴۸۳ میں ادعا کرتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ یعنی اس قدر زیادہ نقل ہوئی ہے کہ اس کی صحت کے بارے میں علم حاصل ہو گیا ہے۔ اب ذرا ایک شیعہ اور سنی علماء کا اس موضوع پر مناظرہ ملاحظہ فرمائیں:

سنی عالم: تاریخ میں آیا ہے کہ: "حکیم بن حزام" بھی کعبہ میں متولد

ہوئے ہیں۔

شیعہ عالم: اس طرح کی کوئی چیز تاریخ میں نہیں آئی ہے کیونکہ خود آپ کے بزرگ علماء مثلاً ابن صباغ مالکی (الفصول المہمہ ص ۱۴)، گنجی شافعی (نور الابصار ص ۷۶)، و شبلنجی (کفایہ الطالب ص ۳۶۱)، و محمد بن ابی طلحہ شافعی (مطالب السئول ص ۱۱) کہتے ہیں کہ: "لم یولد فی الکعبة احد قبله." یعنی علیؑ سے پہلے کعبہ میں کوئی پیدا نہیں ہوا جبکہ حکیم بن حزام سن و سال میں حضرت علیؑ سے بڑے تھے اور یہ حضرت علیؑ کے تیز چالاک کینہ پرور دشمنوں کی سازش ہے کہ آنحضرتؐ کے اس امتیاز ولادت خانہ کعبہ کو اس طرح سے جھوٹ بول کر لوگوں کے ذہنوں سے مٹا دیں۔

سنی عالم: خانہ کعبہ میں ولادت ہونا اس مولود کیلئے کیسا امتیاز و افتخار ہے؟

شیعہ عالم: اگر کسی عورت کے بطور اتفاق کسی مقدس جگہ پر بچہ ہوتا ہے تو اس میں یقیناً کوئی افتخار نہیں ہوگا۔ لیکن اگر خداوند عالم کی طرف سے اس کی مدد ہو اور عنایت و کرامات خاص اس آنے والی کی شامل حال ہو اور اس کو خود خدا مقدس جگہ کعبہ جیسے مکان میں خصوصی دروازہ بنا کر بلائے تو یہ چیز اس عورت اور اس بچہ کے عظیم مقام و منزلت اور اس کی طہارت فوق العادۃ پر دلالت کرتی ہیں۔ لہذا ولادت حضرت علیؑ خانہ کعبہ میں اسی بات کی نشاندہی ہے۔ چنانچہ دیوار کے شگاف ہونے کا معجزہ اور فاطمہ بنت اسد مادر حضرت علیؑ کا بلا خوف اس میں داخل ہونا، یہ ان کی فضیلت و کرامت پر دلالت کرتا ہے۔ (دلائل الصدق جلد ۲ ص ۵۰۸)

سنی عالم: جب حضرت علیؑ تقریباً بعثت سے دس سال پہلے اس دنیا

میں تشریف لائے۔ اس وقت کعبہ میں اور اس کے اطراف میں بت بھرے ہوئے تھے۔ لہذا اس وقت کعبہ کو معنوی امتیاز حاصل نہیں تھا بلکہ بت کدہ شمار ہوتا تھا۔ گویا حضرت علیؑ ایک بت کدہ میں متولد ہوئے۔ لہذا ان کے لئے کعبہ میں متولد ہونا کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔

شیعہ عالم: کعبہ وہ پہلی عبادت گاہ ہے جو اس زمین پر بنائی گئی ہے۔ (سورۂ آل عمران آیت ۹۶) جس کی بنیاد حضرت آدمؑ نے بہشت سے آئے ہوئے پتھر حجر اسود کے ذریعے رکھی۔ اس کے بعد طوفان نوحؑ میں وہ جگہ ویران ہو گئی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ جو نگہبان توحید تھے انہوں نے اس کی دوبارہ تعمیر کی۔ کعبہ کے سلسلے میں پوری تاریخ انبیاءؑ اس بات کی شاہد ہے کہ انبیاء کرامؑ، اوصیاء دین اور اولیاء خدا اور فرشتان مقرب کے طواف کی جگہ رہی ہے۔ اگر ایسی مقدس جگہ پر بت پرستوں کی سلطنت میں بت پرستی کی جگہ بن جائے تو اس مقدس جگہ کا اپنا معنوی مقام و منزلت میں کسی طرح کی کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شراب کی بوتل مسجد میں لے جائے یا مسجد میں لے جا کر پیئے تو کیا اس سے مسجد کی اہمیت کم ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ یا اگر کوئی حالت جنابت میں مسجد آجائے تو کیا مسجد کی عظمت میں کوئی کمی آسکتی ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ ایسے اشخاص تو خدا کے تحت عذاب کے مستحق ہوں گے جو مسجد کی اس طرح سے بے حرمتی کریں۔ لیکن خدا کا خود فاطمہ بنت اسد کو وقت ولادت کعبہ کی دیوار کو شق کر کے بلانا اس کی دلیل ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کی مادر گرامی طہارت کے عظیم مرتبے پر فائز تھے، نجاست ان سے دور تھی، انہوں نے یہ گناہ نہیں کیا، بلکہ وہ خدا کی مہمان تھیں

اور خدا میزبان تھا جس نے ان کو اپنے گھر میں دعوت دی تھی۔ لہذا یہ موضوع امام علیؑ کیلئے مایۂ افتخار ہے۔ اسی لئے اس موضوع پر خصوصاً ابتدائے اسلام کے شاعروں نے شعر کہے ہیں اور اس موضوع کو ایک فوق العادۃ معجزہ وغیرہ سے تعبیر کیا ہے۔ بعد الباقی عمری اس بارے میں امام علیؑ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں :

انت العلی الذی فوق العلی رفعا   ببطن مکۃ وسط البیت اذ وضعا

یعنی آپ علیؑ ہیں جنہوں نے بلند مقام حاصل کیا۔ شکم مکہ یعنی کعبہ کے اندر آپ کی ولادت ہوئی۔ (دلائل الصدق جلد۲ ص۵۰۹) اور ایک فارسی شاعر کہتا ہے:

در کعبہ شد تولد و زمحراب شد شہید

نازم بہ حسن مطلع و حسن ختام او

سنی عالم جو شکست کھا چکے تھے مناظرہ ختم کر کے سر جھکائے اٹھ کھڑے ہوئے اور گھر کو چل دیے۔

(۸۸)

حدیث "اصحابی کالنجوم" کے بارے میں مکالمہ

شیعہ استاد : ہم معتقد ہیں کہ امامت و خلافت پیغمبر اکرمؐ کی جانشینی، دین و دنیا کی عظیم ترین ذمہ داری اور سرداری ہیں۔ کیونکہ پیغمبر اکرم کا جانشین اور قائم مقام و نمائندہ ہونا دراصل اجراء احکام، حفظ شریعت اور فتنہ و فساد کو ختم کر کے قانون الٰہی کو قائم کرنا ہے۔ چنانچہ اس عظیم مقام کی ہر ایک صلاحیت نہیں رکھتا، سوائے ایسے افراد کے جو تقویٰ و جہاد و علم و زہد و سیاست و عدالت و شجاعت

اور وسعت قلبی میں وسعت نظری میں حسن اخلاق میں اپنے زمانے کے تمام افراد پر برتری رکھتا ہو۔ لہذا ایسا شخص بعد از پیغمبر اکرمؐ روایات شیعہ و سنی میں سوائے علی ابن ابی طالبؑ کے کوئی نہیں ملتا۔

سنی استاد : پیغمبر اکرمؐ کا ارشاد ہے: "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اهتدیتم." یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے تم نے جس کی پیروی کی ہدایت پاجاؤ گے۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل الصحابہ مسند احمد جلد ۴ ص ۳۹۸) لہذا اس فرمان رسول اکرمؐ کے تحت بعد از رسولؐ جس صحابہ کی بھی پیروی کی جائے اس میں نجات ہے۔

شیعہ استاد : اس حدیث کی سند سے صرف نظر کرتے ہوئے کچھ دوسرے دلائل قاطع کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث گھڑی ہوئی اور غیر معتبر ہے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے اس طرح کی حدیث نہیں فرمائی۔

سنی استاد : کس دلیل کے تحت؟

شیعہ استاد : اس طرح کی بے بنیاد اور جھوٹی احادیث کی بہت سی صورتیں ہیں:

صورت اول : یہ ہے کہ رات کے اندھیرے میں چلنے والے مسافر جب لاکھوں ستاروں کو آسمان پر مشاہدہ کرتے ہیں اگر ان مسافروں میں سے ہر ایک اپنی مرضی سے ایک ایک ستارہ کی پیروی کرتا ہوا چل پڑے تو ہرگز اپنی منزل تک نہیں پہنچے گا کیونکہ ستارے راہ نہیں بلکہ نور کے ذریعے راہنمائے راہ ہیں۔

دوسری صورت : حدیث مذکور دوسری کئی احادیث کے ساتھ تضاد

رکھتی ہے۔ مثلاً حدیث ثقلین سے، حدیث خلفاء سے جو قریش کے بارہ افراد ہیں، حدیث "علیکم بالائمة من اهل بیتی." یعنی تمہیں میرے اہلبیت کے بارہ امام مبارک ہوں، حدیث "اهل بیتی کالنجوم" کے ساتھ، حدیث سفینہ کے ساتھ کہ مثلاً "اهل بتی سفینہ نوح" اور حدیث النجوم "امان لاهل الارض من الغرق واهل بیتی لامتی امان من الاختلاف." یعنی ستارے اہل زمین کو غرق ہونے سے نجات دینے والے ہیں اور میرے اہلبیتؑ میری امت کو اختلافات سے بچانے والے ہیں۔ (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۴۹) اور دیگر احادیث اور یہ بات بھی قابل توجہ رہے کہ اس حدیث مذکور کو مسلمانوں کے صرف ایک گروہ نے نقل کیا ہے جبکہ ان تمام احادیث کو مسلمانوں کے تمام فرقوں نے نقل کیا ہے۔

تیسری صورت: بعد از رحلت پیغمبر اکرمؐ جو اختلافات و کشمکش اصحاب پیغمبرؐ کے درمیان ہوئی وہ بھی اس حدیث مذکور کے ساتھ مناسب نہیں ہے کیونکہ بعض اصحاب مرتد ہوگئے تھے۔ (مثلاً ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے جو "اہل ردہ" مشہور ہوگئے)۔ بعض نے بعض دیگر پر اعتراضات کئے مثلاً اکثر صحابہ کا حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) سے اتنا اختلاف کرنا کہ انہیں قتل تک کردیا۔ بعض صحابہ کا بعض دیگر کو لعن طعن کرنا جیسے معاویہ کا حضرت علیؑ پر لعن طعن کرنے کا حکم دینا۔ اس طرح مذکورہ حدیث اس اعتبار سے بھی مناسب نہیں ہے جبکہ بعض اصحاب نے بعض دیگر سے جنگ کی مثلاً طلحہ و زبیر کا جنگ جمل میں حضرت علیؑ سے جنگ کرنا اور معاویہ کا حضرت علیؑ سے جنگ صفین میں جنگ کرنا اور بعض صحابہ کا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونا اور شراب و زنا و چوری وغیرہ کے سبب ان پر حد کا

جاری ہونا جیسا کہ ولید بن عتبہ اور مغیرہ بن شعبہ پر حد جاری ہوئی۔ یا مثلاً معاویہ و علیؑ دونوں صحابی پیغمبرؐ تھے دونوں آپس میں لڑتے اور ایک دوسرے پر لعن کرتے تھے تو کس طرح ممکن ہے کہ حدیث مذکور کے تحت تمام صحابہ کی پیروی کر کے نجات پائیں؟ کیا "بسر بن ارطاۃ" جو ایک صحابی رسولؐ تھا اور ہزاروں مسلمانوں کا خون بہا چکا تھا، ان جیسوں کی اقتداء کرنا موجب ہدایت ہے؟ کیا منافقین کی اقتداء کرنا اگرچہ ان کی تعداد زیادہ ہو موجب ہدایت ہے؟ کیا مروان جس نے طلحہ کو قتل کیا اس کی اقتدا موجب ہدایت ہے؟ کیا مروان کا باپ (حکم) جو اصحاب پیغمبرؐ میں سے تھا اور پیغمبر اکرمؐ کا مذاق اڑایا کرتا تھا اس کی اقتداء موجب ہدایت ہے؟ لہذا اس بنا پر یہ حدیث مذکور گھڑی ہوئی ہے اور خندہ آور ہے۔

سنی استاد: لفظ صحابی میں صرف وہ اصحاب مراد ہیں جو درحقیقت اصحاب تھے نہ کہ جھوٹے اصحاب۔

شیعہ استاد: ایسے اصحاب جیسے سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ و عمار یاسرؓ ہیں نہ کہ کوئی اور لیکن آپ لوگ ان افراد کی جگہ دوسرے افراد کو لیتے ہیں۔ لہذا پھر بھی ہمارے اور آپ کے درمیان کا اختلاف دور نہیں ہوگا کیا یہ بہتر نہیں کہ ایسی احادیث کو لیں جس میں کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو؟ حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ اور دوسری روایات کی مانند جو امام علیؑ کی امامت کی تصریح کرتی ہیں۔ اس لئے روایات میں آیا ہے کہ جب سلمانؓ مدائن کے لئے روانہ ہوئے تو دو افراد اشعث و جریر سے راستہ میں ملاقات ہوئی وہ سلمانؓ کو نہیں پہچانتے تھے۔ حضرت سلمانؓ نے اپنا تعارف کرایا کہ میں صحابی رسول خدا ہوں اور پھر فرمایا: "انما صاحبہ من

دخل معه الجنة." (فتاویٰ صحابی کبیر ص ۶۷۷) یعنی صحابی رسولؐ وہ ہے جو آنحضرتؐ کے ساتھ بہشت میں جائے۔ یعنی الفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ صحابی رسولؐ وہ ہے جو اپنی زندگی کے آخری لمحے تک دستورات پیغمبر اکرمؐ کے مطابق عمل کرتا رہا ہو، ان کی روش کو تبدیل نہ کرے اور حدود دستورات الٰہی سے خارج نہ ہو۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایسا کوئی صحابی ہو تو ایسے کی اقتداء کرنے سے راہ ہدایت ملتی ہے لیکن میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ بعد از پیغمبر اسلامؐ کتنے صحابی ایسے تھے جو راہ پیغمبر اکرمؐ پر باقی رہے بدلے نہیں؟ مسئلہ یہاں تک پہنچتا ہے کہ روایات کے مطابق سوائے چند نفر مثلاً سلمانؓ و ابوذرؓ و مقدادؓ و عمار یاسرؓ کے سب مرتد ہو گئے تھے۔

(۸۹)

علیؑ شہید راہ عدالت

دو مسلمان حق جو اور حمید کے درمیان اس طرح مناظرہ ہوا:

حمید: ہم جب امام علیؑ کی زندگی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اکثر زندگی جنگ و جہاد میں گزری ہے۔ پیغمبر اکرمؐ کی زندگی میں آنحضرت کی اجازت سے جو جنگیں کیں وہ تو مشرکین کے ساتھ تھیں جس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے لیکن امام علیؑ کی خلافت جو تقریباً چار سال اور نو ماہ تک تھی جس میں کئی جنگیں ہوئیں مثلاً جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان سب مسلمانوں سے تھیں۔ لہذا مناسب یہ تھا کہ آپؑ بزرگان قوم سے بات چیت

کرتے تاکہ یہ جنگیں پیش نہ آتیں اور مسلمانوں کی خونریزی نہ ہوتی۔

حق جو: ہم امام علیؑ کو ایک انسان کامل اور حق پرست و مخلص شخص کے عنوان سے پہچانتے ہیں جنہوں نے پیغمبر خداؐ کے زمانے میں مشرکین و کافرین کے ساتھ جنگیں کیں جو راہ اسلام میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اور اپنی خلافت کے زمانے میں بھی ایسے افراد سے جنگیں کیں جو راہ اسلام میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ مثلاً وہ منافقین جو اپنے کو اسلامی کہہ کر اپنے نفسانی اہداف تک پہنچنا چاہتے تھے۔ لہذا اگر دیکھا جائے تو مشرکین کی نسبت ایسے لوگ اسلام کے لئے زیادہ نقصاندہ ہوتے ہیں۔

حمید: امام علیؑ اگر چاہتے تو "ناکثین" یعنی بیعت شکن لوگ جنہوں نے جنگ جمل کو روشن کیا، "قاسطین" یعنی اسلام کے حقیقی دشمن جیسے معاویہ اور اس کے حمایتی اور "مارقین" خوارج سے کج فہم اور ناعاقبت اندیش لوگوں کو تھوڑا تھوڑا بیت المال سے مال دیتے تاکہ وہ خاموش بیٹھے رہتے۔

حق جو: آپ کی اس طرح کی گفتگو سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک عام رہبر جو اپنے ذاتی اہداف کو مصالح الٰہی پر مقدم کرتا ہے اور ایک رہبر الٰہی جو فرمان خدا کو جاری کرنے میں کسی کے ساتھ کسی قسم کا کوئی فرق نہیں کرتا، آپ نے ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ ہم بطور خلاصہ امام علیؑ کے دور خلافت کی تین اصلی جنگوں کے عوامل کی تحقیق کریں تاکہ یہ موضوع روشن ہو جائے:

۱۔ جنگ جمل و صفین کا اصل سبب وہی زمانہ جاہلیت کے اختلاف طبقات

فوقیت کے لحاظ سے پیش آنے والے مسائل تھے جن کی وجہ سے جنگ جمل و صفین کی آگ روشن ہوئی۔ جنگ جمل میں طلحہ و زبیر جیسے افراد نے آکر اپنے آپ کو حضرت علیؑ سے برتر پہچنوانا چاہا۔ وہ لوگ تصریحا یہ کہتے تھے کہ کوفہ و بصرہ کی حکومت ہمیں دیں اور بیت المال کی کنجی ہمارے حوالے کی جائے۔ ان سب باتوں کا مطلب یہ تھا کہ کسی طرح سے اپنی بزرگی و برتری دکھا کر اسلام میں بے عدالتی قائم کریں۔ حضرت علیؑ ایسے شخصی مصلحت رکھنے والے افراد کو لوگوں پر مسلط کرنے کے لئے ہرگز راضی نہیں تھے کیونکہ امام علیؑ خدا پرست تھے۔ لہذا مصالح مسلمین و بیت المال کے مسائل میں ہرگز مادہ پرست لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جنگ صفین کے موقع پر بھی معاویہ علی الاعلان حضرت علیؑ سے حکومت شام کا مطالبہ کر رہا تھا تاکہ وہ وہاں کی حکومت لے کر اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے پیٹ بھرے اور نسل پرستی و قوم پرستی کے لئے حکومت کرے۔ کیا حضرت علیؑ ایسے ستمگر اور ہوا پرست افراد کو مسلمانوں کے جان و مال کا حاکم بنا سکتے تھے؟ کیا معاویہ کی اس طرح کی سازش اور اسلام و مسلمین کے ساتھ خیانت کرنا صحیح تھا اور اسی زمانہ میں "مغیرہ بن شعبہ" جو امام علیؑ کو "النصیحۃ لامر المسلمین" کا مشورہ دیا کرتے تھے۔ مگر امامؑ ان سے فرماتے تھے: "ولم یکن اللہ لیرانی اتخذ المضلین عضدا." یعنی خدا ہرگز مجھے نہیں دیکھے گا کہ میں کسی گمراہ شخص کو اپنا نائب بناؤں۔ (وقعۃ الصفین مصر ص ۵۸) حتی کہ خود امام علیؑ کے بعض فداکار و مددگار اصحاب (عمار یاسرؓ و ابوالہیثم و تیہان وغیرہ) نے بھی آکر حالات کی کیفیت کو بتاتے ہوئے کہا کہ آپؑ موقتاً سرداران قوم کے ساتھ کچھ امتیاز برتیں

تاکہ وہ لوگ بغاوت نہ کریں مگر امام علیؑ نے ان سب کے جواب میں یہی فرمایا:

"اتامرونی ان اطلب النصر بالجور فیمن ولیت علیه. واللّٰه لا اطور به ماسمر سمر وما ام نجم فی السماء نجما." یعنی کیا مجھے مجھ سے ماتحت افراد پر ظلم و ستم کرنے کو کہتے ہو خدا کی قسم جب تک یہ دنیا باقی ہے اور ستارے ستاروں کے پیچھے گردش کر رہے ہیں میں ہرگز ایسا کام نہیں کروں گا۔ امام علیؑ کی اس طرح کے عدل و انصاف کے سامنے ان ہوس پرست و نسل پرست شیوخ تحمل نہ کرسکے اسی لئے انہوں نے امام علیؑ کے سامنے جنگ جمل اور جنگ صفین روشن کیں اور اسی جنگ صفین کے دوران جنگ نہروان بھی برپا کی۔ معاویہ کی صلح طلبی اور قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے سے لشکر علیؑ میں سستی پیدا ہوئی جس سے "حکمین" کا قصہ پیش آیا۔ کج فہم خوارج اور امام کے وفادار ساتھیوں جن کو خوارج کافر کہہ رہے تھے، کے درمیان جھڑپیں ہونے لگیں جس کے نتیجے میں جنگ نہروان پیش آئی اور ان خوارج میں سے ابن ملجم جیسے افراد قتل امام علیؑ تک پر آمادہ ہوگئے اور آخرکار امامؑ کو شہادت تک پہنچا کر ہی چھوڑا۔ صرف امامؑ کی عدالت اسلامی کے تحت جیسا کہ لوگ خود کہتے تھے کہ: "قتل علیٰ لشدة عدله." یعنی امام علیؑ اپنی شدت عدالت کی خاطر شہید کئے گئے اس لئے امام علیؑ کے سر پر جب ضربت لگی تو آپ نے فرمایا: "فزت برب الکعبه" یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔ کیونکہ امام علیؑ کی کامیابی اس میں نہیں تھی کہ مصلحت مادی و شخصی کی خاطر اسلام کی اصل اہمیت و ارزش کا خیال نہ رکھیں بلکہ آپ کی کامیابی اس میں تھی کہ شہادت تک اسلامی احکام عدالت کو باقی رکھیں اور ہر قسم کی نسل

پرستی و مادیت پرستی کو مٹادیں۔ امام علیؑ نے چاہا کہ مصالح شخصی کو اسلام کے سیاسی و اجتماعی مسائل کے سامنے فدا کردیں تاکہ ہر زمانے کا مسلمان، ستمگر کے سامنے اٹھ کھڑا ہو اور کبھی ظالموں کے سامنے نہ جھکے تاکہ معاویہ و یزید جیسے لعین اسلام کو نہ مٹا سکیں۔

(۹۰)
خیرات ائمہ کے بارے میں مکالمہ

شاگرد: اسلامی روایات میں بہت سی ایسی روایات ہیں جن میں آیا ہے کہ فلاں امام نے فلاں شخص کو اتنا مال بخش دیا کیا یہ روایات صحیح ہیں؟

استاد: ہوسکتا ہے کہ ایسی بعض روایات ضعیف السند ہوں مگر ایسی روایات اتنی زیادہ نقل ہوئی ہیں کہ ان سب کا انکار کیونکر کیا جائے اور کیونکہ ایسی روایات کی سند بھی صحیح ہیں۔ بطور نمونہ ان روایات میں سے میں صرف چار روایات ذکر کرتا ہوں:

۱۔ عبدالرحمٰن سلمٰی نے جب امام حسینؑ کے کسی فرزند کو سورۃ حمد سکھایا تو آپؑ نے انعام کے طور پر انہیں ہزار دینار اور ہزار لباس عطا کئے اور "مروارید" سے ان کے منہ کو پر کردیا۔ (مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۶۶)

۲۔ ایک فقیر مسافر امام رضاؑ کے پاس آیا اور کہنے لگا میرا راہ سفر ختم ہوگیا ہے مجھے میرے وطن تک پہنچنے کے لئے کچھ خرچہ دیں اور جب میں وطن پہنچ گیا تو اتنا ہی مال میں آپ کی طرف سے فقراء میں تقسیم کردوں گا۔ امام رضاؑ اٹھے اور

گھر کے اندر جاکر دو سو درہم کی تھیلی لاکر اسے دی اور کہا: میں نے یہ تمہیں بخشی ضروری نہیں کہ وطن پہنچ کر تم اتنی ہی میری طرف سے صدقہ دو۔(فروع کافی جلد ۴ ص ۲۳)

۳۔ امام سجادؑ نے بارہ ہزار درہم فرزدق نامی شاعر کو زندان میں بھیجے اور پیغام دیا کہ تمہیں میرے حق کی قسم اس کو قبول کرو اور فرزدق نے بھی امام کا بھیجا ہوا ہدیہ قبول کیا۔(انوار البہیہ ص ۱۲۵)

۴۔ دعبل نامی شاعر نے جب امام رضاؑ کے سامنے فضائل و مصائب اہلبیتؑ میں شعر کہے تو امام رضاؑ نے سو درہم کی تھیلی اسکے پاس ہدیہ روانہ کی اور دعبل نے وہ ساری رقم جو امامؑ کے نام پر اسے ملی تھی عراق کے شیعوں کو فروخت کی جس کے لئے ہر دینار کے بدلے سو درہم ملے۔ اس طرح اس کی زندگی خوشحال گزرنے لگی۔(عیون الاخبار الرضا جلد ۲ ص ۲۶۳) اس طرح کی روایات بہت زیادہ ہیں۔

شاگرد: اگر یہ روایات صحیح ہیں تو امام علیؑ بیت المال کے مسئلے میں اتنی زیادہ احتیاط کیوں کرتے تھے کہ سب میں مساوی تقسیم ہو؟ مثلاً خود امام علیؑ کے بھائی عقیل نے جب اپنے حصے سے کچھ زیادہ مال "جو کہ آتا تھا" طلب کیا تو آپؑ نے لوہے کی سلاخ کو آگ میں گرم کر کے عقیل کے جسم سے نزدیک کی جب عقیل نے اس کی گرمی محسوس کی اور نالہ و بکا کرنے لگے تو امام علیؑ نے ان سے فرمایا: "اے عقیل عورتیں آپ کے غم میں بیٹھیں انسان جو اپنے ہاتھ سے آگ روشن کرتا ہے اس سے اتنا گھبراتے ہو اور مجھے آتش جنہم کی طرح بھیجنا چاہتے ہو جو خدا جبار نے روشن کی ہے تم اس ذراسی آگ سے نالہ و بکا کرتے ہو اور میں

دوزخ کی اس طویل عریض آگ سے نالہ نہ کروں؟(نہج البلاغہ خطبہ ۲۲۴)

استاد: تم اس بات میں غلطی کر رہے ہو کہ جو تصور کر رہے ہو کہ امام کا ذریعہ معاش صرف بیت المال تھا اس طرح ایک طرف امام علیؑ کا خیراتیں کرنا اور دوسری طرف بیت المال کے مسئلے میں سختی کرنا دونوں کو آپس میں تضاد سمجھتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام اماموںؑ کے ذرائع معاش مختلف تھے لیکن سب بیت المال کے سلسلے میں اتنی ہی احتیاط کرتے تھے جتنی امام علیؑ کرتے تھے۔ مثلاً خود امام علیؑ نے ۲۵ سال کی عمر میں جب خلافت عمر و ابوبکر و عثمان (رضی اللہ عنھم) کے زمانہ میں دیکھا کہ شیعہ اقتصادی لحاظ سے سختی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور شیعت کی حفاظت دراصل اسلام حقیقی کی حفاظت تھی۔ لہذا آپ ۲۵ سال کی عمر سے کھیتی باڑی کے کام میں مصروف ہو گئے۔ جنگلوں کو آباد کرتے اور وہاں کی آمدنی شیعوں کو بخش دیا کرتے تھے۔ اس طرح آپ سب کی مدد کرتے تھے اور پھر وہی آباد جگہیں اور باغ وغیرہ اپنے شیعوں کو وقف کر دیتے تھے تاکہ آپ کے شیعہ اس کی آمدنی کو مسلمان فقراء اور شیعوں کی مدد میں صرف کریں۔ امام صادقؑ، امام باقرؑ، امام کاظمؑ اور دوسرے ائمہؑ بھی کھیتی باڑی کیا کرتے تھے اور لوگوں کو تجارت پر آمادہ کرتے تھے کیونکہ ائمہؑ جانتے تھے کہ ممکن ہے کہ شیعہ فقر و فاقہ سے تنگ آکر دوسروں سے جا ملیں۔ لہذا ائمہؑ کی جو بھی آمدنی ہوا کرتی تھی اس کو شیعت کی حفاظت کرنے کے لئے صرف کرتے تھے نہ کہ بیت المال کو بخشا کرتے تھے۔

شاگرد: میں آپ کے اس منطق بیان سے بہت خوش ہوں اور قانع ہو گیا لیکن آپ سے گزارش کروں گا کہ اس مہم موضوع کو مکمل کرنے کے لئے

میرے سامنے بیت المال کے علاوہ ائمہؑ کی آمدنی کی ایک دو مثالوں کا ذکر کریں۔

استاد: یہ تم نے بہت اچھا تقاضا کیا ہے۔ ہاں میں بطور نمونہ تمہارے لئے چند واقعات بیان کرتا ہوں۔ ذرا توجہ سے سنو:

۱۔ امام علیؑ نے دو باغ جن کو آپؑ نے آباد کیا تھا ابو نیزر کو جو ایک مسلمان تھا بخش دیئے۔ ان دونوں باغوں میں سے ایک باغ کا نام "ابو نیزر" تھا اور دوسرے باغ کا نام "بغیبغہ" تھا۔ ابو نیزر کہتے ہیں کہ ایک دن میں باغ میں تھا کہ امام علیؑ باغ میں آئے اور کہنے لگے کیا تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ میں نے جو اس باغ کی اجرت سے جو، کدو کا سالن جو گھی میں بنایا ہوا تھا لا کر رکھا۔ امامؑ نے نوش کیا اور گیتی، بیلچا لے کر گڑھا کھودنے لگے کافی دیر تک کھودنے کے بعد پسینے سے شرابور باہر آئے اور پھر جا کر اتنا کھودا کہ اونٹ گردن ڈال کر اس سے پانی پی سکے اس کے بعد آپؑ نے کہا: اے ابو نیزر اس خدا کو گواہ قرار دیتا ہوں جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں نے یہ کنواں اور باغ تمہیں وقف کیا۔ پھر آپؑ نے کاغذ قلم منگا کر وقف نامہ لکھا۔ روایت ہے کہ امام حسینؑ اپنے زمانے میں ایک مرتبہ جب مقروض ہوئے اور معاویہ نے دو لاکھ دینار بھیجے اور کہا وہ باغ اور وہ چشمہ ابو نیزر مجھے فروخت کر دیں تو امام حسینؑ نے قبول نہیں کیا اور کہا میرے والد نے اس باغ و چشمہ کو ابو نیزر کے نام وقف کیا ہے میں قیامت تک کسی صورت میں بھی اس باغ و کنویں کو فروخت نہیں کروں گا تاکہ آتش جہنم سے محفوظ رہوں۔ (معجم البلدان جلد ۴ ص ۱۷۶)

۲۔ امام باقرؑ ایک دفعہ گیتی بیلچہ لئے زمین کھودنے میں مصروف تھے کہ ایک

زاہد نما جس کا نام محمد بن منکدر تھا آپؑ پر اعتراض کرتے ہوئے حریص دنیا قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ اس حالت میں مرگئے تو بڑی خفت کی موت ہوگی۔(ارشاد مفید ص ۲۸۴۔ مستدرک الوسائل جلد ۲ ص ۴۱۴۔ فروع کافی جلد ۵ ص ۷۴)

۳۔ ابو حمزہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ وہ ایک باغ سے گزرے تو دیکھا کہ امام کاظمؑ اس میں کام کررہے ہیں اور آپ کا سارا جسم پسینے سے شرابور ہے۔ میں نے عرض کیا: آپ کے سب غلام اور دوسرے لوگ کہاں ہیں جو آپ یہ محنت کررہے ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: جو مجھ سے اور میرے والد سے بھی عظیم تھے وہ بھی یہ کام کیا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا: مولا! وہ کون لوگ تھے؟ امام کاظمؑ نے فرمایا: رسول اللّٰہؐ اور امیرالمؤمنینؑ و آبائی کلھم کانوا قد، عملو بایدیھم وھو من عمل النبیین والمرسلین والاوصیاء والصالحین۔" یعنی وہ لوگ رسول خداؐ اور امیرالمؤمنینؑ اور میرے تمام اجداد جو اپنے ہاتھ سے کام کیا کرتے تھے کیونکہ کام کرنا انبیاء و مرسلین اور بندگان صالحین کی خصوصیات میں سے ہے۔(فروع کافی جلد ۵ ص ۷۵)

شاگرد: آپ کے واضح و روشن اور قانع کنندہ بیانات کا شکریہ لیکن آپ اس موضوع پر اور بھی مطالب بیان کریں تاکہ میں اور زیادہ مستفید ہوسکوں۔

استاد: یہ مطلب بھی واضح رہے کہ اماموںؑ کے زمانوں میں کیونکہ شیعوں پر بہت مظالم ہوا کرتے تھے اور فقر و فاقہ کے شکار ہونے لگتے تھے تو کیونکہ شیعوں کی حفاظت ارکان اسلام کی حفاظت تھی اور ضد اسلام کا قلع قمع کرنا تھا

لہذا بیت المال سے اس بات کے تحت کہ افراد و تفریط نہ ہو جائز تھا کہ ایسے لوگوں کی مدد کی جاتی تاکہ ان کے ذریعے اسلام محمدیؐ و علویؑ دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں سے محفوظ رہے کیونکہ مصارف بیت المال میں سے ایک مورد یہ ہے کہ جہاں اس سے دین مستحکم ہو رہا ہو اور دین کی حفاظت ہو رہی ہو۔(سورۃ انفال آیت ۴۳ اور وسائل الشیعہ کی جلد ۶ میں اس مسئلے کی طرف اشارہ واحادیث موجود ہیں)

(۹۱)

مقام علیؑ اور مسئلہ وحی پر مباحثہ

مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی ایک عالم دین امام علیؑ کی شان میں گفتگو کر رہے تھے کہ درمیان میں اس روایت کو نقل کیا کہ ایک دن رسول خداؐ علی و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے پانی منگوایا جب پانی آیا تو آپؐ نے وہ گلاس پہلے امام حسنؑ پھر امام حسینؑ پھر حضرت فاطمہؑ کو دیا اور فرمایا: "ھنینا مرینالك." یعنی یہ لو اور اس میں سے پیو لیکن جب وہی ظرف حضرت علیؑ کے آگے پینے کے لئے بڑھایا تو فرمایا: "ھنینامرینالك یاولی وحجتی علی خلقی." یہ لو پیو اے میری طرف سے مخلوقات خدا پر ولی و حجت۔ پھر آپؐ سجدہ میں جا کر سجدہ خدا بجالائے۔ فاطمہؑ نے رسول خداؐ سے سوال کیا آپ کے اس سجدے کا راز کیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا: جب تم میں سے ہر ایک نے پانی پیا اور میں نے "نوش جان" کہا تو میرے کانوں میں آواز آئی کہ تمام فرشتے اور جبرئیلؑ بھی یہی کہہ رہے ہیں لیکن جب علیؑ کو میں نے پانی دیا اور یہ جملہ کہا تو مجھے ذات باری تعالیٰ کی آواز

آئی کہ وہ بھی یہی کہہ رہا ہے۔ اس لئے میں نے خدا کے سامنے اس کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی خاطر سجدہ کیا۔ (بحار الانوار جلد ۷۶ ص ۷۵)

سننے والے مخاطبین نے خطیب سے سوال کیا کہ آیا خدا کی آواز ہے جو پیغمبر اکرمؐ نے سنی؟

خطیب: خدا آواز کو کسی فضاء یا کسی مکان میں ایجاد کرتا ہے اور پیغمبر اکرمؐ اس آواز کو سنتے ہیں۔ اس سے بھی روشن تریوں عرض کروں کہ پیغمبران خدا کا خدا سے ارتباط تین طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔ القاء قلبی کے ذریعے جو کئی انبیاءؑ کے پاس وحی ہونے کا یہی طریقہ تھا۔

۲۔ جبرائیلؑ کے ذریعے وحی کا آنا، چنانچہ یہ موضوع سورۃ بقرہ کی آیت ۹۷ میں ذکر ہوا ہے۔

۳۔ پردہ حجاب کے پیچھے سے آواز کو ایجاد کرنا جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ خدا کا کلام کرنا کوہ طور پر جو سورۃ نساء میں اس طرح نقل ہوا کہ: "وکلم اللہ موسی تکلیما." "یعنی خدا نے موسیٰؑ کے ساتھ گفتگو کی اور سورۃ طہٰ کی آیت نمبر ۱۱ و ۱۲ میں نقل ہوا: "فلما آتاھا نودی یا موسیٰ انی انا ربک." "یعنی جب موسیٰؑ آگ کے قریب آئے تو انہیں آواز آئی کہ اے موسیٰؑ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ لہذا وحی انبیاءؑ کے یہ تین طریقے ہیں جن کی سورۂ شوریٰ کی آیت ۵۱ میں تصریح کی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ خدا آواز کو فضا یا کسی مکان میں ایجاد کرتا ہے اور پیغمبرانؑ اس آواز کو سنتے ہیں اور یہ بھی وحی کا ایک طریقہ ہے۔

مخاطبین: ہم معذرت چاہتے ہیں کیونکہ سمجھتے تھے کہ شاید وحی کی

طرف ایک ہی قسم ہے اور وہ جبرئیلؑ کے ذریعے ہے لیکن آپ کی اس وضاحت سے یہ مطلب ہمارے لئے واضح ہو گیا اور ضمناً ہم یہ بھی سمجھ گئے۔ حضرت علیؑ کو بارگاہ خداوندی میں کیا مقام حاصل تھا کہ خدا علیؑ کے لئے اپنے پیغمبرؐ کے ہم صدا ہو کر کہے: "ھنیئا مریئا لك" لیکن ایک اور آپ سے سوال ہے وہ یہ کہ کیا آیات قرآن کے علاوہ بھی کیا دوسرے مطالب پیغمبر اکرمؐ پر وحی ہوتے تھے؟

خطیب: جی ہاں پیغمبر اکرمؐ قرآن کے علاوہ بہت سے احکام پر گفتگو کیا کرتے تھے جو کہ سب آپ کو وحی ہوا کرتے تھے وہ ہرگز کوئی بھی بات اپنی طرف سے نہیں کیا کرتے تھے بلکہ صرف وحی الٰہی کے تحت معارف و احکام اسلام کو بیان کرتے تھے جیسا کہ سورۃ نجم کی آیت ۲ و ۳ میں پڑھتے ہیں: "وما ینطق عن الهویٰ. ان هو الا وحی یوحی." یعنی پیغمبر اکرمؐ ہرگز اپنی ہوئی نفس کے تحت کوئی بات نہیں کرتا جو بھی کرتا ہے وہ وحی کے ذریعے سے ہے۔

(۹۲)

رویت خدا کے مسئلے پر ایک مکالمہ

ایک محفل جس میں بہت سے لوگ حاضر تھے ایک عالم دین اور طالب علم میں اس طرح مناظرہ شروع ہوا:

طالب علم: سورۃ اعراف کی آیت ۱۴۳ میں جیسا کہ پڑھتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ نے خدا سے عرض کی: "رب ارنی انظر الیك" یعنی اے پروردگار تو اپنے آپ کو مجھے دکھا تاکہ میں تجھے دیکھوں۔ لیکن خدا نے ان کو جواب دیا: "لن

ترانی" تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے ہو۔ اسی طرح اور بھی موارد ہیں جو قرآن میں رویت خدا کے بارے میں ذکر ہوئے ہیں۔ (مثلاً سورۃ بقرۃ کی آیت ۵۵ و ۵۶ اور سورہ نساء کی آیت ۱۵۳ اور سورۃ اعراف کی آیت ۱۵۵) لہذا میرا سوال آپ سے یہ ہے کہ جب خدا کے لئے نہ جسم ہے نہ مکاں نہ دکھائی دیتا ہے تو حضرت موسیٰؑ جیسے پیغمبر اولوالعزم نے ایسا سوال کیوں کیا؟ جیسا کہ ایسا سوال تو ایک عام شخص کے لئے بھی صحیح نہیں ہے۔

عالم دین: احتمال دیا جاسکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا دیکھنے کے سلسلے میں تقاضا کرنا چشم دل سے دیکھنا مراد ہو نہ کہ آنکھوں سے اور اس سوال کے ذریعے حضرت موسیٰؑ روحانی اور فکری اعتبار سے یقین کامل حاصل کرنا چاہتے ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے حقیقت معاد کے سلسلے میں سوال کیا تھا: "لیطمئن قلبی" کہہ کر یعنی تاکہ میرے قلب کو اطمینان و یقین کامل حاصل ہو جائے۔ (سورۃ بقرۃ آیت ۲۶۰) اور ویسے بھی یہ کلمہ "رویت" کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کسی کا یوں کہنا کہ میں اپنے میں فلاں کام کرنے کی صلاحیت و قدرت دیکھ رہا ہوں جبکہ صاحیت و قدرت دیکھنے والی چیزیں نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی حالت محسوس کرتا ہوں۔

طالب علم: اس طرح کی تفسیر تو آیت کے ظاہری معنی کے خلاف ہے کیونکہ آیت میں لفظ "ارنی" ہے یعنی خود کو مجھے دکھا۔ یعنی مشاہدہ چشم مراد ہے اور خدا بھی جو جواب دیتا ہے کہ "لن ترانی" یعنی تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا سوال رویت چشمی تھا اور اگر ان کی مراد

گواہی روحی و فکری تھی اور دیدار باطنی مراد تھا تو ہرگز خدا کا جواب نفی میں نہ ہوتا کیونکہ اس طرح کا دیدار باطنی تو خدا نے اپنے برگزیدہ افراد کو کرلیا ہے۔

عالم دین: فرض کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے اصلاً خدا کو دیکھنے کا سوال ہی نہیں کیا جیسا کہ ظاہر آیت سے بھی یہ سمجھ میں آتا ہے لیکن اگر اس واقعے کے تاریخی منظر کو ملاحظہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا یہ سوال ان کی قوم کے شدید اصرار کی وجہ سے تھا یعنی قوم آپ سے اس قدر مصر ہوئی کہ آپ نے مجبور ہو کر اس طرح کا سوال کردیا۔

مزید وضاحت: یہ کہ فرعونیوں کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات پانے کے بعد حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل میں اس طرح کے واقعے پیش آئے اس میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل ایک دفعہ جمع ہو کر حضرت موسیٰ کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم خدا کو دیکھنا چاہتے ہیں ورنہ ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ نتیجتاً حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل میں سے ستر (۷۰) افراد کو تیار کیا اور اپنی عبادت گاہ "طور" کے پہاڑ پر لے گئے اور ان کے سوال کو خدا کے سامنے عرض کیا۔ خدا نے حضرت موسیٰ کو وحی کی "لن ترانی" (سورۃ اعراف آیت ۱۴۳) اس جواب نے بنی اسرائیل کے سامنے تمام باتیں روشن کردیں۔ لہذا حضرت موسیٰ نے بزبان قوم اس قسم کا سوال کیا تھا کیونکہ وہ ان کے اصرار کے درمیان گرفتار ہو چکے تھے اسی لئے جب "زلزلہ" آیا تو وہ تمام ستر افراد جو حضرت موسیٰ کے ساتھ تھے ہلاک ہوگئے۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے عرض کی: "اتھلکنا بما فعل السفھاء منا." (سورۃ اعراف آیت ۱۵۵) یعنی کیا ہمیں ہمارے

ان سفیہ لوگوں کے سوال کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے۔

خاتمہ گفتگو: یہ کہ خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ سے کہا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے لیکن اس کوہ طور کو دیکھو اگر یہ اپنی جگہ پر باقی رہا تو تم مجھے بھی دیکھ سکو گے۔ لہذا جب پروردگار عالم نے کوہ طور پر اپنے نور کا ذرا سا جلوہ دیکھایا تو وہ پہاڑ چور چور ہو کر زمین پر ڈھیر نما ہو گیا۔ حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو کر زمین پر گرے، جب ہوش آیا تو کہنے لگے: "سبحانك تبت اليك وانا اول المؤمنين." یعنی بے شک تو منزہ ہے (اس سے کہ دیکھا جائے) میں تجھ سے توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا مؤمن ہوں۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۴۳) جلوۂ الٰہی کا پہاڑ پر رونما ہونا ایک شدید موج و زلزلہ کی مانند جس سے پہاڑ کے ذرے ذرے ہو گئے اور موسیٰؑ اور ان کے حواری مدہوش ہو کر رہ گئے۔ خدا اپنی اس قدرت نمائی کے ذریعے موسیٰؑ کے ہمراہیوں کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ تم خدا کے آثار میں سے اس ذرا سے اثر کو دیکھنے کی قدرت نہیں رکھتے تو کیونکر خدا کو دیکھنا چاہتے ہو تم ہرگز اس مادہ والی آنکھوں سے خدا کو نہیں دیکھ سکتے اس خدا کو جو مجرد مطلق ہے۔ یعنی وہ مادے وغیرہ سے نہیں ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا توبہ کرنا اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے لوگوں کے کہنے پر لوگوں کی نمائندگی میں رویت خدا کا سوال کیا تھا لہذا شبہ کو دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ موسیٰؑ اپنے ایمان کو آشکار کریں تاکہ ان کے حواری جان لیں کہ اس طرح کا بے ہودہ اور برخلاف ایمان سوال خود ان کی طرف سے نہیں تھا بلکہ وہ سوال خود ہمراہیوں کی نمائندگی کی وجہ سے تھا۔

طالب علم: آپ کی اس وضاحت کا شکر گزار ہوں بے شک میں قانع

ہو امید ہے کہ اسی طرح کی منطقی توضیحات سے ہمارے سارے شبہات دور ہو جائیں گے ایک اور شبہ ہے جو انشاء اللہ آئندہ درس میں سوال کروں گا۔

عالم دین: مزے کی بات تو یہ ہے کہ اہلسنت کے اکثر مفسرین آیۃ الکرسی (سورۃ بقرہ ۲۵۵) میں اسی مذکورہ مطلب کی مانند قصہ نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے خواب میں فرشتوں کو دیکھا ان سے سوال کیا کہ کیا ہمارا پروردگار سوتا ہے؟ (یابیداری میں یہ سوال کیا) خداوند عالم نے فرشتوں کو وحی کی کہ موسیٰ کو سونے نہیں دینا۔ فرشتو نے حضرت موسیٰ کو تین مرتبہ خواب سے بیدار کیا اور سونے نہیں دیا جب دیکھا کہ حضرت موسیٰ کو خستگی کا احساس ہو رہا ہے اور سونا چاہتے ہیں تو وحی الٰہی کے تحت پانی کی بھری دو شیشیاں موسیٰ کے ہاتھ میں دیں کہ ان کو پکڑو یہ کہہ کر وہ فرشتے چلے گئے ابھی چند لمحے نہیں گزرے تھے کہ حضرت موسیٰ کو نیند آگئی اور شیشیاں ان کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئیں۔ خداوند عالم نے موسیٰ کو وحی کی کہ میں زمین و آسمان کو اپنی قدرت سے روکے ہوئے ہوں: "فلو اخذنی نوم او نفاس لزالتا." (تفسیر روح البیان جلد اول ص ۴۰۰۔ تفسیر قرطبی جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۸۔ تفسیر فخر رازی جلد ۷ ص ۹) یعنی اگر مجھے نیند یا غنودگی آئے تو زمین و آسمان غرق ہو کر رہ جائیں گے۔

اب یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت نے فرشتوں سے اس طرح کا سوال کیونکر کیا جبکہ وہ پیغمبر تھے اور جانتے تھے کہ خدا کو جسم مادی کی مانند کبھی بھی نیند نہیں آتی۔ فخر رازی اس سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ اگر اس روایت مذکور کو صحیح مان لیں تو مجبوراً یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت موسیٰ کا یہ سوال ان کی

نادان قوم کی جانب سے تھا۔(تفسیر فخر رازی جلد ۷ ص۹)

واضح عبارت یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی جاہل قوم کے اصرار اور شدید دباؤ سے مجبور ہو کر یہ سوال کیا تھا تاکہ خدا روز روشن کی طرح اس قوم کی ہدایت کردے۔ اور حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں میں شیشیوں کا ٹوٹ جانا اگرچہ ایک سادہ سا واقعہ تھا اور ممکن ہے کہ قومِ موسیٰؑ میں ایسے افراد موجود تھے جو اس قسم کے سوالات کی تکرار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ بھی ان کی ہدایت کی خاطر خدا کے سامنے ایسے سوالات پیش کرتے تھے تاکہ عینی جوابات سے ان کی قوم اس گمراہی سے نجات پاجائے۔

(۹۳)

مسئلہ مہر پر بحث

طالب علم : ہم نے بارہا سنا ہے کہ اسلام تاکید سے عورتوں کے زیادہ مہر قرار دینے سے منع کرتا ہے۔ یہاں تک کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: "شوم المرئة غلاء مھرھا." یعنی نجس قدم ہے وہ عورت جس کا مہر زیادہ ہو۔(وسائل الشیعہ جلد ۱۵ ص۱۰) اور فرمایا: "افضل نساء امتی اصبحن وجھا واقلھن مھرا." یعنی میری امت میں بہترین عورتیں وہ ہیں جو خوش اخلاق ہوں اور ان کا مہر کم ہو۔ (وسائل الشیعہ جلد ۱۵ ص۱۰)۔ لیکن قرآن میں دو مقامات ایسے ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا قرآن نے زیادہ مہر قرار دینے کو اچھا قرار دیا ہے۔

عالم دین : قرآن میں ایسا کہاں ہے؟

طالب علم: پہلا سورۃ نساء کی آیت ۲۰ میں ہے کہ: "وان اردتم استبدال زوج وآتیتم احدیهن قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا." یعنی اگر تم چاہو کہ دوسری شادی کرو تو جو مال کثیر پہلی بیوی کو بطور مہر دے چکے ہو اسے واپس نہ لینا۔ کیونکہ لفظ "قنطار" مال کثیر کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہزاروں دینار کے ہیں۔ لہذا قرآن کی اس آیت میں لفظ "قنطار" استعمال ہونے کا مقصد یہ ہوا کہ عورت کا مہر زیادہ قرار دینا صحیح ہے۔ ورنہ قرآن کو اس سے منع کرنا چاہئے تھا۔ اسی بنا پر روایات میں آیا ہے کہ عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے اپنی خلافت کے زمانے میں جب دیکھا کہ لوگ مہر زیادہ رکھتے ہیں تو منبر پر جاکر لوگوں سے خطاب کیا اور اس پر اعتراض کیا کہ کیوں تم لوگ لڑکیوں کا مہر زیادہ رکھتے ہو اور دھمکی دی کہ آج کے بعد میں نہیں سنوں کہ کسی کی بیوی کا مہر چار سو درہم سے زیادہ ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اس پر حد جاری کروں گا اور چار سو درہم سے زائد مال واپس لے کر بیت المال میں شامل کردوں گا۔ منبر کے قریب بیٹھی ہوئی ایک عورت نے عمر (رضی اللہ عنہ) سے کہا: کیا تم ہمارے لئے چار سو درہم سے زیادہ مہر قرار دینے سے منع کرتے ہو؟ اور زائد تم ہم سے واپس لے لوگے؟ عمر نے کہا: ہاں۔ عورت نے کہا: کیا تم نے قرآن کی یہ آیت نہیں سنی: "وآتیتم احداهن قنطارا فلا تاخذو منه شیئا." یعنی جب عورت کو مہر میں زیادہ مال دیا گیا تو وہ اس سے واپس نہ لو بلکہ سارا اس کو دے دو۔ عورت کی اس بات کی تصدیق کرنے کے بعد حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے اپنے کہے پر توبہ کی اور کہنے لگے: "کل الناس افقه من عمر حتی المخرات فی الحجال." یعنی تمام لوگ حتی کہ

پس پردہ بیٹھی ہوئی عورتیں بھی عمر سے زیادہ قابل ہیں۔ (تفسیر الدر المنثور جلد ۲ ص ۱۳۳۔ تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۴۶۸۔ تفسیر قرطبی و تفسیر کشاف وغیرہ)

عالم دین: اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ اگر کوئی اپنی سابقہ بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرتا تو اپنی پہلی بیوی کو مہر دے چکا ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ اس پر زبردستی کرتا، ڈراتا، دھمکاتا تاکہ وہ خود مہر واپس کر کے طلاق طلب کرلے اس طرح وہ پہلی بیوی سے مہر لے کر دوسری بیوی کو دے دیتا تھا جو کہ عام طور پر پہلے دے دیا جاتا تھا۔ لہذا آیت مذکور نے اس کام کو شدت سے منع کیا ہے۔ اسی لئے قرآن فرماتا ہے کہ: "چاہے تم نے اسے مال کثیر ہی کیوں نہ دیا ہو اس میں سے اس سے جبراً کچھ نہیں لے سکتے۔" لہذا جو چیز اسلام کی نظر میں اچھی سمجھی جاتی ہے وہ یہ کہ مہر کو زیادہ قرار نہ دیا جائے۔ لیکن اگر یہ نیک کام ترک ہوگیا اور مہر زیادہ رکھ دیا گیا تو اب عورت کی اجازت کے بغیر اسے کم نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا مذکور آیت کا مہر کم رکھنے کے ساتھ کسی قسم کا تعارض نہیں ہے۔ عمر کے قصہ اور عورت کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ عورت نے صحیح کہا، کیونکہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے کہا تھا کہ اگر مہر چار سو درہم سے زیادہ قرار دیا گیا تو زائد مہر لے کر بیت المال میں شامل کردوں گا۔ عورت نے جا طور پر کہا کہ جب مہر زیادہ قرار دے دیا گیا ہو تو ہرگز کوئی حق نہیں رکھتا کہ عورت کی اجازت کے بغیر زائد مہر واپس لے کر بیت المال میں شامل کردیا جائے۔ لہذا عمر (رضی اللہ عنہ) نے بھی اس عورت کے اس جواب کو قبول کیا۔

نتیجہ یہ کہ اسلام میں استحباب تاکیدی ہے کہ مہر کم سے کم رکھا جائے

لیکن اگر اس مستحب فعل کو ترک کردیا جائے اور زیادہ مہر رکھ دیا جائے تو پھر عورت کی اجازت کے بغیر اسے کم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

طالب علم: آپ کے اس منطقی اور قانع جواب کا شکریہ اگر اجازت ہو تو دوسرا سوال کروں؟

عالم دین: بسم اللہ!۔

طالب علم: قرآن میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کی حالات زندگی میں ذکر ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ فرعونیوں کے ڈر سے مصر کے شہر (مدین) گئے اور حضرت شعیبؑ کے گھر میں پناہ لی اور حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا: "انی ارید ان انکحك احدی ابنتی هاتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج فان اتممت عشرا فمن عندك وما ارید ان اشق علیك مستجدنی ان شاء الله من الصبرین." (سورۃ قصص آیت ۲۷) یعنی میں اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک کو تمہارے نکاح میں دینا چاہتا ہوں ایک شرط کے ساتھ وہ شرط یہ ہے کہ میری لئے آٹھ سال کام کرو اگر دس سال کام کیا تو تمہاری طرف سے مہربانی و محبت ہوگی میں سنگین کام تمہاری دوش پر نہیں ڈالنا چاہتا انشاء اللہ تم مجھے افراد صالح میں سے پاؤگے۔ اور حضرت موسیٰؑ نے بھی ان کی شرط قبول کی اور یہ بات واضح ہے کہ آٹھ سال کام کرنا سنگین مہر ہے، جسے دو پیغمبروں نے تسلیم کیا ہے اور قرآن بھی ان کی تائید میں یہ قصہ نقل کر رہا ہے۔ قرآن کا اس بات کو رد نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خود قرآن زیادہ مہر چاہتا ہے۔

عالم دین: حضرت موسیٰؑ اور حضرت شعیبؑ کے واقعے میں یہ بات

جاننی چاہئے کہ حضرت موسیٰؑ کی، حضرت شعیبؑ کی لڑکی سے شادی کوئی معمولی شادی نہیں تھی بلکہ ایک مقدمہ تھا تاکہ حضرت موسیٰؑ حضرت شعیبؑ کے پاس جائیں اور ان سے کسب علم و کمال کریں اگرچہ یہ صحیح ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے کئی سال مہر ادا کرنے کے عنوان سے حضرت شعیبؑ کے پاس کام کیا لیکن حضرت شعیبؑ نے بھی حضرت موسیٰؑ اور ان کی زوجہ کے اخراجات زندگی برداشت کئے۔ لہذا اگر حضرت موسیٰؑ اور ان کی اہلیہ کے اخراجات زندگی حضرت موسیٰؑ کی اجرت سے کم کریں تو بہت کم مال بچے گا جو ہلکا مہر شمار ہوگا۔ لہذا اگرچہ ظاہرا ان کا مہر زیادہ معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل وہ مقدمہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی معنوی و مادی زندگی بسر کرنے کا جو حضرت شعیبؑ نے اپنی مرضی اور بیٹی کی رضایت سے قرار دیا تھا۔ اس سے بھی روشن عبارت کے ذریعے اس طرح سے کہا جائے کہ حضرت شعیبؑ نے اس طرح کے ظاہری سنگین مہر کے ذریعے چاہا کہ حضرت موسیٰؑ کو تنہائی اور دربدری کی زندگی سے نجات دیں اور ان کا ہدف حضرت موسیٰؑ پر سختی کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے لئے آسان اور آسائش والی زندگی چاہتے تھے۔ اسی لئے حضرت شعیبؑ نے فرمایا: "وما ارید ان اشق علیك." یعنی تم پر سختی یا زحمت ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا جیسا کہ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں ایک فرد صالح ہوں۔

طالب علم: آپ کے اس شیریں و مدلل بیان کا شکرگزار ہوں بیشک حضرت شعیبؑ نے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ ایسا کر کے بہت بڑی نیکی کی ہے۔

(۹۴)

کیا معاویہ پر لعن کرنا جائز ہے؟

مرحوم آیت اللہ العظمیٰ عبداللہ شیرازی نے فرمایا کہ بیس سنی افراد جو خراسان کے علاقے تربت جام سے حج پر آئے ہوئے تھے، مدینہ منورہ میں ہمارے ساتھ باغ صفا میں رکے ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھ ہی بعض اصفہانی حجاج نے مجلس امام حسینؑ کا انعقاد کرنا چاہا کیونکہ ایام عاشورا نزدیک تھے۔ چونکہ تربت جام والے برادران اہلسنت کے پاس کافی جگہ تھی۔ لہٰذا ہم نے ان سے بڑی جگہ پر مجلس رکھنے کی گزارش کی جو انہوں نے قبول کر لی اور ہماری مدد بھی کی۔

اتفاق سے ان کے پاس کچھ مدینہ کے سنی علماء ملنے آئے ہوئے تھے جن سے فضائل علیؑ پر میری گفتگو ہوئی وہ لوگ نہ صرف میری باتیں مان رہے تھے بلکہ خود بھی فضائل علیؑ میں احادیث پیغمبر اکرمؐ کا ذکر کر رہے تھے۔

مثلاً پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کے بارے میں فرمایا: "**لحمك لحمي و دمك دمي.**" یعنی تمہارا گوشت میرا گوشت ہے تمہارا خون میرا خون ہے اور وہ روایت کہ علیؑ کا دوست پیغمبر اکرمؐ کا دوست ہے اور دشمن علیؑ دشمن رسول اکرمؐ ہے۔ یہاں تک کہ بات لعن معاویہ تک پہنچی۔

وہ لوگ کہنے لگے: معاویہ پر لعن کرنا جائز نہیں، ہاں یزید پر لعن کرنا جائز ہے کیونکہ اس نے امام حسینؑ کو شہید کیا۔

میں نے کہا: خود آپ کے مذہب کے تحت معاویہ پر لعن کرنا جائز ہونا چاہئے۔ آپ کے ابھی کے فرمان کے مطابق جو آپ نے حضرت علیؑ کے

بارے میں نقل کیا کہ پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ کو دعا دیتے ہوئے فرمایا: "اللّٰهم عاد من عاداہ." یعنی خداوند! علیؑ کے دشمن کو دشمن قرار دے۔ (حدیث غدیر کے ذیل میں) اور یہ بات مسلم ہے کہ معاویہ علیؑ کا سخت دشمن تھا، اپنی آخری عمر تک علیؑ سے دشمنی کرتا رہا اور توبہ نہیں کی جب کہ اس کے لئے بغض علیؑ و دشمنی علیؑ ختم کرنا آسان تھی مگر نہیں کی۔

لہذا پیغمبر اکرمؐ نے جو دشمنان علیؑ کے لئے نفرین کی اس میں معاویہ بھی شامل ہے۔ لہذا اس پر لعن کرنا آسان ہونا چاہئے۔ (اقتباس از الاحتجاجات العشرہ احتجاج نمبر ۵)

مزید وضاحت یہ کہ خود سنیوں کے معتبر مدارک کے ذریعے یہ بات ثابت ہے کہ خود پیغمبر اکرمؐ نے ابوسفیان، معاویہ اور یزید پر لعنت کی۔ (تاریخ طبری جلد ۱۱ ص ۳۵۷ تذکرۃ الخواص ص ۲۰۹) حتیٰ کہ آپؐ نے اس حد تک فرمایا کہ معاویہ کو جب بھی منبر پر دیکھو قتل کردو۔ (تاریخ بغدادی جلد ۱۲ ص ۱۸۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن حدید جلد ۴ ص ۳۳) اور جیسا کہ خود معاویہ کے حمایتی لوگوں کا کہنا ہے کہ معاویہ اجتہاد کی رو سے امام علیؑ سے دشمنی کرتا تھا۔ تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے صریح کلام کے سامنے اجتہاد کرنا ہرگز جائز نہیں اور کیونکہ پیغمبر اکرمؐ معاویہ کے ناپاک ضمیر سے واقف تھے اسی لئے اس پر لعنت بھیجی۔

اہلسنت کے مدارک کے اعتبار سے پیغمبر اکرمؐ نے ایک دن معاویہ، عمر اور عاص کے لئے اس طرح نفرین کی کہ: "خدایا! معاویہ، عمر اور عاص کو آتش دوزخ میں ڈال دے۔" (کتاب الصفین ابن مزاحم ص ۲۱۹۔ مسند احمد بن حنبل،

جلد ۴ ص ۲۴۸) اس کے علاوہ کچھ صحابہ کرامؓ نے جو اہلسنت کے نزدیک بھی قابل قبول ہیں، معاویہ کے بارے میں بڑی سخت باتیں کی ہیں جس کی شرح آپ کتاب الغدیر کی جلد ۱۰ کے صفحہ ۱۳۹ سے صفحہ ۱۷۷ تک ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

شیخ حر عاملیؒ (متوفی ۱۱۰۴) رد غزالی پر اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ غزالی نے جو لکھا ہے کہ یزید و حجاج کو لعن کرنا جائز نہیں ہے، غزالی کی خاندان رسالت سے دشمنی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی جس کا انہوں نے خود اظہار کیا ہے۔ جبکہ روایات سنی و شیعہ سب میں نقل ہوا ہے کہ ایک دن ابوسفیان اونٹ پر سوار تھا اور معاویہ اس اونٹ کے مہار پکڑے کھینچتا جارہا تھا، یزید اونٹ کو پیچھے سے ہانک رہا تھا، پیغمبر اکرمؐ نے جب ان لوگوں کو دیکھا تو آپؐ نے فرمایا: "لعن اللّٰہ الراکب والقائد والسائق." یعنی خدا کی لعنت ہو اس سوار پر اور ان آگے پیچھے چلنے والوں پر۔

اس کے بعد شیخ فرماتے ہیں کہ کیا خداوند عالم سورۂ نساء کی آیت ۹۳ میں یہ ارشاد نہیں فرماتا کہ: "ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزائه جهنم خالدا فیها وغضب اللّٰه علیه ولعنه واعدله عذابا الیما." یعنی جو کسی مؤمن کو عمداً قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ رہے گا، اس پر خدا غضبناک ہوتا ہے اور لعنت کرتا ہے اور ایسے شخص کے لئے دردناک عذاب ہے۔" تو کیا غزالی معتقد ہے کہ امام حسینؑ مؤمن نہیں تھے؟ جو یزید پر لعنت کرنے کو جائز نہیں جانتا؟ وائے رے بے انصافی۔ (الاثنی عشریہ فی رد الصوفیہ تالیف شیخ حر عاملی ص ۱۶۴)

(۹۵)

امام حسینؑ پر گریہ و بکا

ایک واعظ منبر پر تشریف فرما مصائب امام حسینؑ پر گریہ کرنے کے ثواب کے بارے میں مختلف احادیث ذکر کر رہے تھے۔ منجملہ ان احادیث میں سے ایک یہ حدیث نبویؐ انہوں نے نقل کی کہ: "کل عین باکیة یوم القیامة الآعین بکت علی مصاب الحسین فانها ضاحکة مستبشره بنعیم الجنة." (بحار جلد ۴۴ ص ۲۹۳) یعنی ہر آنکھ روز قیامت گریہ کرے گی، سوائے اس آنکھ کے جو مصائب امام حسینؑ پر گریہ کرتی رہی ہے، وہ آنکھ روز قیامت بہشتی نعمتوں سے سرفراز خوش و خنداں ہوں گی۔ جب واعظ تقریر سے فارغ ہو کر نیچے آئے تو سننے والوں نے کہا کہ مصائب امام حسینؑ پر گریہ کرنے کا اتنا سارا ثواب کیوں؟ البتہ یہ حقیقت ہے کہ امام حسینؑ نے کربلا میں جانثاری سے دنیا میں بھی سربلندی اور کامیابی حاصل کی اور اپنے جوش مارتے خون سے یزیدیوں کو ذلیل و رسوا کیا اور آپؑ نے آخرت میں بھی بہترین مقام حاصل کیا۔ ابھی عالم برزخ کی بہشت میں خدا کی نعمتوں سے بہرہ مند ہیں اور سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۹ کی رو سے آپؑ زندہ ہیں۔ جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے: "ولاتحسبن الذین قتلو فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون." یعنی اے پیغمبرؐ! جو راہ خدا میں قتل کردیئے گئے ہیں ہرگز انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کے پروردگار کی طرف سے ان کو روزی دی جاتی ہے۔

واعظ: بہت سی روایات میں ایسی ہیں جن میں مصائب امام حسینؑ پر

گریہ کرنے کے سلسلے میں تاکید کی گئی ہے اسی طرح عزاداری کرنے کے سلسلے میں شیعہ و سنی روایات میں آیا ہے کہ جب روز قیامت ہوگا حضرت زہراؑ بارگاہ خداوندی میں عرض کریں گی: "اللھم اقبل شفاعتی فیمن بکی علی ولدی الحسین." یعنی خداوندا! میری شفاعت ان لوگوں کے لئے قبول فرما جو میرے بیٹے حسینؑ پر گریہ کرتے رہے اور اسی روایت کے ذیل میں آیا ہے کہ: "فیقبل اللہ شفاعتھا ویدخل الباکین علی الحسینؑ فی الجنۃ." یعنی خداوند عالم حضرت زہراؑ کی شفاعت کو قبول کرے گا اور حسینؑ پر گریہ کرنے والوں کو بہشت میں داخل کرے گا۔ متعدد روایات کے اعتبار سے انبیاءؑ ماسبق اور پیغمبر اسلامؐ و ائمہ علیہم السلام سب نے مصائب امام حسینؑ پر گریہ کیا ہے اور عزاداری کی ہے تو کیا ان سب اولیاء کرام کی اتباع کرتے ہوئے اگر ہم امام حسینؑ پر گریہ کرتے ہیں تو کیا اس میں کوئی اشکال ہے؟ نہ صرف کوئی اشکال نہیں بلکہ ایسی سنت کو زندہ رکھنا اچھا کام ہے اور پیغمبر اکرمؐ اور ائمہؑ کی اقتداء ہے اور عظیم ثواب کے مستحق ہوں گے۔

یہاں پر ہم مصائب امام حسینؑ پر گریہ کرنے کو ائمہؑ نے جو اتنی اہمیت دی ہے اس کے دو تاریخی نکتے بیان کرتے ہیں:

نکتہ اول: امام سجادؑ نے سنا کہ ایک شخص بازار میں آواز لگا رہا ہے کہ: "انا الغریب فارحمونی." یعنی میں غریب ہوں میری مدد کرو۔

امام سجادؑ اس کے پاس گئے اور فرمایا: اگر تیری تقدیر میں یہ ہو کہ اسی شہر (مدینہ) میں مر جائے تو کیا تیرے جنازے کو یوں ہی بدون غسل و کفن کے چھوڑ دیا جائے گا؟

وہ شخص کہنے لگا: اللہ اکبر! کیوں میرے جنازے کو دفن نہ کیا جائے جبکہ میں مسلمان ہوں اور امت مسلمہ کے درمیان ہوں۔

امام سجادؑ گریہ کرنے لگے اور فرمایا: "واسفاه عليك يا ابتاه تبقى ثلاثة ايام بلا دفن وانت ابن بنت رسول اللهؐ." "وامصیبتا! اے بابا آپ کا جنازہ تین دن تک بے گور و کفن خاک پر پڑا رہا جبکہ آپؑ فرزند فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ تھے۔(ماساۃ الحسینؑ تالیف الخطیب شیخ عبدالوہاب الکاشی ص ۱۵۲)

دوسرا نکتہ: تاریخ میں آیا ہے کہ منصور دوانیقی (دوسرا خلیفہ عباسی) نے جب مدینہ میں اپنے نائب کو پیغام بھیجا کہ امام صادقؑ کے گھر کو آگ لگادی جائے تو مدینہ کے سردار کو جیسے ہی یہ پیغام ملا اس نے حکم دیا کہ لکڑیاں لائی جائیں اور امام صادقؑ کے گھر کو آگ لگادی جائے۔ چنانچہ جب آگ لگادی گئی اور آگ کے شعلے امامؑ کے گھر کے دالان سے اٹھنے لگے اور امام صادقؑ کے گھر کی خواتین کے رونے کی آوازیں بلند ہوئیں تو امام صادقؑ نے اپنی پوری کوشش سے آگ کو بجھایا اس کے دوسرے دن جب آپؑ کے کچھ شیعہ آپ کی احوال پرسی کے لئے آئے تو دیکھا کہ آپ محزون ہیں اور گریہ فرمارہے ہیں۔ وہ لوگ کہنے لگے: آپؑ کیوں گریہ فرمارہے ہیں؟ آپؑ اس پر گریہ کررہے ہیں کہ دشمن نے آپ کے ساتھ اس طرح کی گستاخی کی ہے جبکہ یہ پہلی بار نہیں ہے کہ دشمن نے آپ کے یا آپ کے خاندان کے ساتھ ایسا کیا ہو؟ امام صادقؑ نے جواب میں فرمایا: میرا گریہ کرنا کل کے واقعے پر نہیں ہے بلکہ میں نے جب دیکھا کہ میرے گھر سے آگ کے شعلے بلند ہورہے ہیں اور سیدانیاں ایک کمرے سے دوسرے کمرے کی طرف جاتی

ہیں تاکہ آگ ان پر اثرانداز نہ ہو جبکہ میں بھی ان کے ساتھ گھر میں تھا تو "فتذکرت روعه عیال جدی الحسینؑ یوم عاشوراء لما هجم القوم علیهن ومنادیهم ینادی احرقوا بیوت الظالمین." یعنی اس وقت میں اپنے جد حسینؑ مظلوم کے گھرانے کی اس روز عاشورا کی وحشت کو یاد کر کے رو رہا ہوں جب دشمن نے خیام اہل حرم پر حملہ کیا تو دشمنوں کا ایک منادی ندا کر رہا تھا کہ ظالموں کے گھروں کو جلادو۔ (ماساۃ الحسینؑ ص ۱۳۵)

لہذا ان دونوں مذکورہ حکایات اور دسیوں دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ائمہؑ چاہتے تھے کہ ہر موقع سے استفادہ کرتے ہوئے یاد حسینؑ کی تجدید کریں اور لوگوں کے احساسات کو اس مسئلے کی رو سے زندہ کریں۔ لہذا ہم پیغمبر اکرمؐ اور ائمہؑ کی پیروی کرتے ہوئے مصائب امام حسینؑ کا ذکر کر کے گریہ کرتے ہیں اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کے بدلے ہمیں عظیم ثواب ملے گا بلکہ مصائب امام حسینؑ پر گریہ کرنا اور اظہار عقیدت کرنا کے سلسلے اتنا مقدس اور قیمتی ہے کہ امام زماں (عج) امام حسینؑ پر درود و سلام کے ضمن میں فرماتے ہیں: "السلام علی الجیوب المضرجات." (الوقایع والحوادث جلد ۳ ص ۳۰۷) یعنی میرا اسلام ہو ان سینوں پر جو سوگ امام حسینؑ میں چاک چاک ہوتے ہیں۔

سننے والے: آپ کے ان روشن بیانات کا شکریہ بے شک ہمیں اولیاء خدا اور ائمہؑ کی روش کو اپنا شعار زندگی بنانا چاہئے لیکن ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے تمام احکام یقیناً حکمت و مصلحت اور ہدف رکھتے ہیں۔ لہذا کیا ہی بہتر ہو کہ ہم انہیں معرفت کے ساتھ انجام دیں۔ صرف اندھی تقلید کے تحت انجام نہ

دیں۔ لہذا ہمارا سوال یہ ہے کہ مصائب امام حسینؑ پر گریہ کرنے کا فلسفہ اور ہدف کیا ہے؟

واعظ : مصائب امام حسینؑ پر گریہ کرنے کے فلسفے اور فوائد و آثار کے سلسلے میں چند امور قابل ذکر ہیں :

ا۔ تعظیم شعائر :

کسی مؤمن کا کسی دوسرے مؤمن کے مرنے پر گریہ کرنا ایک قسم کا اس کا احترام کرنا ہے اور اس بات کی نشاندہی کرنا ہے کہ معاشرے میں اس کی جگہ خالی ہو گئی ہے اب اس کا وجود نہیں رہا تاکہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔ گریہ کرنا اپنے باطنی احساسات کی نشاندہی ہے کہ مرنے والے مؤمن کا وجود تمام لوگوں کے لئے مایہء خیر و برکت تھا اور یہ ایک امر طبیعی ہے کہ انسان جتنا ہی بڑا ہو اس کے مرنے پر گریہ کرنا اور زیادہ ہوتا ہے اور اگر کوئی انسان مر جائے اور کوئی بھی اس پر گریہ نہ کرے تو یہ ایک قسم کی اس کے ساتھ بے احترامی ہے۔ کسی نے امام علیؑ سے پوچھا: اخلاق نیک کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: "ان تعاشرو الناس معاشرة ان عشتم حنو الیکم وان متم بکو علیکم." یعنی لوگوں کے درمیان اس طرح سے زندگی بسر کرو کہ وہ لوگ تمہاری طرف جذب ہوں تم سے محبت کریں اور اگر تم مر گئے تو تمہارے لئے گریہ کریں۔ اور ہر ملت و قوم کے درمیان یہ رسم ہے کہ اگر ان میں سے کسی بزرگ کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے مر جانے پر گریہ کرتے ہیں اور اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں اور اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں۔ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کی جانسوز شہادت جو دین کی حفاظت کیلئے ہوئی ایک بہت بڑا

حادثہ ہے اور ان پر گریہ کرنا ایک قسم کا احترام اور ان کے اس مقدس ہدف کو زندہ کرنا ہے اور اپنے احساسات باطنی کا اظہار ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے: "ومن یعظم شعائر اللّٰہ فانہا من تقوی القلوب." یعنی جو بھی شعائر الٰہی کی تعظیم و احترام کرتا ہے اس قسم کا کام ان کے دلوں کے تقویٰ کی نشانی ہے۔ (سورۂ حج آیت ۳۲)

۲۔ گریہ عاطفی:

یعنی ایک ہی دن میں امام حسینؑ اور ان کے وفادار ساتھیوں کی شہادت انسان کے دل کو جلا کر رکھ دیتی ہے اور ہر انسان کو ظالموں کے خلاف ابھارتی ہے۔ واقعہ کربلا اس حد تک دلوں میں بیٹھ چکا ہے کہ جو زمانہ کے ساتھ ساتھ پرانا نہیں ہو سکتا اور نہ جسے بھلایا جا سکتا ہے۔ (بطور مثال) مسیحیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت مسیحؑ کے دشمنوں نے ان کو سولی پر لٹکا کر قتل کر ڈالا ہے لیکن اگر آپ ملاحظہ کریں تو اس وقت پوری دنیا کے مسیحی موضوع صلیب کو یاد رکھے ہوئے ہیں اور غم واندوہ کا اظہار کرتے ہیں حتیٰ کہ یہ صلیب کی علامت ہر جگہ قبر تک پر لگاتے ہیں۔ اپنے لباس، اپنی پیشانیوں پر جبکہ اس حادثہ کو ہزاروں سال گزر گئے ہیں مگر مسیحیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ قتل کیے گئے ہیں۔ لہذا ان کی یاد کو زندہ رکھے ہوئے ہیں جبکہ واقعہ کربلا اور شہادت امام حسینؑ جو سید الشہداء ہیں عظیم ترین واقعہ ہے۔ لہذا عزاداری امام حسینؑ برپا کرنا اور امام حسینؑ پر گریہ کرنا عواطف باطنی کے زندہ ہونے کا سبب اور امامؑ کے عالی ترین اہداف تک پہنچنے کا اعلان ہے بقول ایک استاد کے کہ: ہمیشہ زبان عقل کی ترجمانی کرتی ہے مگر عشق کی ترجمانی آنکھیں ہیں، جب بھی کسی کے آنکھ سے کسی کے لئے اظہار

احساسات کرتے ہوئے آنسو نکل آئیں تو یہ اس کے عشق و محبت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مگر وہ زبان جو اپنے گردگردش کر کے منطقی جملے بناتی ہے وہ عقل حاضر ہے۔ لہذا جس طرح منطقی استدلال اس کے ان رہبران مکتب سے ہم بستگی کو بیان کرتے ہیں اسی طرح ایک قطرہ آنسو بھی اپنے رہبر کے مکتب کے دشمنوں سے جنگ عاطفی کا اعلان کرتا ہے۔ (انگیزۂ پیدائش مذہب ص ۱۵۰) لہذا ہمیں ہرگز عواطفی پہلو کو اپنے محبوب کے اعلیٰ اہداف تک پہنچنے اور دشمن کے خاتمہ کے لئے فراموش نہیں کرنا چاہئے جو ایک آنے والے انقلاب کا سرمایہ ہے۔

۳۔ گریہ تائید:

مصائب امام حسینؑ پر گریہ کرنا ایک قسم کا قیام امام حسینؑ کی تائید کرنا ہے اور ان کے اہداف عالی کی تصدیق کرنا ہے اور اپنے گہرے احساسات کو ہر دشمن اور ستمگر کے خلاف ابھارنا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اے حسینؑ آپ کے لئے ہمارے قلب و جان میں جگہ ہے۔

جیسا کہ فارسی شاعر کہتا ہے:

زندہ در قبر دل مابدن کشتہ تواست

جان مائی و تورا قبر حقیقت دل ماست

یہ ہے شیعوں کی زبان حال جو زمان و مکان میں تین پایوں پر استوار ہے:

۱۔ ہمارا قلب اس مبدء پر ایمان رکھتا ہے جس کی خاطر حسینؑ شہید ہوئے۔

۲۔ ہمارے کان حسینؑ کی سیرت و گفتار کو سن رہے ہیں۔

۳۔ ہماری آنکھیں آنسو بہا بہا کر حسینؑ کے خونی واقعہ کربلا کی تصدیق کرتی ہیں

ہیں لہذا جب گریہ ان تین بنا پر ہو تو یہ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس انسان کی فطرت سالم ہے نہ صرف یہ کہ اس میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں بلکہ مقاصد امام حسینؑ کے سلسلے میں بہت سے فوائد کا موجب ہوتا ہے۔

۴۔ رسوا کرنے والا اور پیغام پہنچانے والا گریہ :

جو انسان بھی شہادت امام حسینؑ میں سنتا ہے کہ آپؑ تین دن کے بھوکے پیاسے اپنے بیوی بچوں کے سامنے کربلا کے تپتے صحرا میں بے یار و مددگار مارے گئے، تو بے اختیار اس کا قلب منقلب ہو جاتا ہے اور یزید و یزیدیوں کی قساوت قلبی کو درک کرتا ہے۔ لہذا امام حسینؑ پر گریہ کرنا دشمن کے خلاف فریاد ہے جو ہر طاغوت زماں کے لئے ہے اور ایک قسم کا امر بہ معروف و نہی از منکر ہے اور دشمن کو سرکوب کرنے اور خدا کے نیک بندوں کے اہداف نیک کو پھیلانے کے لئے ہے یہ ایک قسم کا نہی عن المنکر ہے اور استقامت دین کے لئے عہدنامہ عملی ہے اور ہر ظالم و ظلم کے خاتمے کا اعلان عام ہے۔

خلاصہ : یہ کہ گریہ بھی کئی قسم کا ہے : (۱) خوف سے گریہ کرنا۔ (۲) شوق محبت میں گریہ کرنا۔ (۳) گریہ عاطفی۔ (۴) پیغام پہنچانے والا گریہ وغیرہ وغیرہ اگر گریہ کی یہ تمام اقسام ہوں تو یہ پسندیدہ گریہ ہے ہاں ایک قسم کا گریہ مذموم ہے جو انسان کی شکست کی دلیل ہے وہ گریہ ذلت ہے جو پست اور گرے ہوئے انسانوں کا گریہ ہے اور ہرگز اولیاء خدا یا بندگان مؤمن اس قسم کا گریہ نہیں کرتے۔ لہذا مجموعاً گریہ دو قسم کا ہے۔ (۱) مثبت۔ (۲) منفی اور جو مذموم ہے وہ گریہ منفی ہے جو نقصاندہ ہوتا ہے جبکہ گریہ مثبت کے فوائد ہوتے ہیں بلکہ بعض اوقات

تو یہ نہی عن المنکر کے درجہ اور ظالموں کے خلاف صف جہاد کا درجہ رکھتا ہے جو کہ بہترین ذریعہ ہے۔

سننے والے : آپ کے ان منطقی اور جامع جواب کے ہم بہت بہت شکرگزار ہیں۔

واعظ : اب یہاں پر میں اس بحث کو تکمیل کرتے ہوئے اس بات کا اضافہ کروں گا کہ اسلام کے بعض احکام سیاسی پہلو رکھتے ہیں۔ لہذا فلسفہ عزاداری میں حتی کہ رونے جیسی شکل تک بنانے میں حکمت مسائل سیاسی کو عزاداری و گریہ کے ذیل میں بیان کرنا ہے جیسا کہ پہلے مناظرہ نمبر ۸۱ میں گزرا کہ امام باقرؑ کی وصیت کے اعتبار سے عزاداری امام حسینؑ دس سال تک سرزمین منیٰ کے موسم حج میں بیان ہوئی ائمہؑ چاہتے تھے کہ عزاداری کے ضمن میں حق و باطل مشخص ہو جائے اور لوگ غفلت سے نکلیں اور بیدار ہو جائیں اسی لئے ائمہؑ ہر موقع سے استفادہ کرتے ہوئے واقعہ کربلا کو زندہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امام کاظمؑ فرماتے ہیں کہ ہمارے جدامجد حضرت امام سجادؑ کی انگوٹھی پر یہ جملہ لکھا ہوا تھا: "خزی وشقی قاتل الحسن ابن علی علیہ السلام۔" (منتہی الآمال جلد ۲ ص ۳) یعنی امام حسینؑ کا قاتل رسوا و بدبخت ہوگیا۔ لہذا امام سجادؑ کا اپنی انگوٹھی پر اس طرح کا جملہ نقش کرانا اس لئے تھا کہ آپؑ چاہتے تھے کہ واقعہ امام حسینؑ زندہ رہے جب لوگ آپ کے پاس آئیں اور ان کی نظریں اس لکھے ہوئے پر پڑیں تو بنو امیہ کے مظالم یاد آجائیں اور ان کے خلاف لوگوں کے ذہن بیدار ہوں۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ امام حسینؑ پر گریہ کرنا و عزاداری کرنا دو قسم کا

ہے: (۱) منفی گریہ و عزاداری یعنی محض دکھاوا جو مادی اغراض کی خاطر ہوں، قابل مذمت ہیں اور (۲) مثبت گریہ جس میں عزت و شجاعت و صلابت و بیداری کا پس منظر ہو اور اس قسم کا گریہ، کرنا اور عزاداری کرنا ثمر بخش ہے۔

(۹۶)
خاتمیت پیغمبر اسلامؐ پر مباحثہ

ضروریات دین و امور قطعی میں سے ایک مسئلہ خاتمیت پیغمبر اکرمؐ کا ہے کہ آپؐ کے بعد کوئی دوسرا پیغمبر نہ ہوگا اور آپ کی شریعت روز قیامت تک باقی رہے گی قرآن کی کئی آیات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں: مثلاً سورۃ احزاب کی آیت ۴۰، سورۃ فرقان کی آیت ۱، سورۃ فصلت کی آیت ۴۱ و ۴۲، سورۃ انعام کی آیت ۱۹، سورۃ سباء کی آیت ۲۸ وغیرہ اور پیغمبر اکرمؐ و ائمہ اطہارؑ سے اس مطلب پر بہت سی روایات ہیں لیکن اس کے باوجود پیغمبر اکرمؐ کے بعد ہر زمانے کے زر خرید افراد نے پیغمبر بنانے کی کوششیں کیں تاکہ خاتمیت پیغمبرؐ کو مٹادیں اور قادیانی مذہب کو جامع اسلامی میں رائج کریں۔ اب آپ اس مناظرے پر توجہ کریں جو ایک مسلمان اور ایک بہائی شخص کے درمیان ہوا۔

مسلمان: تم لوگ جو اپنی کتابوں میں اسلام و قرآن کو قبول کرتے ہو اور پھر یہ کہتے ہو کہ مذہب اسلام منسخ ہو گیا ہے اور اس کی جگہ دوسرا آئین آیا ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ قرآن میں بہت سی آیتیں ہیں جو اس بات پر گواہ ہیں کہ اسلام ایک جاودانی مذہب ہے جو تاقیامت قائم رہنے والا ہے اور مسئلہ خاتمیت

کو ذکر کرنے کے بعد تو قیامت تک ہر نئے پیدا ہونے والے دین کو باطل قرار دے دیا ہے۔

بہائی: مثلاً کونسی آیت قرآنی اس بات کو صراحتاً ذکر کررہی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ آخری پیغمبرؐ تھے؟

مسلمان: سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۴۰ میں ہم پڑھتے ہیں کہ:
"ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ و خاتم النبیین وکان اللّٰہ بکل شی علیما." یعنی محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں بلکہ خدا کے پیغمبر اور سلسلہ نبوت انبیاءؑ کے آخری نبیؐ ہیں، بے شک خدا ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ لہذا اس آیت میں "خاتم النبیین" کا جملہ اس بات کی روشن دلیل ہے۔ پیغمبر اسلامؐ آخری پیغمبر ہیں کیونکہ جملہ خاتم کو جس طرح بھی پڑھیں اس کے معنی اختتام ہی کے ہیں۔ لہذا یہ آیت صراحتاً پیغمبر اسلام کے آخری پیغمبر ہونے اور ان پر نبوت کے ختم ہونے اور ان کے بعد دوسرے پیغمبر نہ آنے اور دوسرا دین و شریعت نہ آنے پر دلالت کرتی ہے۔

بہائی: خاتم تو انگوٹھی کو بھی کہتے ہیں جو انگلی کی زینت ہوتی ہے۔ لہذا اس آیت مذکور میں ممکن ہے پیغمبر اکرمؐ کو زینت پیغمبران کے حوالے سے یاد کیا گیا ہو؟

مسلمان: لفظ خاتم کے حقیقی معنی وہی ختم ہونے کے ہیں اور اصلاً یہ چیز آج تک نہیں دیکھی گئی ہے کہ لفظ خاتم کو انسان کے لئے استعمال کیا گیا ہو اور اس سے زینت کے معنی کا ارادہ کیا جاتا ہو اور جب ہم لغت کی کتابوں میں دیکھتے

ہیں تب بھی خاتم کے معنی وہی ختم کرنے کے ملتے ہیں۔ لہذا ایک لفظ کو اس کے لغوی معنی کے علاوہ استعمال کرنے کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ یہاں اس قسم کا کوئی قرینہ نہیں ہے کہ خاتم کے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی کو اختیار کیا جائے۔ لہذا اب ذرا صاحبان لغت کے لفظ خاتم کے معنی کے بارے میں نظریات ملاحظہ کریں:

فیروز آبادی کتاب "قاموس اللغت" میں فرماتے ہیں کہ ختم کے معنی مہر لگانے کے ہیں جسکی مثال "ختم الشئی" سے دیتے ہیں یعنی کسی چیز کا ختم اور مکمل ہونا۔

جوہری اپنی "صحاح اللغت" میں فرماتے ہیں کہ ختم یعنی آخر تک پہنچ جانا: "خاتمہ الشئی" یعنی اس چیز کا آخر۔

ابو منظور لغت لسان العرب میں فرماتے ہیں: "ختام القوم" یعنی قوم کا آخری فرد اور "خاتم النبیین" یعنی آخری نبی اور راغب اپنی کتاب لغت مفردات میں "خاتم النبیین" یعنی پیغمبر اسلامؐ نے اپنے آنے سے نبوت کو اختتام تک پہنچایا۔

نتیجہ یہ کہ لفظ خاتم سے زینت کے معنی لینا خلاف لغت ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے جبکہ یہاں اس پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے۔

بہائی: لفظ خاتم کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں۔ لہذا "خاتم النبیین" سے مقصد یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ گزشتہ انبیاءؑ کی تصدیق کرنے والے تھے۔

مسلمان: پہلے والے سوال کے جواب میں ہی واضح ہو گیا کہ لفظ خاتم کے اصلی معنی وہی آخری کام کے ہیں اور یہ بات تو کہیں نہیں سنی گئی ہے کہ لفظ خاتم سے تصدیق کے معنی سمجھے جاتے ہوں مگر یہ کہ اس پر کوئی دلیل یا قرینہ ہو

جو ہم کسی لفظ کے اصلی معنی سے مجازی معنی کی طرف جائیں اور یہاں پر کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں۔

بہائی: آیت میں پیغمبر اسلامؐ کے لئے "خاتم النبیین" استعمال ہوا ہے۔ "خاتم المرسلین" استعمال نہیں ہوا ہے کہ پیغمبر کے بعد رسول کے آنے کا سلسلہ بند ہوگیا ہو۔

مسلمان: اگرچہ قرآن میں لفظ "رسول" اور لفظ "نبی" میں فرق ہے۔ مثلاً خداوندعالم نے قرآن میں حضرت اسماعیلؑ کو رسول بھی کہا ہے اور نبی بھی۔ (سورۃ مریم آیت ۵۴) اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو رسول و نبی دونوں ناموں سے پکارا ہے۔ (سورۃ مریم آیت ۵۱) لیکن یہ مطلب ہرگز جملہ خاتم النبیین میں شبہ ایجاد نہیں کرسکتا کیونکہ "نبی" یعنی جس کو خدا کی جانب سے وحی ہوتی ہو چاہے وہ لوگوں تک پہنچانے پر مامور ہو یا نہ ہو مگر "رسول" وہ ہے جس کے پاس آسمانی کتاب اور شریعت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر رسول نبی ہے مگر ہر نبی رسول نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اگر کہا جائے کہ پیغمبر اسلامؐ خاتم الانبیاءؐ ہیں یعنی ان کے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہوگا یا اس فرض کی بنا پر کہ ہر رسول پیغمبر ہے تو بھی نتیجہ یہی نکلے گا کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد کوئی رسول نہیں ہوگا۔ بعنوان مثال نبی و رسول مثلاً ایک عام انسان اور ایک پڑھے لکھے انسان کی مانند ہیں اصطلاح منطق کے اعتبار سے ان میں عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے جب بھی میں نے کہا کہ آج انسان میرے گھر نہیں آیا یعنی پڑھا لکھا انسان بھی نہیں آیا اسی طرح ہم اس مورد بحث مسئلے میں جب کہا جاتا ہے کہ رسول خداؐ کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا یعنی رسول بھی نہیں آئے گا۔

بہائی: نبی و رسول کے درمیان تباین کی نسبت ہے جہاں نبی ہوگا رسول نہیں ہوگا جہاں رسول ہوگا وہاں نبی نہیں ہوگا۔ لہذا میرا اشکال اپنی جگہ پر باقی ہے۔

مسلمان: رسول و نبی کے درمیان اس طرح کا فرق کرنا آیات و روایات و اقوال بزرگان کے برخلاف ہے اور سراسر مغالطہ ہے کیونکہ اپنی مورد بحث آیت ہی میں پڑھتے ہیں کہ: "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین." یعنی محمدؐ رسول خدا بھی ہیں اور آخری نبی بھی۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ: "وکان رسولا نبیا."(سورۃ نساء آیت ۱۷۱) یعنی موسیٰؑ رسول بھی تھے اور نبی بھی اور پھر اسی سورے کی اسی آیت میں حضرت عیسیٰؑ کو رسول کے نام سے پکارا ہے۔ اور پھر سورۃ مریم کی آیت ۳۰ میں نبی کے نام سے۔ اگر بقول آپ کے ان دونوں میں تباین ہوتا تو پیغمبر اکرمؐ اور حضرت موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو ان متضاد صفتوں سے خطاب نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ بہت سی روایات کے ذریعے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کو "خاتم النبیین" "ولیس بعدی رسول" "وخاتم رسلہ" وغیرہ کے ذریعے تعبیر کیا گیا ہے۔

بہائی: جملہ "خاتم النبیین" ممکن ہے اختتام پیغمبری کے لئے استعمال کیا جائے مگر تمام پیغمبروں کو شامل نہیں کرتا۔

مسلمان: آپ کا یہ اعتراض تو پہلے والے اعتراضوں سے زیادہ ہنسا دینے والا ہے کیونکہ جو ذرا سی بھی ادبیات عرب سے آشنائی رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ جب بھی کسی کلمہ پر "الف" اور "ل" جمع ہوں تو وہ کلمہ عمومیت پر دلالت کرتا

ہے مگر یہ کہ "الف" اور "ل" عہد پر کوئی دلیل ہو اور کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں لہذا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تمام پیغمبر مراد ہیں۔

(۹۷)

قاتلان امام حسینؑ کے بارے میں مکالمہ

وہابی: یہ جو شیعہ امام حسینؑ کیلئے عزاداری و ماتم کرتے ہیں اور اتنی محبت و احساسات کا اظہار کرتے ہیں یہ اپنے اجداد کے گزشتہ کیے ہوئے مظالم کا ازالہ کرتے ہیں کیونکہ ان کے اجداد نے امام حسینؑ کو شہید کیا اور پھر توبہ کرلی۔ لہذا اب یہ لوگ "توابین" کے عنوان سے اپنے گزشتہ گناہوں کا جبران کرتے ہیں۔

شیعہ: اس طرح کی تہمت اور نسبت تم کس دلیل کی بنا پر دے رہے ہو؟

وہابی: جو لوگ کربلا میں امام حسینؑ سے جنگ کرنے آئے تھے وہ شام، حجاز اور بصرہ کے نہیں تھے بلکہ سب اہل کوفہ تھے اور اس وقت کوفہ میں اکثر شیعہ تھے۔ لہذا انہوں نے کربلا آکر امام حسینؑ کو شہید کرڈالا۔

شیعہ: اولاً اگر بالفرض محال کچھ شیعہ ڈر و خوف یا فریب میں آکر کربلا میں امام حسینؑ کے خلاف جنگ میں شریک ہو بھی گئے ہوں تو یہ اس بات پر دلیل نہیں ہے کہ مذہب شیعہ اور اس کے تمام پیروکار منحرف ہوگئے ہوں اور یزید کی راہ پر چلے ہوں اگرچہ ممکن ہے کہ کسی قوم و ملت میں سے کچھ لوگ منحرف ہو جائیں مگر ان کا یہ عمل اس پورے مذہب پر دلیل نہیں قرار پاسکتا۔ ثانیاً اس قسم کی نسبت ہی دینا بے بنیاد ہے۔

وہابی : کیوں اور اس پر کیا دلیل ہے؟

شیعہ : وہ سپاہی جو کوفہ سے کربلا امام حسینؑ سے جنگ کے لئے آئے تھے وہ ہرگز شیعہ نہیں تھے بلکہ خوارج اور اموی اور منافقین تھے جو امام علیؑ اور امام حسنؑ سے شکست کھا چکے تھے اور ان کے سردار بھی وہی لوگ تھے جن کو امام علیؑ نے اپنے دور حکومت میں ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے انہیں معزول کردیا تھا اور ابن زیاد بھی ایسے لوگوں سے استفادہ کررہا تھا اور بہت سے تو ان میں گروہ "مرتزقہ" والے تھے یعنی جو غیر عرب تھے اور مزدوری پر ان کو لایا گیا تھا کہ حکومت بنی امیہ پر خروج کرنے والوں کے ساتھ جنگ کریں۔ لہذا ان میں سے کوئی بھی شیعہ نہیں تھا۔ اسی لئے امام حسینؑ نے انہیں "ویلکم یا شیعة آل ابی سفیان" کہہ کر بدعادی تھی۔ (لہوف سید ابن طاؤس ص ۱۲)

مزید وضاحت یہ کہ اگرچہ امام علیؑ کے زمانے میں کوفہ میں شیعوں کی اکثریت تھی مگر امام علیؑ کی خلافت کے بعد معاویہ کے ظلم و ستم سے شیعہ منتشر ہوگئے تھے اکثر کو شہید کردیا گیا یا شہر بدر کردیا گیا تھا۔ معاویہ کے معین کردہ عراق کے ولی زیاد بن ابیہ کے زمانے میں شیعہ کثرت سے شہید کئے گئے یا زندانوں میں ڈالے گئے یا کوفے سے نکال باہر کئے گئے۔ معاویہ کے زمانے میں اگر کوئی کافر یا مشرک ہوتا تو اس کو امن و امان ملتی مگر شیعان علیؑ کے خون بہائے جاتے، ان کے گھروں کو ویران کردیا جاتا تھا۔ زیاد بن ابیہ جو سمیہ روسی کا بیٹا تھا جب یہ معاویہ کی طرف سے کوفہ کے دارالامارہ کا داروغہ بنا تو معاویہ نے اس کو خط لکھا کہ : "سب سے پہلے تم محبان علیؑ کو قتل کرو اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کردو۔" زیاد نے

لوگوں کو مسجد کوفہ میں جمع کیا اور حضرت علیؑ پر لعن کرنے کو کہا۔ جو بھی اس سے انکار کرتا اس کی گردن اڑادی جاتی تھی۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ۶۹۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۳ ص ۱۹۹۔ الغدیر جلد ۱۱ ص ۳۲ و ۳۹)

منقول ہے کہ زیاد بن ابیہ "سعد بن سرح" نامی محب علیؑ کو تلاش کر رہا تھا تاکہ ان کو قتل کرے تو امام حسینؑ نے زیاد کو خط لکھا کہ "سعد بن سرح" ایک بے گناہ مسلمان ہے تم کیوں اس کے قتل کے درپے ہو؟ زیاد نے امام حسینؑ کو جواب میں لکھا کہ میں اس کو آپ کے والد کی دوستی کی بنا پر قتل کرنا چاہتا ہوں۔ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۴ ص ۷۰)

زیاد بن ابیہ کے مظالم میں سے ایک بڑا ظلم یہ تھا کہ اس نے "سمرہ بن جندب" جیسے ظالم شخص کو کوفہ و بصرہ میں اپنا جانشین بنایا اور پھر زیاد بن ابیہ کے مرنے کے بعد معاویہ نے بھی "سمرہ" کو کوفہ کے داروغے کے طور پر باقی رکھا۔ "سمرہ" نے ایک ہی دفعہ میں ۸۰ ہزار شیعان علیؑ کا قتل عام کیا۔ (تاریخ طبری جلد ص ۱۳۲۔ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۸۳)

ابو سوار عدوی کہتے ہیں کہ "سمرہ" نے ایک دن صبح میری قوم کے ۴۷ افراد کو جو حافظ قرآن تھے بے رحمانہ طور پر قتل کیا۔ (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۳۲۔ کامل ابن اثیر جلع ۳ ص ۱۸۳) جن میں حجر بن عدی اور ان کے ساتھی، مالک اشتر، محمد بن ابی بکر اور عمرو بن حمق جیسے بزرگان شامل تھے، جو معاویہ کے زر خرید مزدوروں کے ذریعے درجہ شہادت کو پہنچے معاویہ کی وحشیانہ حکومت اس طرح کی تھی کہ "عمرو بن حمق" کے سر کے لئے حکم دیا گیا کہ ان کے سر کو اس

کی زوجہ کے پاس لے جایا جائے جو خود اس وقت زندان معاویہ میں تھی۔ معاویہ کے دور حکومت میں حالات ایسے ہوگئے کہ کوئی اپنے نزدیک‌ترین رشتہ دار پر بھی اعتماد نہیں کرتا تھا اس احتمال کی بنا پر کہ کہیں یہ معاویہ کا جاسوس نہ ہو۔

علامہ امینیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ زیاد بن ابیہ خود کوفے کا تھا اور امام علیؑ کی خلافت کے وقت سے شیعیان علیؑ کو پہچانتا تھا بلکہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کہاں اور کتنے ہیں۔ اسی لئے وہ گوشہ کنار سے بھی محبان علیؑ کو نکال لاتا، ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیتا، ان کی آنکھیں نکال دیتا اور پھر انہیں پھانسی دے دیتا یا قید میں ڈال دیتا، حتیٰ کہ اس نے کوفے میں کسی ایک شیعہ کو بھی باقی نہیں چھوڑا۔ (الغدیر جلد ۱۱ ص ۲۸)

خلاصہ گفتگو یہ کہ امام حسینؑ کی امامت کے دور تک کوئی شیعہ کوفے میں باقی نہیں رہا سوائے ایک چھوٹے سے گروہ کے جن کی تعداد چار ہزار یا پانچ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ ابن زیاد جب کوفے کا داروغہ بنا تو اس نے سب سے پہلے انہیں لوگوں کو پکڑوا کر امام حسینؑ کے عراق کے لئے نکلنے سے پہلے قید کر دیا تھا۔ اس دور میں پورے کوفے میں صرف اتنے ہی شیعہ تھے جنھوں نے ابن زیاد کے بصرہ سے چلے جانے کے بعد اور مرگ یزید کے بعد قیدخانوں کے دروازے توڑے اور اس طرح خود کو قید و بند سے آزاد کرلیا اور امام حسینؑ کے خون کا بدلہ لینے کے عنوان سے قیام کیا اس وقت تک امام حسینؑ کی شہادت کو چار سال گزر چکے تھے اور ابھی قیام مختار شروع نہیں ہوا تھا یہ لوگ "سلیمان بن صرد خزاعی" جو خود ۹۳ سال کے تھے ان کی سربراہی میں شامیوں سے جنگ کرنے

گئے جس کے نتیجے میں خود سلیمان اور بہت سے ان کے ساتھی اس جنگ میں شامیوں سے جنگ کرتے ہوئے درجہ شہادت کو پہنچے۔

علامہ مامقانی لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کے عراق پہنچنے سے پہلے ابن زیاد نے ۴۵۰۰ شیعوں کو قید میں ڈال دیا تھا جن میں سلیمان بن صرد خزاعی جیسے افراد بھی تھے جو تقریباً چار سال زندان زیاد میں رہے۔ لہذا جو معروف ہے یا ابن اثیر سے منقول ہے کہ یہ لوگ اس وقت اپنی جان ومال کے خوف سے امام حسینؑ کی مدد کو نہیں جاسکے تاہم امام حسینؑ کی شہادت کے بعد پشیمان ہوئے اور پھر سلمان کی رہبری میں "توابین" یعنی توبہ کرنے والا گروہ تشکیل پایا تاکہ گزشتہ کا جبران کیا جائے اور خون حسینؑ کا بدلہ لیا جائے۔ (تنقیح المقال جلد ۲ ص ۶۳) لہذا قاتلین امام حسینؑ میں کوئی شیعہ نہ تھا بلکہ سب خوارج و مرتدین و منافقین اور امام علیؑ کی دور حکومت میں اپنے عہدوں سے معزول لوگ تھے یا امام حسینؑ کی حکومت سے فرار ہوئے تھے یا وہ غیر عرب لوگ تھے جو کرائے کے قاتل تھے۔

(۹۸)

آیت ہلاکت پر ایک مکالمہ

قرآن کے سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۵ جو آیت ہلاکت کے نام سے معروف ہے وہ یہ ہے: **"وانفقو فی سبیل اللہ ولا تلقو بایدیکم الی التھلکة واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین."** یعنی راہ خدا میں انفاق کرو اپنے ہی ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں مت ڈالو، لوگوں کے ساتھ احسان کرو، بے شک خدا احسان کرنے

والوں کو پسند کرتا ہے۔

اب ذرا مناظرہ کو ملاحظہ کریں جو ایک استاد اور شاگرد کے درمیان ہوا:

شاگرد: جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے کہ اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ لہذا اس آیت کے مطابق ایسے قیام اور ایسے نہی عن المنکر جن میں جان کا نقصان ہو ان کے لئے اقدام نہ کیا جائے کیونکہ جانی نقصان خود ایک قسم کی ہلاکت ہے۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ خود سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالے اور اس جگہ قیام امام حسینؑ، ان کا جنگ کرنا اور شہید ہو جانا اور ان کے اصحاب و انصار کا قیام کس طرح اس آیت سے سازگار ہے؟

استاد: یہ آیت جیسا کہ اس کے آغاز سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ خدا میں انفاق گویا مالی جہاد ہے اور انفاق نہ کرنا یا تفریط کرنا گویا خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے برابر ہے۔ لہذا حکم ہے کہ انفاق میں افراط و تفریط نہ کرو۔ لہذا اسی بنا پر تفسیر درمنثور میں اس آیت ہلاکت کے ذیل میں اسلم ابن ابی عمران سے نقل ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم قسطنطنیہ (جو استنبول کے نام سے ترکی میں واقع ہے) میں تھے "عقبہ بن عامر" جو کہ مصر کا تھا اور "فضالۃ بن عبید" جو شام کا رہنے والا تھا ان کی سربراہی میں ایک بڑا لشکر مسلمانوں سے جنگ کرنے آیا ہم نے بھی فوراً اپنی صفوں کو منظم کیا اسی اثناء میں مسلمانوں میں سے ایک شخص نے لشکر روم پر حملہ کر دیا تو دوسرے مسلمان چلا اٹھے کہ یہ شخص خود کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ ابوایوب انصاری رسول خداؐ کے معروف صحابی اٹھے اور کہنے لگے: اے لوگوں! تم نے اس آیت: "ولا تلقو بایدیکم الی التهلكة." کے نامناسب معنی کئے ہیں، یہ آیت ہم

گروہ انصار کے لئے نازل ہوئی ہے جب دین خدا کامیاب ہوا اور دین کے حامی لوگ بہت ہو گئے تو ہم میں سے بعض پیغمبر اکرمؐ کے سامنے بعض دیگر سے کہتے تھے کہ خدا نے اسلام کو کامیابی عطا کی مگر ہمارا مال و اسباب ضائع ہو گیا اگر اپنے مال کی حفاظت کرتے تو ہرگز ضائع نہ ہوتا۔ اس وقت خداوند عالم نے ہماری ان گفتار کی رد میں اس آیت کو نازل کیا۔ لہذا ہلاکت سے مراد مال کی حفاظت کرنا اور راہِ جہاد میں مال کا انفاق نہ کرنا مراد ہے۔ (تفسیر المیزان جلد ۲ ص ۶۴)

شاگرد: کیا حرج ہے کہ اگر اصل آیت کو انفاق کے مورد میں فرض کریں اور جملہ "ولا تلقو بایدیکم الی التہلکۃ" کو اسلام میں ایک قاعدہ کلی کے عنوان سے لیں کہ تمام موارد میں اس قائدے کی رعایت کی جائے؟

شاگرد: اگرچہ کوئی حرج نہیں ہے مگر اس قاعدے کو ضروری ہے کہ اس طرح سے تحریر کیا جائے کہ: "جن موارد میں ہلاکت شمار ہو خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔" یعنی بے جا موارد میں جن میں خود کو ڈالنے سے کوئی اہم فائدہ حاصل نہ ہو رہا ہو، لیکن جب بھی قانون "اہم و مہم" کا ان موارد میں لحاظ کیا جائے جہاں فوائد کو حاصل کرنے کے لئے خطرناک کام کئے جاتے ہیں۔ لہذا فوائد مہم کو حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا نہ صرف اشکال نہیں رکھتا بلکہ بعض موارد میں تو ضروری و واجب ہو جاتا ہے اور اصولاً اسلام کے بہت سے احکام میں مثلاً جہاد و نہی عن المنکر اور دفاعی موارد میں خطرناک کاموں میں ہاتھ ڈالنا اس لحاظ سے کہ اس طرح کے خطرناک کام بہت سی بڑی سعادتوں کے لئے وسیلہ بنتے ہیں اقدام کرنا مناسب ہے۔

اس سے روشن تر عبارت یہ ہے کہ ہلاکت وہاں خطرہ ہے جہاں یہ ہلاکت بدبختی کا موجب ہو لیکن جہاد جیسے کام کے لئے اقدام کرنا جو ایک معاشرے کے لئے سعادت کا موجب ہے خود ایک سعادت ہے نہ کہ بدبختی۔ یہی مقدس مقصد قیام امام حسینؑ اور ان کے اصحاب میں ہے اسی لئے انہوں نے اپنے آپ کو خطرے میں ڈالا کیونکہ وہ لوگ اس کے بہت سے درخشاں نتائج دیکھ رہے تھے جو قیامت تک باقی رہنے والے تھے۔ لہذا اس قسم کا اقدام کرنا سعادت ہے نہ کہ بدبختی۔ لہذا یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا نہیں کہلائے گا۔

مثلاً اگر کوئی ایسے خطرناک کام میں ہاتھ ڈالے جس کے خاطر کچھ لوگ بھی قتل کیے جائیں ہزاروں دینار کا مالی خسارہ بھی ہو مگر اس کام سے ہزاروں لوگ انحرافی زندگی اور تدریجی موت سے آزاد ہو رہے ہوں اور دسیوں ہزار دینار کا دوسری طرف فائدہ بھی ہو رہا ہو تو کیا اس طرح کا اقدام کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے؟ اگر ایک کشاورز جو قیمتی چاول خرید کر جو زمین میں ڈالتا ہے اور ہل وغیرہ چلاتا ہے تاکہ اس کے کئی گناہ زیادہ کمائے تو کیا اس پر اعتراض کر سکتے ہیں کہ کیوں تم اتنے قیمتی چاول اس بیابان میں ڈال رہے ہو؟ اسی لئے قرآن فرماتا ہے:

"ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض." (سورۃ بقرہ آیت ۲۵۱)

یعنی اگر خدا لوگوں میں سے بعض کو بعض دیگر سے ہدایت نہ کرتا تو زمین میں فساد برپا ہو جاتا۔

شاگرد: آپ کی ان تسلی بخش توضیحات کا بہت بہت شکریہ۔

(۹۹)

ایران میں شیعیت کا فروغ

اشارہ : اگرچہ کہ خلافت دوم ہی کے زمانے میں ایران میں اسلام آچکا تھالیکن پھر بھی کیوں ایران میں شیعوں ہی کی اکثریت ہے؟ ایران میں تشیع کی تاریخ اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ایرانی قرن اول سے قرن ہفتم تک تدریجاً شیعہ ہو رہے تھے اور ہر دفعہ یہ منظر لوگوں کے لئے چشم گیر ہوتا جاتا تھا۔ اب ذرا ان دو دانشمندوں کے مناظرے کو ملاحظہ فرمائیں جو تشیع ایران کے راز پر ہوا:

دانشمند آتش پرست : میری نظر میں ایرانیوں کے کثرت سے شیعت کی طرف جانے کے مہم ترین عوامل چار چیزیں تھیں: (۱) ایرانی سابقہ عادت کے تحت سلطنتی و ارثی حکومت اور ارثا امامت کو قبول کرتے تھے۔ (۲) ایرانی زمانہ قدیم سے سلطنت کو حق آسمانی اور عطائے الٰہی جانتے تھے جیسا کہ اس قسم کا عقیدہ شیعت سے ہم آہنگ ہے۔ (۳) امام حسینؑ کا بی بی شہربانو سے ازدواج کرنا جو اس وقت کے شاہ ایران کی بیٹی تھیں ایرانیوں کے شیعہ بننے کا سبب ہوئی۔ (۴) ایرانیوں کی اعراب کے مدمقابل تنہا ایک مذہب تشیع تھا تاکہ اس کے سائے میں آتش پرستی کو باقی رکھا جاسکے۔ لہذا مذہب تشیع ایرانیوں کی ایجاد کردہ فکر ہے۔

دانشمند مسلمان : ان چاروں چیزوں میں سے کوئی ایک چیز بھی ایرانیوں کے شیعہ ہونے کی علت و راز نہیں ہے کیونکہ شیعت زمانہ پیغمبر اسلامؐ سے وجود میں آئی اور پیغمبر اسلامؐ کی رحلت کے بعد بنی ہاشم اور دیگر افراد مثلاً

سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ جیسے لوگوں کے تحت تھی نہ کہ ایرانیوں کے لئے مخصوص تھی اور شاہ ساسانی کے لوگوں کے ساتھ برے برتاؤ اور ظلم و ستم اس بات پر گواہ ہیں کہ ایرانی سلطنت ارثی سے بیزار ہو چکے تھے اور ایک عادل حکومت کے طالب تھے تاکہ انہیں ظالموں کے ظلم سے نجات دلائے اور امام حسینؑ کا بی بی شہربانو سے ازدواج کرنا خود ایرانیوں کے شیعہ ہونے میں کافی اثر انداز تھا مگر یہ سب عامل اصلی اور راز حقیقی نہیں تھے۔

دانشمند آتش پرست : اگر مذکورہ چار عوامل ایرانیوں کے شیعہ ہونے کے نہیں ہیں تو پھر کونسے عوامل ہیں جو ایرانیوں کے شیعہ ہونے میں اثر عمیق رکھتے ہیں؟

دانشمند مسلمان : یہ کافی لمبی داستان ہے مگر ان کو گیارہ مراحل میں خلاصہ کر کے ذکر کیا جاسکتا ہے جو ایرانیوں کے شیعہ ہونے میں ریشہ اصلی ہیں :

مرحلہ اول :

قرن اول سے ایرانیوں کا اسلام قبول کرنا کیونکہ یہ لوگ شاہ ساسانی کے ظلم و ستم سے تنگ آچکے تھے اور ایک آزادی بخش اور عادلانہ حکومت چاہتے تھے جس میں حضرت سلمان کا بنیادی کردار تھا جنہوں نے مدائن کو جو شاہ ساسانی ایران کا پایہ تخت تھا اسلام کی نشر و اشاعت اور شیعوں کا مرکز قرار دیا تھا۔ حضرت سلمان نے اسلام کا تعارف کرانے کے لئے امام علیؑ کی شخصیت کو چنا تاکہ محمد صلی اللہ وآلہ وسلم کو فراموش نہ کیا جاسکے ایرانیوں نے اسلام کو پہچاننے کے لئے حضرت سلمانؓ کو چنا تاکہ حضرت علیؑ و پیغمبر اکرمؐ کو فراموش نہ کر سکیں۔

مرحلہ دوم:

امامت امام علیؑ جب کوفے میں تھی تو ایرانیوں کی وہاں آمد و رفت زیادہ تھی۔ لہٰذا امام علیؑ کی عدالت و محبت اور قبیلہ پرستی کا مقابلہ دوسرا اہم عامل تھا جو ایرانیوں کے شیعہ علوی جو کہ خالص اسلام محمدیؐ تھا، سبب بنا۔

مرحلہ سوم:

نہضت امام حسینؑ اور آپ کے خطابات اور ایرانیوں کے بنی امیہ کی فاسد حکومت سے تنگ آنا سبب بنا کہ انہوں نے ظالم حکومت کو پہچانا اور اس سے متنفر ہوئے اور اہلبیت پیغمبرؐ کی طرف متوجہ ہوئے اور خود حادثہ کربلا ایک نوری جھلک تھی جو آمادہ دلوں کو حق کی طرف اور خاندان رسالت کے آئین (تشیع) کی طرف لے جائے۔

مرحلہ چہارم:

امام صادقؑ کا عظیم کام یعنی چار ہزار طلبہ کے لئے حوزۂ علمیہ کی تشکیل جن میں سے ہر ایک چنا ہوا مبلغ تھا اور تشیع کی ترویج کے لئے اور ایرانیوں کے دلوں میں تشیع کی محبت ایجاد کرنے میں اصل عامل تھا۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ کوفہ مدائن کے نزدیک تھا اور بصرہ ایران کی حدود سے ملا ہوا تھا۔ امام صادقؑ کے بہت سے شاگرد جو کوفے اور اس کے اطراف کے رہنے والے تھے کوفے کی بڑی مسجد میں فقہ تشیع کی تبلیغ میں مشغول رہا کرتے تھے۔

مرحلہ پنجم:

سرزمین قم عراق سے ہجرت کرنے والے شیعوں کیلئے بہترین پناہ گاہ

تھی سرزمین ایران میں یہ خود کافی مؤثر نقش تھا ایرانیوں کے شیعہ ہونے میں۔

مرحلہ ششم:

امام رضاؑ کا مدینہ سے خراسان ہجرت کرنا اور بنی عباس حکومت کے ساتویں خلیفہ مامون کا آزاد رکھنا تاکہ اہلسنت کے بڑے علماء سے مناظرہ کرایا جائے یہ خود ایرانیوں کے شیعہ ہونے میں کافی اثرانداز تھا اور اس بات کی طرف متوجہ رہتے ہوئے کہ امام رضاؑ نے نیشاپور میں جب حدیث سلسلۃ الذہب جو توحید و امامت اہلبیتؑ پر شامل تھی بیان کیا تو بیس ہزار بلکہ ایک دوسری روایت کے مطابق چوبیس ہزار افراد امام رضاؑ کے کلام کو لکھنے والے تھے۔(اعیان الشیعہ جلد ۲ ص۱۸ جدید) جبکہ اس وقت پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد ان پڑھ لوگوں کی نسبت کم تھی۔ لہذا جب صرف لکھنے والوں کی تعداد ۲۴ ہزار تھی تو یقیناً دوسرے لوگ تو اس کے کئی گنا ہوں گے۔

مرحلہ ہفتم:

امام زادگان کا امام رضاؑ سے ملاقات کے لئے حجاز سے ایران کی طرف آنا اور ایران کے مختلف شہروں میں پھیل جانا اور لوگوں کا ان سے استفادہ کرنا یہ بھی ایران میں تشیع کی وسعت کا سبب ہے۔

مرحلہ ہشتم:

اکابر ایرانی علماء مثلاً شیخ کلینیؒ، شیخ طوسی، شیخ صدوق اور شیخ مفید وغیرہ جو اسلام و تشیع کو نافذ کرنے والے تھے ایران میں مذہب جعفری کی پیشرفت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اسی طرح حوزہ علمیہ نجف میں ہزار سے زیادہ رسالہ عملیہ

اور قدیم آثار نے اور دوسرے ملکوں میں ان علماء کی طرف سے مدرسے اور اسلامی مراکز کے قیام نے اس مذہب کے پھیلنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

مراحل نہم :

سن ۴ و ۵ ہجری میں آل بویہ (دیالمہ) جو شیعہ تھے کی حکومت بھی سیاسی و اعتقادی لحاظ سے تشیع کے لئے کافی اہم تھی اور اس کے اس سلسلے میں ان کی کوششیں کافی مؤثر و مفید رہیں۔

مرحلہ دہم :

آٹھویں ہجری میں علامہ حلیؒ کے ہاتھوں شاہ خدا بندہ کا شیعہ ہونا اور سارے ایران میں مذہب جعفری کو سرکاری قرار دینا ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

مرحلہ یازدہم :

سن دس و گیارہ ہجری میں صفوی حکومت کا آنا اور بادشاہ کا بڑے بڑے علماء مثلاً علامہ مجلسیؒ، شیخ بہائی اور میر داماد جیسے بزرگ علماء کی رہنمائی میں ایران میں مذہب تشیع کو فروغ دینا۔

ان قوی عوامل کے سبب تمام ایران میں مذہب تشیع کی ترویج ممکن ہوئی۔

دانشمند آتش پرست : ایرانیوں کے شیعہ ہونے میں بیرونی عوامل تھے یا داخلی یا دونوں؟

دانشمند مسلمان : ضروری ہے کہ کہا جائے کہ دونوں عوامل مؤثر تھے کیونکہ ایک طرف ایرانیوں کی عدالت و صداقت و ایثار و دوسری فضائل اخلاقی اور ظالم حکومتوں سے نفرت یہ سب داخلی عوامل تھے دوسری طرف ایک عادل و

معصوم رہبری جو صرف شیعت میں مل سکتا ہے ایرانیوں کے مذہب جعفری کی طرف جذب ہونے کے عوامل تھے اور کیونکہ ایرانیوں نے امام علیؑ کے وجود میں عدالت و صداقت و ایثار جیسی چیزیں پائیں جبکہ دوسرے مخالفین میں اس کے ضد چیزیں پائیں تو ایرانیوں کے لئے صرف دو راہیں تھیں: خاندان رسالت سے پیوستہ ہو جانا جو اسلام حقیقی تھا لہذا کیونکہ ایرانیوں کے قلوب پہلے سے آمادہ تھے اس لئے وہ اسلام و تشیع سے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر داخل ہونے لگے جس کی وجہ سے ایرانیوں میں ایک نئی فکر آئی جو بہترین راہ اسلام تھی کہ مذہب جعفری کو اختیار کیا جائے جس کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ نے علم غیب سے اس بارے میں خبر دی ہے کہ: "اسعد العجم بالاسلام اھل فارس." یعنی غیر عرب میں اسلام سے ہمکنار ہونے کی وجہ سے سعادت مند ترین لوگ ایرانی ہیں۔(کنزالعمال حدیث ۳۴۱۲۵) اور مزید آپؐ نے فرمایا: "اعظم الناس نصیبا فی الاسلام اھل فارس." یعنی مسلمانوں کے درمیان اسلام سے بہترین فائدہ حاصل کرنے والے ایرانی ہیں۔(وہی مدرک گزشتہ)

(۱۰۰)

بعض آیات قرآنی میں ظاہری اختلاف

شاگرد: جب قرآن کی آیات کو پڑھتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کی بعض آیتیں بعض دیگر آیتوں کے بالکل مقابل میں ہیں اور دونوں میں ایک قسم کا اختلاف ہے اس کی علت کیا ہے؟ کیا کلام خدا میں اختلاف پایا جاتا ہے؟

استاد : کلام خدا میں ہر گز اختلاف نہیں ہے اور آیات قرآنی میں بھی کسی قسم کا کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ خود قرآن کے سورۃ نساء کی آیت ۸۲ میں ارشاد ہوتا ہے : "ولو کان من عند غیر اللہ لوجدو فیہ اختلافاً کثیرا." یعنی اگر قرآن غیر خدا کی طرف سے آیا ہوتا تو تم لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے یہ آیت خود قرآن کی حقانیت پر ایک دلیل ہے کہ قرآن میں کہیں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ خود اختلاف نہ ہونا قرآن کے معجز نما ہونے کی زندہ دلیل ہے اور اس بات پر گواہی ہے کہ قرآن فکر بشر کی پیداوار نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

شاگرد : تو میں کس طرح جب آیات کو ایک دوسرے سے موازنہ کرتا ہوں تو انہیں مختلف پاتا ہوں؟

استاد : اپنی موازنہ کی ہوئی آیات کے ایک دو مورد بتاؤ تاکہ اس میں دیکھا جائے کہ اختلاف ہے بھی یا نہیں؟

شاگرد : بعنوان مثال دو مورد کو ذکر کرتا ہوں : قرآن نے بعض آیات میں انسان کے مقام کو اس قدر بلند بیان کیا ہے کہ فرماتا ہے : "فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعولہ ساجدین." (سورۃ صٓ آیت ۷۲ اور سورۃ حجر آیت ۲۹) یعنی جب آدمؑ کو تکمیل کرچکا اور اپنی روح اس میں پھونک دوں تو تم لوگ اس کے آگے سجدہ کرنا۔

اور بعض دیگر مقامات پر انسان کے مقام کو اس قدر گرا لیا کہ اس کو چارپایوں سے بھی پست تر تعبیر کیا ہے جیسا کہ سورۃ اعراف کی آیت ۱۷۹ میں ارشاد ہوتا ہے :

"ولقد ذرانا لجهنم کثیرا من الجن والانس لهم قلوب لا یفقهون بها ولهم اعین لا یبصرون بها ولهم آذان لا یسمعون بها اولئک کالانعام بل هم اضل اولئک هم الغافلون." یعنی ہم نے بہت سے جن و انس کو جنہم کیلئے خلق کیا ہے کیونکہ ان کے قلوب سمجھتے نہیں ہیں آنکھوں سے دیکھتے نہیں ہیں کانوں سے سنتے نہیں یہ لوگ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ ہیں اور غافل ہیں۔

استاد : ان دو آیت مذکور کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ ان آیتوں نے انسانوں کو دو دستوں میں تقسیم کیا ہے اچھے اور برے۔ اچھے لوگوں کا خدا کی بارگاہ میں اتنا بلند مقام ہے کہ فرشتہ ان کے لئے سجدہ کرتے ہیں اور خدا نے ان فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ ان کے وجود کی وجہ سے ان کے لئے سجدہ شکر بجالاؤ جبکہ برے لوگ اس حد تک پست ہیں کہ حیوانات سے بھی پست تر ہیں کیونکہ ان کے پاس عقل جیسی نعمت ہوتے ہوئے بھی انہوں نے حیوانات کی راہ کو اختیار کیا ہے۔ لہذا آیت اول انسان کی اعلیٰ صلاحیتوں کو اہمیت دینے اور ان کو بروئے کار لانے کی وجہ سے بشارت و خوشخبری دیتی ہے اور دوسری آیت انسان کے پاس اعلیٰ استعداد و اختیار ہونے کے باوجود اس کو استعمال نہ کرنے اور غرائض نفسانی کے پیروکار ہونے کی وجہ سے ان کو ڈرا رہی ہے۔

شاگرد : آپ کے تسلی بخش بیانات کا بہت بہت شکریہ۔ لہذا اگر اجازت ہو تو دوسرا مطلب ذکر کروں۔

استاد : کہو جو کہنا چاہتے ہو۔

شاگرد : ہم سورۃ نساء کی دوسری آیت میں پڑھتے ہیں کہ : "فانکحوا

ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلاث وربٰع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ."
یعنی پاکیزہ عورتوں سے نکاح کرو دو سے یا تین سے یا چار سے لیکن اگر ڈرتے ہو کہ ان کے درمیان عدل نہیں کر سکتے تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔ لہذا اس آیت کے مطابق اسلام میں چار تک شادیاں کرنا جائز ہیں عدالت رکھنے کی صورت میں جبکہ اسی سورۃ کی آیت ۱۲۹ میں پڑھتے ہیں کہ: "ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم." "یعنی تم جتنی بھی کوشش کرلو ہرگز اپنی ازواج کے درمیان عدالت نہیں کرسکتے۔ نتیجتاً پہلی آیت کے مطابق متعدد شادیاں کرنا جائز ہے عدالت کی رعایت کرتے ہوئے لیکن دوسری آیت کے مطابق کیونکہ متعدد ازواج کے درمیان عدالت ممکن نہیں ہے۔ لہذا ایک سے زیادہ شادیاں کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا اس طرح سے ان دونوں آیات کے درمیان ایک طرح کا اختلاف پایا جاتا ہے۔

استاد: اتفاقاً اسی طرح کا سوال امام صادق علیہ اسلام سے منکر خدا ابن ابی العوجا نے کیا تھا اور اس کا جواب امام کے صحابی ہشام بن حکم نے امام کی طرف سے اس کا جواب دیا تھا اور وہ مطمئن ہو گیا تھا۔ وہ جواب یہ تھا کہ پہلی آیت میں عدل کے معنی رفتار و کردار اور زوجہ کے حقوق میں انصاف سے کام لینے کے ہیں لیکن دوسری آیت میں عدل کے معنی قلبی میلان میں عدل کرنے کے ہیں۔ لہذا اس طرح ان دونوں آیات میں کوئی تضاد نہیں ہے اگر کوئی اپنی متعدد ازواج کے رفتار و کردار میں عدل کر سکے اگرچہ وہ ان کے قلبی میلان میں عدل نہ کر سکے تو وہ متعدد شادیاں کر سکتا ہے۔

شاگرد: عدل کی ان دو آیتوں میں دو طرح کے معنی کیوں کریں جبکہ

عدل کے ایک ہی معنی ہیں؟

استاد: عربی ادب کے لحاظ سے اگر کسی لفظ میں کوئی قرینہ ہو تو اس سے دو معنی کا ارادہ کیا جاسکتا ہے ایک معنی ظاہری دوسرے معنی باطنی۔ جیسا کہ ان دو آیتوں کے درمیان قرینہ ہے کہ پہلی آیت میں عدالت سے مراد رفتار و کردار کی عدالت ہے جیسا کہ ظاہر آیت اسی مطلب کو سمجھا رہی ہے لیکن دوسری آیت ذیل میں آگے پڑھتے ہیں کہ: "فلا تمیلو کل المیل فتذروھا کا المعلقۃ." یعنی اپنے تمایلات کو ایک ہی بیوی کے لئے مخصوص نہ کرو کہ دوسری گویا تنہائی محسوس کرے۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ عدالت کی استطاعت نہ ہونے کا ذکر جو شروع آیت میں آیا ہے وہ تمایلات قلبی میں عدالت کرنا ہے نہ کہ رفتار و کردار میں عدالت کرنا جو کہ ازواج کے حقوق میں رعایت کرنا ہے لہذا ان دونوں آیتوں میں کسی قسم کا کوئی تضاد و اختلاف نہیں ہے۔

شاگرد: آپ کے اس منطقی اور تسلی بخش جواب کا شکرگزار ہوں۔

(۱۰۱)

امام زماں (عج) کے ۳۱۳ سپاہی

جیسا کہ امام زمانؑ کے بارے میں جو روایات آئی ہیں ان میں مختلف تعبیرات سے یہ ملتا ہے کہ امام زمانؑ کے ظہر کے وقت آپ کے ۳۱۳ سپاہی ہوں گے جو کعبہ کے اطراف میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے امام زمانؑ جن کے انتظار میں ہیں اور یہ ۳۱۳ افراد وہ ہوں گے جو سب سے پہلے امام زمانؑ کے ہاتھ

پر بیعت کریں گے اسی وقت سے امام مہدیؑ کا قیام شروع ہوگا اور یہ ۳۱۳ افراد تمام کائنات میں امام مہدیؑ کی طرف سے حاکم ہوں گے۔ اب ذرا ایک اسلامی محقق اور تازہ جستجو کرنے والے کے درمیان مناظرہ ملاحظہ کریں:

جستجوگر: برائے مہربانی میرے لئے امام مہدیؑ کے ۳۱۳ انصار نقل کریں۔

محقق: یہ حدیث مختلف تعبیرات کے ساتھ نقل ہوئی ہے ایک حدیث نہیں ہے بلکہ ایسی دسیوں حدیثیں ہیں جو کہ تمام ان ۳۱۳ انصار امام مہدیؑ کے بارے میں ہیں یہ روایات اس قدر کثرت سے نقل ہوئی ہیں کہ ان کی صحت کا یقین ہو جاتا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ ہرگز ممکن نہیں کہ کچھ جھوٹے لوگوں نے دھوکہ دینے کے لئے ایسی حدیثیں گھڑی ہوں۔

جستجوگر: بقول شاعر مولانا کے:

آب دریارا اگر نتوان کشید   پس به قدر تشنگی باید چشید

یعنی اگر دریا کے پانی کو کھینچا نہیں جاسکتا تو کم از کم پیاس بجھانے کی حد تک تو پینا چاہئے۔ لہذا آپ بطور نمونہ ایک دو ان میں سے احادیث نقل کریں جو ان ۳۱۳ افراد کے بارے میں ذکر ہیں۔

محقق: سورہ ہود کی آیت ۸۰ کی تفسیر میں آیا ہے کہ حضرت لوطؑ نے اپنی سرکش اور باغی قوم سے فرمایا: "لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید." یعنی کاش کے تم سے مقابلے کے لئے میرے پاس قدرت ہوتی یا میری پشت محکم ہوتی تو تم دیکھتے کہ میں تمہارا کیا حشر کرتا۔ لہذا امام صادقؑ فرماتے ہیں: "قوۃ" سے آیت میں مراد امام زمانؑ ہی ہیں اور "رکن شدید" سے مراد امام زمانؑ

کے ۳۱۳ انصار ہیں۔ (تفسیر برہان جلد ۲ ص ۲۲۸۔ اثبات الہداۃ جلد ۷ ص ۱۰۰)
ایک دوسری روایت امام باقرؑ فرماتے ہیں: "لكانی انظر اليهم مصجدين من نجف الكوفة ثلاث ماة و بضعة عشر رجلا كان قلوبهم زبر الحديد." یعنی میں ان ۳۱۳ انصار حضرت مہدیؑ کو دیکھتا ہوں کہ جو کوفہ و نجف سے بھی آگے بڑھ جائیں گے ان کے قلوب لوہے کے ٹکڑوں کی مانند ہیں۔ (بحار جلد ۵۲ ص ۳۴۳)

جستجوگر: کیا ابھی تک وہ ۳۱۳ افراد تیار نہیں ہو سکے ہیں تاکہ وہ امام زمانہؑ کی خدمت میں جائیں اور آپؑ کا ظہور ہو اور دنیا اس ظلم و ستم سے نجات پائے؟

محقق: یہ ۳۱۳ افراد روایات کے مطابق خاص خصوصیات کے حامل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک دنیا میں ایسی لیاقت رکھنے والے افراد نہیں ہیں جو کہ ظہور امامؑ کا سبب بنیں۔

جستجوگر: مثلاً ان کی کیا خصوصیات ہوں گی؟

محقق: جیسا کہ امام سجادؑ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدیؑ مکہ میں لوگوں کے درمیان اپنے آپ کا تعارف کرائیں گے اور لوگوں کو اپنی طرف دعوت دیں گے بعض لوگ امام زمانؑ کے خلاف قیام کریں گے تاکہ امام کو قتل کردیں۔ "فيقوم ثلاثماة و نيف فيمنعونه منه." پھر یہ ۳۱۳ افراد قیام کریں گے اور امام زماں کو مخالفین سے محفوظ رکھیں گے۔ (بحار جلد ۵۲ ص ۳۰۶) دوسری روایات میں ایسے افراد کی توصیف میں آیا ہے کہ: "يجمعهم الله بمكة قزعا كقزع الخريف." خداوند عالم ان لوگوں کو مکہ کے گرد جمع کرے گا جس طرح خزاں کے موسم میں پتوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ (اعیان الشیعہ۔ جدید جلد ۲ ص ۸۴)

یعنی وہ لوگ تیز و سریع اپنے تمام امکانات کے ساتھ مکہ میں جمع ہو جائیں گے۔
امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ: "وکانی انظر لی القئم علی منبر الکوفة وحوله اصحابه ثلاثماة وثلاث عشر دجل عدة اهل البدر وهم اصحاب الالوية وهم حکام الله فی الرضه علی خلقه." (بحار جلد ۵۲ ص ۳۲۶) یعنی گویا میں امام قائمؑ کو کوفہ کے منبر پر دیکھ رہا ہوں کہ ان کے ۳۱۳ انصار جنگ بدر کے جنگجو مسلمانوں کی طرح آپ کے اطراف میں کھڑے ہیں یہ لوگ امام زمانؑ کے پرچم جوار ہیں اور زمین خدا پر خدا کی طرف سے حاکم ہیں۔
لہذا حدیث کے تحت وہ ۳۱۳ افراد علم و کمال و شجاعت اور اسلامی درجات سے ہمکنار ہوں گے۔ مثلاً اگر تمام کائنات کو ۳۱۳ ریاستوں میں تقسیم کیا جائے تو ان میں سے ہر ایک میں اتنی صلاحیت ہو کہ وہ اس کی رہبری کر سکے بقول کسی بزرگ کے کہ مثلاً وہ ۳۱۳ افراد امام خمینیؒ جیسے ہوں جنھوں نے ایران کی حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور صحیح رہبری کی لہذا ان ۳۱۳ افراد میں سے بھی ہر ایک اتنی قدرت و صلاحیت کا مالک ہونا چاہئے تاکہ امام زمانہؑ کی حکومت جہانی کے کسی حصے پر اگر حاکم بنایا جائے تو وہ اس کی صحیح رہبری کر سکے۔
جستجو گر: اب اس مسئلہ کی حقیقت واضح ہوئی کہ ابھی تک وہ ۳۱۳ افراد اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ دنیا میں نہیں ہیں۔ لہذا اس سلسلے میں زمینہ سازی عمیق ودقیق طریقے سے کرنی چاہئے تاکہ تمام جہان امام مہدیؑ کے ظہور کے منتظر ہوں اور خود کو آمادہ کریں جس طرح پیغمبر اسلامؐ کو اپنے مقدس اہداف کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے ہوشیار، سیاستدان، شجاع اور پر صلاحیت افراد کی ضرورت تھی اسی

طرح امام زماں کو بھی ایسے انصار کی ضرورت ہے تاکہ امامؑ کے ظہور میں تاخیر نہ ہو۔ میرا دل چاہ رہا ہے کہ ان ۳۱۳ افراد کے بارے میں مزید گفتگو سنوں۔

محقق: سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۸ میں ہم پڑھتے ہیں کہ: "این ماتکونو یات بکم اللہ جمیعا." یعنی تم لوگ جہاں کہیں بھی ہوگے خدا تمہیں حاضر کریگا۔ امام صادقؑ اس آیت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس آیت میں مراد امام زماںؑ کے ۳۱۳ انصار ہیں خدا کی قسم وہی امت معدودہ ہیں اور خدا کی قسم یہ لوگ ایک گھنٹے کے اندر جمع ہو جائینگے جس طرح خزاں کے موسم میں بکھرے ہوئے تیز ہواؤں سے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں۔(نور الثقلین جلد اول ص۱۳۹) ان کی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ لوگ دور ترین ممالک و شہروں سے مکہ میں جمع ہو جائیں گے۔(اثبات الہداۃ جلد ۷ ص۱۷۶) اور امام مہدیؑ مکہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر ان ۳۱۳ افراد کے انتظار میں توقف کرینگے تاکہ وہ سب آجائیں تو سب مل کر کعبہ کے اطراف میں جمع ہوں۔(اثبات الہداۃ جلد ۷ ص۹۲) یہی وہ افراد ہوں گے جو سب سے پہلے امام زمان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔(بحار جلد ۵۲ ص۳۱۶) وہ لوگ امام مہدیؑ کی طرف سے امداد غیبی سے ہمکنار ہوں گے امام مہدیؑ اور ان پر خدا کی طرف سے رحمت ہوگی۔ چنانچہ امام سجادؑ فرماتے ہیں کہ گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ امام مہدیؑ اور ان کے ۳۱۳ انصار پشت کوفہ سے نجف میں مشرف ہوئے ہیں جبرئیلؑ ان کے دائیں طرف اور میکائیلؑ ان کی بائیں طرف اور اسرافیل ان کے آگے آگے پیغمبر اکرمؐ کا پرچم لئے ہوئے چل رہے ہونگے اور اس پرچم کو کسی بھی اسلامی گروہ کے مخالفین کے سامنے متمایل نہیں کرینگے مگر یہ کہ خدا ان مخالفین کو

ہلاک کردے۔ (اثبات الہداۃ جلد ۷ ص ۱۱۳۔ اعیان الشیعہ جلد ۲ ص ۸۴)

جستجو گر: انصاران امام مہدیؑ کے سلسلے میں کیوں صرف مردوں کی بات ہوتی ہے خواتین کا ذکر کیوں نہیں ہوتا؟

محقق: یہ جو مردوں کی زیادہ گفتگو ہوتی ہے وہ اس لئے کہ آغاز سے اب تک جہاد کے سلسلے میں زیادہ تر مرد میدان میں جاتے تھے لیکن خواتین بھی مختلف محاذوں سے امام مہدیؑ کے اہداف کا دفاع کریں گی۔ بعض روایات میں امام مہدیؑ کے ۳۱۳ انصار میں خواتین کا بھی ذکر ہے منجملہ ان روایات میں سے امام باقرؑ سے جو روایت ہے کہ: "ویجیئ واللّٰہ ثلاث ماۃ وبضعۃ عشر رجل فیھم خمسون امرئۃ یجتمعون بمکۃ علی غیر میعاد قزعا کقزع الخریف." (بحار جلد ۵۲ ص ۲۲۳۔ اعیان الشیعہ جلد ۲ ص ۸۴) یعنی خدا کی قسم ان ۳۱۳ انصار میں تین سو سے کم مرد اور پچاس خواتین ہوں گی جو مکہ میں جمع ہوں گے۔ پہلے سے اعلان کئے بغیر موسم خزاں کے بکھرے ہوئے پتوں کی طرح۔ مفضل امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ: "امام مہدیؑ کے ساتھ تیرہ خواتین ہوں گی۔" مفضل کہتے ہیں: میں نے عرض کیا کہ مولا! خواتین امام مہدیؑ کے ساتھ کس لئے ہوں گی؟ آپؑ نے فرمایا: زخمیوں کا مداوا کرنے اور جنگی بیماروں کی تیمارداری کے لئے۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں بھی خواتین یہی کام انجام دیا کرتی تھیں۔ (اثبات الہداۃ جلد ۷ ص ۱۵۰ اور ص ۱۷۱)

جستجو گر: ایسے مردوں اور عورتوں کی تعداد جو امام مہدیؑ کے ہمراہ ہوں گے کم ہوگی؟

محقق: ایسے لوگ ابتداء ظہور سے امام مہدیؑ کے ہمراہ ہوں گے اور پھر روز بروز ان کی تعداد بڑھتی جائے گی۔

مزید وضاحت: کہ یہ افراد خاص خصوصیات کے حامل ہوں گے جو عالمگیر حکومت تشکیل دیں گے جیسا کہ خود روایت میں آیا ہے: "۳۶۰ افراد حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان امام مہدیؑ کے ہاتھوں پر بیعت کریں گے اور یہ افراد امام مہدیؑ کے وزراء ہوں گے جو عالمگیر حکومت کی سخت ترین ذمہ داریوں کو سنبھالیں گے اور اس کا انتظام چلائیں گے۔"

ایک اور روایت ملتی ہے کہ: "فتح روم کے موقع پر امام مہدیؑ کے انصار شرکت کریں گے اور ان کی پہلی صدائے تکبیر سے ایک تہائی روم فتح ہو جائیگا اور دوسری تکبیر سے ایک تہائی روم اور فتح ہو جائیگا اور پھر تیسری تکبیر سے تمام روم آزاد ہو جائیگا۔" (المجالس السنیہ "سید محسن جبل عاملی" جلد ۵ ص ۷۱۱ و ۷۲۳ و ۷۲۴)

ایک اور رویت میں امام باقرؑ سے نقل ہے کہ ستر ہزار افراد امام مہدیؑ کے سچے فدائین اہل کوفہ ہوں گے۔ (بحار جلد ۵۲ ص ۳۹۰)

اس مناظرے کے اختتام پر بعض زینت بخش مطالب کے سلسلے میں چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ امام صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے: "ان القائم صلوٰۃ اللّٰہ علیہ ینادی باسمہ لیلۃ ثلاث و عشرین ویقوم یوم عاشورا یوم قتل فیہ الحسینؑ۔" (ارشاد مفید ص ۳۴۱۔ بحار جلد ۵۲ ص ۲۹۰) یعنی حضرت مہدیؑ جن پر خدا کی طرف سے درود و سلام ہوں ۲۳ رمضان کی شب کو آپ کے نام کی آواز آئے گی اور آپ روز

عاشورا قیام کریں گے۔

۲۔ امام سجادؑ کا ارشاد گرامی ہے: "اذا قام قئمنا اذهب الله عزوجل عن شيعتنا العاهة وجعل قلوبهم كزبر الحديد و جعل قوة الرجل منهم قوة اربعين رجلا ويكونون حكام الارض وسنا مها." یعنی جب ہمارے قائم قیام کریں گے تو خداوند عالم ہر قسم کی وحشت و آفت کو آپ کے شیعوں سے دور کردے گا اور ان کے قلوب لوہے کی مانند محکم ہو جائیں گے اور ان میں سے ہر ایک شخص چالیس افراد کی قوت رکھے گا اور وہ لوگ تمام زمین پر حاکم ہوں گے۔(بحار جلد ۵۲ ص ۳۱۷)

۳۔ امام باقرؑ کا ارشاد گرامی ہے: "فاذا وقع امرنا وخرج مهدينا كان احدهم اجرى من الليث امضى من السنان ويطا عدونا بقدميه ويقتله بكفيه." یعنی جب ہمارا امر آئے گا اور ہمارا مہدیؑ خروج کرے گا تو ہمارے شیعوں میں سے ہر ایک شیر سے زیادہ دلیر اور نیزے سے زیادہ تیز جو دشمن پامال کردے اور اپنے ہاتھوں سے اسے قتل کردے۔(اثبات الہداۃ جلد ۷ ص ۱۱۳)

۴۔ امام صادقؑ کا ارشاد گرامی ہے: "ليعدن احدكم لخروج القائم ولو سهما." یعنی تم میں سے ہر ایک کو قیام قائمؑ کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ایک عدد تیر ہی مہیا کر کے تیار رہے۔(غیبۃ النعمانی ص ۱۷۲)

۵۔ امام صادقؑ ہی کا یہ بھی ارشاد ہے: "يذل له كل صعب." یعنی امام مہدیؑ کے سامنے تمام دشواریاں اور مشکلات آسان ہو جائینگی۔"(بحار جلد ۵۲ ص ۲۸۳)